ناموَر نومسلم شخصیات کے دامنِ اسلام سے وابستگی کے ایمان افروز حالات

کفر سے اسلام تک

اُن لوگوں کے عزم وہمّت کی داستان جس کو پڑھ کر
آپ اپنے ایمان میں پختگی محسوس کریں گے

تحقیق و ترتیب
مولانا محمد یونس جروار سعدی
اُستاذ دار العلوم الصُّفّہ کراچی

زمزم پبلشرز

نامور نومسلم شخصیات کے دامنِ اسلام سے وابستگی کے ایمان افروز حالات

کفر سے اسلام تک

اُن لوگوں کے عزم و ہمت کی داستان جس کو پڑھ کر
آپ اپنے ایمان میں پختگی محسوس کریں گے

تحقیق و ترتیب
مولانا محمد یونس جرواز سعدی
اُستاذ دارالعلوم الصفہ کراچی

زمزم پبلشرز اردو بازار، کراچی
فون: ۷۷۲۵۶۷۳

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب کا نام : کفر سے اسلام تک
تاریخ اشاعت : مارچ ۲۰۰۱ء
باہتمام : احباب زم زم پبلشرز
کمپوزنگ :
سرورق : لومینز گرافکس
مطبع :
ناشر : زم زم پبلشرز، شاہ زیب سینٹر نزد مقدس مسجد، اردو بازار کراچی
فون: 7725673 - 7760374 فیکس:7725673
ای میل - zamzam@sat.net.pk

دیگر ملنے کے پتے : دارالاشاعت، اردو بازار کراچی
علمی کتاب گھر اردو بازار۔ کراچی
قدیمی کتب خانہ بالمقابل آرام باغ۔ کراچی
صدیقی ٹرسٹ، لسبیلہ چوک۔ کراچی فون : 7224292
مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار۔ لاہور

آئینہِ کتاب

عنوان **صفحہ**

انتساب ۵
پیش لفظ ۶
مقدمہ ۱۰
حضرت خباب بن ارت ۱۹
مابہ سے سلمان فارسی تک ۲۹
امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ ۳۷
مہاتما گاندھی کا بیٹا کیسے مسلمان ہوا ۴۳
کرشن لال سے غازی احمد تک ۵۳
حلاوت ایمان ۶۵
سنجیت چکر بورٹی سے نورالدین تک ۷۱
گنگا سے زم زم تک ۷۹
میں شرمندہ ہوں ۱۰۷
فطرت کا انتخاب ۱۱۱
صنم سے صمد تک ۱۱۹
ناہر سنگھ سے مولانا خلیل الرحمٰن مدنی تک ۱۲۷
ہندو ڈاکٹر سے مبلغ اسلام تک ۱۵۵
عقیدہ تثلیث ایک معمہ ۱۶۰

انگریز میجر کا قبول اسلام............۱۴۱
ایک جملے نے مسلمان بنادیا............۱۷۵
اللہ کی توفیق کے بغیر حق نہیں ملتا............۱۸۱
اذان میرے روحانی سفر کا آغاز............۱۸۹
ظلمت سے نور کی طرف............۱۹۵
نومسلم اسٹریلوی تاجر کی عبرت انگیز داستان............۲۰۳
یوئیل کندن سے خالد تک............۲۱۱
جرمنی کے نومسلم دینی طالب علم کی داستان............۲۲۵
سابق تنزانوی صدر کے بچوں کا قبول اسلام............۲۳۳
لارڈ برنٹن سے جلال الدین تک............۲۳۹
مسیحیت سے اسلام تک............۲۴۳
قرآن کریم کی آیت نے مسلمان بنادیا............۲۵۷
میں اسلام کی آفاقیت کو دیکھ کر مسلمان ہوا............۲۶۱
متعصب نصرانی کا قبول اسلام............۲۶۷
فلپائنی عیسائی کا قبول اسلام............۲۷۳
اسلام ابدی سکون کا ضامن............۲۷۷
میں نے اسلام کیوں قبول کیا............۲۸۱
اسٹیفن سے نقشبندی تک............۲۹۱
اسلام میرا انتخاب............۲۹۷
جوناتھن سے یحییٰ تک............۳۰۳
پولوس مسیح سے عمر فاروق تک............۳۰۷

مسٹر اے۔ایچ پینیڈر کا قبول اسلام............۳۱۱
عیسائی پادری کا قبول اسلام............۳۱۵
وپیسٹر سے محمد جان تک............۳۱۹
میں دہریہ تھا............۳۲۳
مائیکل جیرانڈ سے عبدالرحمٰن تک............۳۳۱
انٹرویوز............۳۳۸
انیل کپور شرما سے مجاہد اسلام تک............۳۳۹
ڈنمارکی سفیر کے قبول اسلام کے بعد تاثرات............۳۴۹
جارج واشنگٹن کی نسل میں اسلام............۳۶۱
کیٹ اسٹیونیز سے یوسف اسلام تک............۳۷۲
کیمونسٹ جنرل سے مؤذن مسجد علی تک............۳۸۷
کیمو کیبا سے خالد تک............۳۹۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

۱۔ آفتاب ہدایت رحمت عالم محسن انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے نام! جنہوں نے بھٹکتی انسانیت کو اندھیروں میں روشنی عطاء کی۔ ہیں مدح سرا جن کے اپنے بھی پرائے بھی!

۲۔ اسلام قبول کرنے والی پاکیزہ اور نیک فطرت کے مالک شخصیات کے نام! جن کے قلوب واذہان نور ایمان سے مزین ہو کر فلاح دارین حاصل کر گئے۔

۳۔ اور ساتھ ہی انہیں مسلمان بنانے کا ذریعہ بننے والے ان معروف یا گمنام اہل حق کے نام جن میں مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ جیسے اہل علم اور ان شکستہ حال گردوغبار میں آئے افراد کے نام جنہیں کوئی تو اللہ والے کہتا ہے اور کوئی انہیں جگت سدھارے (یعنی دنیا کو سدھارنے والے) کے نام سے پکارتا ہے میری مراد تبلیغی جماعت ہے۔

جن کا سوز دل اور دلی تڑپ ان کے اسلام قبول کرنے کا ذریعہ بنی اے میرے اللہ! ان سب کو تو اپنی لامحدود رحمتوں کے آغوش میں لے لے آمین ثم آمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

ابھی طالب علمی کا ابتدائی زمانہ تھا فارسی اور عربی ادب کی کچھ کتابیں پڑھیں تو کچھ حد تک مشکل الفاظ پر دسترس حاصل ہوئی تو دل میں ایک داعیہ سا پیدا ہوا کہ مضامین کا کچھ سلسلہ شروع کیا جائے۔لیکن میں اس میدان میں نووارد تھا اور میری مثال اُس کی پنچھی کی طرح تھی جو گھونسلے سے تو اُڑنا چاہتا ہے۔مگر آسمان کی بلندیوں اور وسعتوں کو دیکھ کر ٹھٹک کر رہ جاتا ہے۔

انہی دنوں ایک حادثہ جانکاہ پیش آیا کہ میرے قریبی ساتھی اور جہاد افغانستان کے پر جوش داعی محمد بن محمود افغانستان میں گردیز کے مقام پر رشین آرمی سے لڑتے ہوئے مائن پھٹنے سے شہید ہو گئے۔

وہ چونکے میرے گہرے ساتھی تھے ان کی شہادت پر نامور صحافی اسیر ہند مولانا مسعود اظہر صاحب نے مجھے حکماً کہا کہ آپ انکے حالات واقعات کو مضمون کی شکل میں قلم بند کریں میں اسے صدائے مجاہد میں شائع کروں گا ان کے ادب اور حکم کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے سر تسلیم خم کرنا پڑا اور وہ مضمون ''شہید محمد بن محمود ثانی محمد بن قاسم'' کے عنوان سے صدائے مجاہد میں شائع ہوا تو مولانا مسعود اظہر صاحب نے مضمون کی نوعیت کو دیکھ کر فرمایا:

''اب آپ نے لکھتے ہی رہنا ہے''

تعمیل ارشاد میں یکے بعد دیگرے مختلف رسائل واخبارات اور دینی مجلّات میں متواتر لکھتا رہا پھر ناگاہ ایک لمحہ وہ آن پہنچا کہ یہ سارا سلسلہ رک گیا اور میرا رابطہ قلم وقرطاس سے منقطع ہوگیا اور اس وقت میرے دل ودماغ پر اوس پڑ چکی تھی میں نہ سمجھ سکا ان دنوں میری ایسی کیفیت کیوں تھی لیکن تھی ضرور بہر کیف حالات کی راکھ میں دبی ہوئی چنگاری سلگتی رہی جو ایک بار پھر شعلہ جوالہ بنی یہاں تک وہ دن وہ لمحے خدا کی توفیق سے پھر آن پہنچے اور وہ سوز ساز جسکے ساتھ زندگی وابستہ ہے جاگ اٹھا۔

تو ذرا چھیڑ تو دے تشنہ مضراب ہے ساز
نغمے بے تاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لئے

میں نے کتاب ترتیب دینے کا اظہار اپنے محسن ومربی یادگار اسلاف استاذ العلماء حضرت الشیخ مولانا حق نواز صاحب (مدیر دار العلوم الصفہ سعید آباد کراچی) سے کیا تو انہوں نے پسند فرما کر میرے جذبے کو مزید سلگایا انہی کی لگائی ہوئی لگن نے مجھے چند منتشر اور بے ربط سی سطروں کے کھینچنے میں مگن کیا اور میں نے اس موضوع کا انتخاب کیا جو عام اور سادہ ہے جہاں پڑھنے والوں کے لئے ایک طرف تو آسانی اور دلچسپی ہے وہیں ایمان میں حرارت اور تازگی کا سبب بھی ہے کتاب کا اسلوب اور انداز بیان ایسا ہے کہ پڑھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے آنکھوں کے سامنے یہ منظر چل رہا ہو اور رقت طاری ہوجاتی ہے کیونکہ اسلام ایک نعمت عظمیٰ ہے جس کی قدر شاید ہم نہیں جان پائے جن کو یہ نعمت مل گئی دنیا بھر کی مشقتیں آسان ہوگئیں۔

انہی نومسلموں کے حالات واقعات کو میں نے اپنی سی کوششوں سے مختلف جرائد

وذرائع سے کافی جستجو اور تلاش بسیار کے بعد یکجا کیا ہے اور ابتداء حضرات صحابہ کرامؓ کے حالات واقعات سے کی ہے تاکہ اسلام کی خاطر ان نفوس قدسیہ کی قربانیوں کا کچھ نقشہ ذہن میں رہے کہ ان حضرات نے کس طرح اپنے خون سے گلشن اسلام کی آبیاری کی نیز ان نفوس قدسیہ کے ذکر کو مقدم کرنے میں برکت کا حصول بھی پیش نظر ہے

میں نے کتاب کو خالصتاً ادب کے رنگ میں رنگنے کی کوشش نہیں کی کہ کہیں ادب کی چاشنی حقائق پر غالب نہ آجائے البتہ اپنے ادبی ذوق کی تسکین کی خاطر ہر واقعہ کی تلخیص کو اشعار کے ساتھ مزین کیا ہے تاکہ پڑھنے والوں کا ذوق اور نشاط بڑھتا رہے۔

میں ایک عاجز سا انسان ہوں الحمدللہ کبھی اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہوا کہ میری جنبش قلم کسی قسم کی حرف گیری اور اعتراض سے پاک ہوسکتی ہے قارئین کو جہاں کہیں غلطی نظر آئے تو عفوودرگزر سے کام لیتے ہوئے مجھے مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تصحیح کی جاسکے۔

اللہ تعالیٰ میری اس حقیری پہلی کاوش کو امت مسلمہ کے لئے نفع اور ہدایت کا سبب بنادے اور یہ کتاب متلاشیان حق کے لئے دنیا اور آخرت کی فلاح اور نجات کا ذریعہ ہو۔

ساتھ ہی برادر عزیز مفتی محمد زبیر صاحب فاضل ومتخصص دارالعلوم کراچی کا دل کی گہرائیوں سے ممنون ہوں کہ انہوں نے تعلیمی مصروفیت کے باوجود کتاب کے شروع میں ایک اہم اور وقیع مقدمہ تحریر کیا ہے جتنی باتیں کتاب کے مناسب اور لائق شان تھیں وہ سب اس مقدمہ میں آگئی ہیں میں دل سے ان کا شکر گزار اور ممنون ہوں اور دعا گوں ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور خدمت دین کے لئے

انہیں قبول فرمائے۔

آخر میں مجھے اور میرے انتہائی شفیق نیک اور سادہ دل والدین اساتذہ اور میرے ساتھ تعاون کرنے والوں کو اپنی خصوصی دعاؤں میں یاد فرمائیں۔

واجرکم علی اللہ تعالیٰ وھو المعطی

محمد یونس سعدی جروار

مدرس ورفیق شعبہ تصنیف وتالیف دارالعلوم الصفہ سعید آباد کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

مولانا مفتی محمد زبیر صاحب
دار العلوم الصفہ سعید آباد و متخصص دار العلوم کراچی

اسلام، حقائق اور سچائیوں کا مجموعہ ہے، اس کا ایک ایک جزو اپنی جگہ ایک عظیم حقیقت اور صداقت ہے۔ مگر ان حقائق پر بعض اوقات، مادیت، سرکشی، اور دنیا کی رنگینی کا پردہ پڑ جاتا ہے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ان حقائق کے چہروں سے وہ پردہ ہٹاتے رہتے ہیں۔ اور توحید و رسالت کی ہر صداقت کو بالکل آشکارا کر دیتے ہیں اور یہ فطری بات ہے کہ ہر حقیقت اپنے اندر خاص کشش رکھتی ہے اسلام انہی پرکشش حقیقتوں کا مجموعہ ہے۔

(اسی لئے کئی باطل مذاہب نے اپنی مذہبی رسومات اور اپنے طور طریقوں میں اسلام ہی کے بعض اجزاء کو کچھ تبدیلی کے ساتھ شامل کر لیا ہے اور اس سے وہ اس غلط فہمی میں مبتلا رہے کہ اسلام کی طرح ان کا مذہب بھی پھلے پھولے گا حالانکہ دین کا تو ہر جزو صرف اسلام ہی کے لئے بذریعہ وحی خالق و مالک ذات کی جانب سے متعین ہو کر نازل ہوا ہے)

ذرا سی بھی اچھی فطرت پانے والا شخص جب ان حقائق میں سے کسی کے اندر پوری لگن کے ساتھ غور و فکر کرتا ہے تو ایمان لانے میں پس و پیش نہیں کرتا، کسی پر قرآن کی کسی

آیت کی حقیقت واضح ہوئی وہ مسلمان ہوگیا کوئی نماز سے متاثر ہوا' کوئی اذان اور روزے سے متاثر ہوا اور کوئی کسی صحیح کامل مسلمان کے طرزعمل کو دیکھ کر مسلمان ہوا۔ یہی اس کی دلیل ہے کہ اسلام حقیقتوں اور صداقتوں کا مجموعہ ہے۔ کوئی اچھائی اور صداقت ایسی نہیں جو اس سے چھوٹ گئی ہو اور کوئی برائی ایسی نہیں جو اس میں شامل ہوگئی ہو۔

کتاب کی مناسبت سے چند باتیں یہاں بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ا۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا...... کہ جب حق کے تمام اجزاء اور تمام حصے سمٹ کر اسی مذہب اسلام میں ہی آ گئے ہیں تو پھر یہ بات ذہن نشین کر لینے کی ہے کہ پھر دنیا میں کوئی مذہب ایسا نہیں جو انسانی طبعیتوں کے سکون اور اطمینان کا ذریعہ بن سکے' چین وسکون صرف اسی دین میں ہی ہے کیونکہ یہ حقیقتوں کا مجموعہ ہے اور یہ واقعہ ہے کہ حقیقت کو پالینے کے بعد انسانی فطرت کو سکون واطمینان کی جنت میسر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تقریباً پوری کتاب میں آپ کو یہ بات مشترکہ طور پر ملے گی کہ جو شخص بھی دائرہ اسلام میں داخل ہوا وہ یہ اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکا کہ اسلام قبول کر لینے کے بعد اس کی زندگی مکمل طور پر کیف وسرور اور قلبی چین وسکون سے مالا مال ہوگئی ہے۔

انگلینڈ کا ایک انگریز مسلمان ہوا ایک ہفتہ کے بعد جب وہ چند مسلمانوں سے ملا تو اس نے کہا ''جس رات میں مسلمان ہوا تھا اپنی زندگی میں اس رات عجیب وغریب دلی سکون کے ساتھ سویا ایسا سکون اس سے پہلے مجھے کبھی میسر نہیں آیا''۔

تسلی اور قلبی تسکین کی یہ دولت معمولی دولت نہیں' دیکھا جائے تو آج دنیا کی ساری دوڑ دھوپ اسی مقصد کے حصول کے لئے کی جارہی ہے۔ عمارتوں' سواریوں اور ریوڑں کی فراوانی کا شوق آج اسی لئے ہے کہ راحت وسکون حاصل ہو۔ زندگی اطمینان سے گذرے۔ حالانکہ سکون کی دولت ریوڑں کی دولت میں نہیں ذکر اللہ اور

دینداری میں مضمر ہے۔" الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب " آج اہل مغرب دماغی سکون سے عاری ہیں یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ وہاں ذہنی بے قراری کی وجہ سے اپنے گھروں سے نکل کر جنگلوں کا رخ کرتے ہیں اوران سے اگر پوچھا جائے کہ کہاں جارہے ہو؟ توبسا اوقات خودانہیں بھی پتہ نہیں ہوتا کہ ہم کہاں اور کس مقصد کے لئے گھروں سے نکلے ہیں۔دنیا کی تمام مادی وسعتوں اور فراخی کے باوجود قلبی بے چینی نے انہیں گھروں سے نکال رہا ہے سکون اور مسرتوں کی تلاش میں پورا یورپی معاشرہ سرگرداں ہے۔انہیں کوئی بتائے کہ ان کے بکھرے ہوئے ذہنوں' منتشر خیالات اور بے قرار روحوں کی پناہ گاہ اور جائے قرار صرف اسلام ہے۔ واشگاف الفاظ میں قرآن کا اعلان ہے" الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب "
ترجمہ: اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔اسی لئے ان میں جو مسلمان ہوگئے ان کے دل ہمیشہ کے لئے روشن ہوگئے ان کی زندگیوں میں انقلاب آ گیا ہے' ایسا خوشگوار انقلاب جس نے ان کو فحاشی کے بجائے حیاء کی چادر عطا کی' ظلم کے بجائے رحم' حرص وطمع کے بجائے صبر وقناعت' غصب کے بجائے سخاوت اور قلبی طور پر الجھنوں کے بجائے چین وسکون عطاء کیا ہے۔

۲۔اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں کوئی نہ کوئی استعداد اور صلاحیت رکھی ہے۔ بے شمار انسانوں میں ایسی صلاحیتیں اور استعدادیں ہیں کہ انہیں ذرا سا صحیح رخ مل جائے تو اس صلاحیت سے انسانیت کی عظیم خدمت سرانجام پاجائے۔

مثلاً کسی میں سماجی اور خیراتی کاموں کا جذبہ موجود ہے کسی میں ملت کی اجتماعی ساکھ کو مضبوط کرنے کا ولولہ ہے' کوئی مظلوم انسانیت کی مدد کا خواہشمند ہے۔

مگر دین کی دولت نہ ملنے کی بناء پر ان کی وہ سب صلاحیتیں بے کار ہیں بلکہ بعض اوقات ان استعدادوں کا رخ غلط جانب ہوتا ہے۔

ایسی صلاحیتوں کے مالک غیر مسلم افراد کی صلاحیتوں کو مسلمان ہونے کے بعد جلاء ملتی ہے ۔ اور وہ خیارکم فی الجاھلیته خیارکم فی الاسلام (جاہلیت میں جو تم میں بہتر تھے وہ اسلام میں بھی بہتر ہیں) کا مصداق بنتے ہیں اور وہ اسلام اور مسلمانوں کی ایسی لازوال خدمات سرانجام دیتے ہیں کہ پیدائشی مسلمانوں کی کئی جماعتیں اور اکیڈمیاں بھی وہ خدمات انجام نہیں دے سکتی۔

کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ ھارون رشید کے دربار میں کسی شخص نے اپنا کرتب دکھایا اور اس نے مٹی کا تھوڑا سا ڈھیلا دربار کے میں درمیان میں لا کر رکھا اور اس میں ایک سوئی گاڑھ دی اور پھر خود کچھ دور کھڑے ہو کر ایک اور سوئی اپنے ہاتھ سے گاڑھی ہوئی سوئی کی طرف پھینکی تو یہ سوئی اس گاڑھی ہوئی سوئی کے ناکے میں سے گذر گئی۔ ھارون رشید کو یقین نہیں آیا اس نے دوبارہ ایسا کرنے کا حکم دیا تقریباً تین مرتبہ اس نے اسی طرح سوئی ناکے میں سے گذار دی' ھارون رشید نے اس حیرت انگیز کمال پر اولاً تو اس کو خوب انعام واکرام سے نوازا اور پھر اس کے بعد جلاد کو حکم دیا کہ اسے کوڑے لگاؤ' کسی نے پوچھا کہ یہ آپ نے کیا کیا؟ تو ھارون رشید نے جواب دیا کہ انعام تو اس کی ذھانت اور اس کے کمال پر اس کو دیا اور کوڑے اس لیے مروائے کہ خدا نے اس کو اتنی ذھانت عطاء کی اور اس نے اپنی یہ سب صلاحیتیں ایسی بے کار چیزوں پر خرچ کر کے اپنی صلاحیتیں ضائع کیں' اگر دین پر یہ صلاحیتیں لگاتا تو خدا جانے امت کا یہ کتنا بڑا امام بنتا؟

اسی طرح عالمِ انسانیت میں آج بے شمار اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک افراد موجود ہیں ان کی صلاحیتیں ضائع ہو رہی ہیں' توانائیاں غلط رخ پر ہیں' محنتوں اور ہمتوں کا مصرف انتہائی نقصان دہ اھداف کو مقرر کیا گیا ہے جس میں خسارہ اور واضح نقصان کے علاوہ کچھ نہیں۔ ذلک خسران المبین ۔ لیکن جب

بنیاد میں دین داخل ہو جائے تو وہ دبی ہوئی صلاحیتیں اپنا کام دکھاتی ہیں پھر ''تین ایک اور ایک تین'' کے گورکھ دھندے میں مبتلا جنونی عیسائی' بعد میں یوسف اسلام اور احمد دیدات کی صورت میں توحید کے داعی بن کر ابھرتے ہیں۔ اور دیارِ کفر میں اسلام کے مراکز کی تعمیر کرتے ہیں۔

جب ان استعدادوں کو صحیح رخ پر ڈھالا جائے تو انگریز کی پروردہ عورت' اسیر مالٹا مولانا عزیر گل کی عفت مآب بنتی ہیں۔ اور اپنی انگریزی دانی کو قرآن کی انگریزی تفسیر لکھنے پر خرچ کرتی ہیں۔ استعدادوں کو صحیح مصرف مہیا ہو تو ہندوؤں میں جنم لینے والے موروثی مشرک بعد میں مولانا عبیداللہ سندھی اور غازی احمد جیسے امت کے رہنما بن کر نکلتے ہیں۔

اسی طرح ماضی اور حال کی تاریخ اسلام میں اسلام لانے کے بعد نومسلموں کی اور کئی دینی خدمات نمایاں نظر آتی ہیں۔

لہٰذا اپنے سینوں میں غیر مسلموں کو دعوتِ اسلام اور ان میں بھی تبلیغ کا فعال' توانا اور جاندار جذبہ برقرار رکھنا ضروری ہے کہ عین ممکن ہے کہ اگر وہ رہِ راست پر آئیں تو ہم سے زیادہ ملت کی خدمت سرانجام دیں اور ذریعہ کے طور پر ہماری بھی نجات ہو جائے۔ رب مبلغ اوعی من سامع فلیبلغ الشاهد الغائب

نیز ان نومسلموں کی دل وجان سے قدر اور مدد بھی ضروری ہے کہ الحمداللہ تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں کو ان سے نئی توانائیاں ملی ہیں' نئی قوتیں ملی ہیں اللہ تعالیٰ ان سے دین کا کام لے گا۔ لہٰذا یہ قابل قدر لوگ ہیں۔ اسی طرح خود اپنی فطری اور طبعی صلاحیتوں کا رخ بھی دینِ اسلام کو متعین کر دینا ضروری ہے۔

۳۔ کتاب میں مذکور واقعات سے اہل مغرب کے اس بے بنیاد اور فرسودہ اعتراض پر بھی چوٹ پڑتی ہے کہ ''اسلام تلوار کے زور سے پھیلا'' اس موضوع پر اکابر کی کافی

وشائی تحریرات موجود ہیں۔ مگر پیش نظر کتاب میں واقعات وحقائق کی صرف اس جھلک سے بھی یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ پوری کتاب پڑھ جایئے ان میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں جسے اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا گیا ہو۔ یہ سب اپنے طور پر اور اپنی مرضی وخوشدلی سے مسلمان ہوئے ہیں' کوئی دین کی بلند پایہ تعلیمات سے متاثر ہوا کوئی کسی اللہ والے کے اخلاق سے متاثر ہوا' کوئی دین کی عبادت سے متاثر ہوا اور کوئی اپنی بے دین مغربی تہذیب سے بیزار ہو کر اسلام کی آغوش میں آیا۔

ایسا تو ہوا ہے کہ کوئی شخص اسلام قبول کرنا چاہتا ہے مگر گھر' معاشرہ اور قوم وخاندان کے ڈر سے وہ سہا ہوا ہے اور اسلام نہیں لاسکتا (اور جب کبھی وہ مسلمان ہوتا ہے تو خود کفار کی طرف سے اس کو ظلم وتشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔)

۴۔ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے شمار نعمتیں عطاء کی ہیں صبح سے لے کر شام تک اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی موسلا دھار بارش ہم پر برس رہی ہے۔ ''نعمة اللّٰه لاتحصوها''

مگر غور کیا جائے تو ان تمام نعمتوں میں سب سے زیادہ قابل وقعت اور لائق قدر اور عظیم المرتبت نعمت جو ہمیں ملی وہ ایمان کی دولت ہے۔ مگر چونکہ یہ عظیم نعمت ہمیں بغیر کسی قربانی' تکلیف اور مصیبت کے ملی ہے اس لئے ہمیں اس کی قدر نہیں' اس کی قدر پوچھئے حضرت بلال حبشیؓ سے حضرت صہیب رومیؓ اور حضرت سلمان فارسیؓ سے عموماً یہی دیکھنے میں آتا ہے کہ جو لوگ اپنے بچپن کے عقائد ونظریات (جو انسان کے دل میں راسخ اور پیوستہ ہو جاتے ہیں جنہیں انسان کسی بھی لمحہ چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتا) کو مکمل ترک کر کے اسلام کی آغوش میں آ جاتے ہیں ان کے دلوں میں اسلام کی قدر ومنزلت ہم جدی پشتی اور موروثی مسلمانوں سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ کیونکہ انہیں دین کی دولت قربانیوں تکلیفوں اور بعض اوقات مصائب وآلام کے پہاڑ جھیلنے

کے بعد ملا ہے تو وہ اسلام کی دولت کو دوڑ کر گلے لگاتے ہیں۔ ان کے اعمال و اخلاق کئی قدیم مسلمانوں کے لئے لائق نمونہ و عبرت ہوتے ہیں۔

لندن یونیورسٹی کا ایک مقالہ نگار لکھتا ہے "بہت سے پیدائشی مسلمانوں کے مقابلے میں نومسلم اپنے مذہب کو زیادہ سنجیدگی سے لیتے ہیں...... انہوں نے سب کچھ دیکھ کر' چکھ کر' مستر دکر کے اسلام قبول کیا ہے"۔

میری نظر میں کئی نومسلم ہیں جنہیں بے شمار تکلیفیں برداشت کرنے کے بعد اسلام قبول کرنے دیا گیا ان میں عمل کا جذبہ نمایاں ہوتا ہے۔

ان کے اعمال و اخلاق بلند ہیں رہنے سہنے کا طرز مکمل اسلامی معاشرت کا عکاس ہے۔ داڑھیوں سے مزین چہرے' کرتا وعمامہ پہنے ' ٹخنوں سے اوپر پائجامہ اور مسواک وطہارت کی بظاہر معمولی سنتوں کو وہ دل و جان سے اختیار کرتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں اعمال کے اعتبار سے وہ گھنٹوں نمازوں اور قرآن کی تلاوت میں گذارتے ہیں۔ اخلاق کے اعتبار سے ان میں قناعت' صبر' برداشت اور ایثار جیسی بلند پایہ صفات دوسروں کے مقابلے میں نمایاں محسوس ہوتی ہیں۔

یہ سب اس وجہ سے کہ انہیں قربانیوں کے بعد دین ملا ہے۔ نیز یہیں سے اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی بھی ظاہر ہوتی ہے جو زبان حال سے پکار رہی ہے کہ مسلمانو! اگر تم نے اپنے دین کی قدر نہ کی اور اپنے کو دین کا محتاج نہ سمجھا تو یاد رکھو کہ میں یورپ کے کلبوں کو فحاشی و عریانی سے آباد کرنے والوں کو تہجد گذار بنادوں گا' فلموں کے فنکاروں کو مساجد کی زینت بنادوں گا' شراب کے نشے میں دھت رہنے والوں کو ایمان کی ایسی حلاوت عطاء کردوں گا کہ انہیں تلاوت قرآن' روزہ اور نماز میں دماغ کا کیف اور دل کا سرور نصیب ہوگا۔

یہ ہم سب مسلمانوں کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ ہمیں اپنے اس اعلیٰ دین کی قدر نہیں

لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے دین کو مضبوطی سے تھامیں اپنی کامیابی کو اسی میں یقین کریں ' دین کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائیں اس کی قدر پہچانیں' اپنے ہر مفاد پر ترجیح دیں' اپنے اندر ہدایت اور دینداری کا چراغ روشن کریں۔

اور کم از کم ہمارے اعمال واخلاق' معاملات ومعاشرت اتنی گری پڑی تو نہ ہو کہ خود ہم مسلمان دیگر غیر مسلموں کے لئے اسلام قبول کرنے کی راہ میں رکاوٹ بنیں۔ یہ تو دینِ اسلام کی پُرکشش اور مبارک تعلیمات کا کرشمہ ہے کہ آج یورپ وامریکہ میں اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے ورنہ ہمارے اخلاق واعمال نے تو دین کی راہ میں رکاوٹ بننے کے علاوہ اور کیا خدمت انجام دی ہے۔؟ بقول ایک بزرگ کے کہ آج مسلمانوں اور اسلام کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شاندار محل کے دروازے پر کوئی شخص کھڑا ہو جو خود بھی اس محل میں داخل نہ ہوتا ہو اور کسی اور کو بھی اس میں داخل نہ ہونے دیتا ہو۔ آج یورپین عوام اور کفار، اسلام کی شاندار عمارت کے دروازے پر کھڑے ہیں اور دروازے پر مسلمان بیٹھے ہیں' جو نہ خود اسلام کے اس شیش محل میں داخل ہوتے ہیں نہ دوسروں کو اندر آنے دیتے ہیں۔ لہٰذا '' ادخلوا فی السلم کآفۃ '' (اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ) پر عمل کرتے ہوئے ہمیں دین میں پورے پورے داخل ہونے اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کا جذبہ اور عزم مصمم پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ ونسال اللہ التوفیق

ان گذارشات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے عملی جذبے کے ساتھ اس جاذب قلب ونظر گلدستہ کے پھولوں کی خوشبو سونگھیئے جنہیں برادر مکرم مولانا محمد یونس سعدی جروار مدرس دارالعلوم الصفہ سعید آباد نے ترتیب دیا ہے۔ انہوں نے تلاش وجستجو کے بعد یہ قیمتی اور نایاب موتی چنے ہیں اور قبولِ اسلام کی ایمان افروز اور دلچسپ داستانوں کا یہ حسین مجموعہ پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطاء فرمائے اور

کتاب کو امت کے لئے مفید بنائے اور ان کی اس خدمت کو اپنے دربار میں شرف قبولیت سے نوازے آمین۔

انه مایشاء قدیر وبالاجابة جدیر۔

والسلام

محمد زبیر عفی عنہ

دارالعلوم الصفہ سعید آباد و متخصص دارالافتاء دارالعلوم کراچی کورنگی۔

جونہی حضرت خباتؓ نے اسلام کا اعلان کیا کفار کی برق عتاب اُنکے آستانہ عافیت پر کوندنے لگی اُنہوں نے بے کس خبابؓ پر ایسے ایسے بہیمانہ مظالم ڈھائے کہ انسانیت اور شرافت سر پیٹ کر رہ گئی وہ اُنکے کپڑے اتروا کر دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹاتے اور سینہ پر بھاری پتھر کی سیل رکھ دیتے کبھی انگاروں پر لٹا کر ایک قوی ہیکل آدمی اُنکے سینہ پر بیٹھ جاتا تا کہ کروٹ نہ بدل سکیں۔

خبابؓ صبر و استقامت کے ساتھ اُن انگاروں پر کباب ہوتے رہتے، جب اُنکی ستم رانیوں کی کوئی حد و نہ ہی رہی تو حضرت خبابؓ نے سرورِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی: یا رسول اللہ دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس عذاب سے نجات دے۔

تو حضور ﷺ نے دعا فرمائی:

الٰہی خبابؓ کی مدد کر

حضرت خباب رضی اللہ عنہ بن ارت

لِلّٰہ نہ زخم دل چھیڑو، کچھ اور خلش بڑھ جائے گی
اے چارہ گرو بس رحم کرو! اس زخم کا مرہم مشکل ہے
ہوں سیل حوادث لاکھ مگر میں ہوں اُلجھتا جاتا ہوں
یہ سر ہے تیرے سودائی کا آلام سے ہو خم مشکل ہے

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جنگ صفین کے بعد ۳۷ھ میں اپنے دار الخلافہ کوفہ کو مراجعت کی تو شہر سے باہر آپ کی نظر سات قبروں پر پڑی لوگوں سے پوچھا "یہ کس کی قبریں ہیں جب ہم کوفہ سے چلے تھے تو یہاں کوئی قبر نہیں تھی"۔ جواب ملا "امیر المؤمنین وہ پہلی قبر خباب رضی اللہ عنہ بن ارتؓ کی ہے جنہیں ان کی وصیت کے مطابق سب سے پہلے یہاں دفن کیا گیا ہے باقی قبریں دوسرے لوگوں کی ہیں جنہیں ان کے اعزہ نے خباب رضی اللہ عنہ کے اتباع میں یہاں دفن کیا"۔

یہ جواب سن کر شیر خداؓ کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں اپنے وقت کے اس برگزیدہ ترین انسان کی زبان پر بے ساختہ یہ الفاظ جاری ہو گئے۔ خباب رضی اللہ عنہ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو وہ برضا و رغبت اسلام لائے' اپنی خوشی سے ہجرت کی ساری زندگی جہاد میں گزاری اور راہ حق میں بڑی مصیبتیں اٹھائیں۔ اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کے اعمال ضائع نہیں کرتا"۔

یہ فرما کر آپ قبروں کے بالکل قریب کھڑے ہو گئے اور دیر تک حضرت خباب رضی اللہ عنہ اور دوسرے اہل قبور کے لئے مغفرت کی دعاء کرتے رہے۔ یہ خبابؓ بن ارتؓ جن کی قبر دیکھ کر بابِ علم و فاتحِ خیبر اشک بار ہو گئے وہی تو تھے جنھوں نے صفحۂ تاریخ پر

اپنی عزیمت واستقامت کے ایسے نقوش ثبت کیئے تھے جو اہلِ ایمان کے لئے ابدالآ باد تک مشعل راہ بن گئے تھے۔ نصف صدی پہلے ایک غریب الوطن اور بے کس غلام ہونے کے باوجود انہوں نے ایک ایسی راہ اختیار کی تھی جس میں کانٹے ہی کانٹے تھے اور قدم قدم پر انسان نما بھیڑیے اس راہ کے مسافروں کو پھاڑ کھانے پر تلے بیٹھے تھے۔ یہ راہ راہ حق تھی اور خباب ﷺ نے اس راہ میں ایسے ایسے زہرہ گداز مصائب برداشت کئے تھے کہ ان کا حال سن کر بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ بے قرار ہو جاتے تھے۔ اور حضرت خباب ﷺ کے جوشِ ایمان اور صبر واستقامت پر رشک کیا کرتے تھے یہ خباب ﷺ وہی تو تھے جو عہد فاروقی میں ایک دن امیر المؤمنینؓ سے ملنے گئے تو فاروق اعظمؓ نے ازراہِ تعظیم انہیں اپنے گدّے پر بٹھایا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

”خباب ﷺ کے علاوہ صرف ایک شخص اور ہے جو اس گدّے پر بیٹھنے کا مستحق ہے“۔

حضرت خباب ﷺ نے پوچھا: ”امیر المؤمنین وہ کون شخص ہے؟ فرمایا وہ بلالؓ بن رباح' انہوں نے عرض کیا: امیر المؤمنین بلالؓ کا استحقاق میرے برابر کیوں کر ہو سکتا ہے؟ مشرکین میں سے کئی ان کے مددگار بھی تھے جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ انہیں بچالیتا تھا لیکن میرا تو کوئی پوچھنے والا بھی نہ تھا“۔

پھر انہوں نے اپنے دلدوز مصائب کی تفصیل بتائی تو فاروق اعظمؓ اور دوسرے حاضرینِ مجلس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

یہی خباب ﷺ آج منوں مٹی کے نیچے آسودۂ خواب تھے۔ اور حیدر کرارؓ ان کی قبر کے پاس غم واندوہ کا پیکر بنے کھڑے تھے، ان کی آنکھوں میں آنسو تھے اور زبان پر حضرت خباب ﷺ کے فضائل ومناقب اور مغفرت کی دعائیں۔ اللہ اللہ فاروقؓ وحیدرؓ

جیسے عظیم انسان جس مردِ مؤمن کے فضائل کے معترف اور مداح ہوں اس کے علو مرتبت کا اندازہ کون کرسکتا ہے......؟

مکہ پہنچ کر حضرت خباب بن ارتؓ نے آہن گری کا پیشہ اختیار کیا اور تلواریں بنابنا کر فروخت کرنے لگے۔اس طرح انہیں معقول آمدنی ہوجاتی تھی۔اور وہ بڑے مزے سے زندگی گزار رہے تھے اسی زمانہ میں ان کے کانوں میں کسی ذریعہ سے دعوتِ توحید کی آواز پڑی۔

اس وقت صرف پانچ سعید الفطرت ہستیوں نے اسلام قبول کیا تھا۔حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت علی کرم اللہ وجہہ' حضرت زیدؓ بن حارثہ اور حضرت ابوذر غفاریؓ) مکہ کی فضا بہت پرآشوب تھی اور مشرکین کو اسلام کا نام سننا بھی گوارا نہ تھا فی الحقیقت اس وقت اسلام قبول کرنا ہولناک مصائب کو دعوت دینے کے مترادف تھا اور بڑے سے بڑا آدمی بھی لوائے توحید تھامنے پر مشرکین کے عتاب سے محفوظ نہ رہ سکتا تھا۔

حضرت خبابؓ ایک غریب الوطن اور بے یارومددگار غلام تھے لیکن مبداء فیاض نے انہیں نہایت پاکیزہ فطرت اور شیر کا دل گردہ عطا کیا تھا۔صدائے حق کانوں میں پڑتے ہی انہوں نے نتائج وعواقب سے بے پرواہ ہوکر اس پر لبیک کہنے میں ایک لمحہ بھی تامل نہ کیا اور یوں ''السابقون الاولون'' کی مقدس جماعت میں سادس الاسلام (چھٹے مسلمان) کے عظیم رتبہ اور لقب سے مشرف ہوئے۔حضرت خبابؓ سے حالات کی سنگینی مخفی نہ تھی لیکن انہوں نے اپنے اسلام کو ایک دن کے لئے بھی اخفا میں نہ رکھا۔

جونہی انہوں نے اسلام کا اعلان کیا کفار کی برق عتاب ان کے آستانہ عافیت پر کوندنے لگی۔انہوں نے بے کس خبابؓ پر ایسے ایسے بہیمانہ مظالم ڈھائے کہ

انسانیت اور شرافت سر پیٹ کر رہ گئی۔ وہ ان کے کپڑے اتروا کر دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹاتے اور سینہ پر بھاری پتھر کی سل رکھ دیتے۔ کبھی انگاروں پر لٹا کر ایک قوی ہیکل آدمی ان کے سینہ پر بیٹھ جاتا تاکہ کروٹ نہ بدل سکیں خباب رضی اللہ عنہ صبر و استقامت کے ساتھ ان انگاروں پر کباب ہوتے رہتے حتیٰ کہ زخموں سے خون اور پیپ رس رس کر ان انگاروں کو ٹھنڈا کر دیتی۔ ایسے لرزہ خیز مظالم کے باوجود کیا مجال کہ ان کے پائے استقلال میں ذرا بھی لغزش آئی ہو اسی طرح ظلم سہتے سہتے کچھ عرصہ گزر گیا تو ایک دن فریاد لے کر سرورِ کونین ؐ کی خدمت میں پہنچے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضور ﷺ اس وقت کعبہ کی دیوار کے سائے میں ردائے مبارک سر کے نیچے رکھے ہوئے لیٹے تھے۔ خباب ؓ نے حضور ﷺ سے عرض کیا: ''یا رسول اللہ آپ اللہ پاک سے ہمارے لئے دعاء کیوں نہیں کرتے؟'' یہ سن کر حضور ﷺ سنبھل کر بیٹھ گئے آپ ؐ کا چہرہ اقدس سرخ ہو گیا۔

اور آپ ﷺ نے فرمایا ''تم سے پہلے گذشتہ زمانہ میں ایسے لوگ بھی گزرے ہیں کہ لوہے کی کنگھیوں سے ان کا گوشت نوچ ڈالا گیا سوائے ہڈیوں اور پٹھوں کے کچھ نہ چھوڑا گیا۔ ایسی سختیوں نے بھی ان کا دین پر اعتقاد متزلزل نہ کیا۔ ان کے سروں پر آرے چلائے گئے چیر کر بیچ سے دو کر دیئے گئے۔ تاہم دین کو نہ چھوڑا۔

اللہ اس دین کو ضرور کامیاب کرے گا۔ اور تم دیکھ لو گے کہ اکیلا سوار صنعاء (یمن) سے حضر موت تک جائے گا اور سوائے اللہ عز و جل کے کسی سے نہیں ڈرے گا۔

حضور ﷺ کے ارشادات سن کر حضرت خباب ؓ کا حوصلہ دو چند ہو گیا اور وہ خاموشی سے اپنے گھر چلے گئے۔

حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی آقا ام انمار بھی نہایت قسی القلب عورت تھی۔ علامہ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ وہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ کو قبول اسلام کی سزا میں کبھی لوہے کی زرہ پہنا

کر دھوپ میں لٹاتی اور کبھی تپتے ہوئے لوہے سے ان کا سر داغا کرتی تھی۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ام انمار کے مظالم کا حال سنتے تو حد درجہ ملول ہوتے اور خبابؓ کی دلجوئی فرماتے۔ اس بد بخت عورت کو جب حضور ﷺ کی دلجوئی کا علم ہوتا تو وہ خباب ؓ پر اور شدت سے ظلم ڈھانا شروع کر دیتی۔ جب اس کی ستم رانیوں کی کوئی حد و نہایت ہی نہ رہی تو حضرت خباب ؓ نے سرور عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی: یارسول اللہ دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس عذاب سے نجات دے۔

حضور ﷺ نے دعا فرمائی: الٰہی خباب ؓ کی مدد کر"۔ علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ کی دعا کے بعد ام انمار کے سر میں ایسا شدید درد شروع ہو گیا جو کسی طریقے سے کم ہونے میں نہ آتا تھا۔ اور وہ کتوں کی طرح بھونکتی تھی۔ لوگوں نے بتایا کہ جب تک لوہے سے تمہارا سر نہیں داغا جائے گا اس درد میں اس وقت تک کمی نہ ہوگی۔

ام انمار شدت کرب سے تڑپ رہی تھی اس نے حضرت خباب ؓ ہی کو یہ کام سپرد کیا کہ وہ گرم لوہے سے اس کا سر داغیں۔ چنانچہ جو گرم لوہا حضرت خباب ؓ پر استعمال ہوتا تھا وہی اس پر استعمال ہوا لیکن اس علاج کے باوجود اسے کوئی فائدہ نہ ہوا اور چند دنوں کے بعد وہ تڑپ تڑپ کر نہنگ اجل کا لقمہ بن گئی۔

مشرکین نے حضرت خباب ؓ کو جسمانی ایذائیں دینے پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ انہیں مالی نقصان پہنچانے کے لئے عہد شکنی سے بھی دریغ نہ کیا۔ مشہور مشرک عاص بن وائل کو حضرت خباب ؓ کا کچھ قرض دینا تھا یہ جب تقاضا کرتے تو وہ کہتا "جب تک تم محمد ﷺ کا دین ترک نہ کرو گے ایک کوڑی بھی نہ دوں گا"۔

خباب ؓ فرماتے: جب تک تم دوبارہ زندہ ہو کر اس دنیا میں نہ آؤ گے میں

محمد ﷺ کا دامن نہیں چھوڑ سکتا۔ عاص کہتا ہے تو پھر انتظار کرو جب میں مر کر دوبارہ زندہ ہوں گا اور اپنے مال اور اولاد پر متصرف ہوں گا تو تمہارا قرض چکا دوں گا۔

عاص کا یہ کہنا مسلمانوں کے عقیدۂ نشر و حشر اور ایمان بالآخرت پر ایک طرح کی تعریض تھی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ اس وقعہ پر قرآن حکیم کی یہ آیت نازل ہوئی:

افرء یت الذی کفر بایٰتنا وقال لاوتین مالاً وولدا ○ اطلع الغیب ام اتخذ عند الرحمٰن عھدا ○ کلا سنکتب مایقول ونمدلہ من العذاب مدا ○ ونرثہ مایقول ویاتینا فردا ○ (سورہ مریم)

''اے محمد کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیات سے کفر کیا اور کہا کہ (قیامت میں بھی) مجھے مال اور اولاد دی جائے گی۔ کیا اس شخص کو غیب کا علم ہو گیا ہے یا اس نے رحمٰن سے عہد لیا ہے ہرگز نہیں، ہم اس کا یہ کہنا بھی لکھتے ہیں اور اس کے لئے عذاب میں ڈھیل دیتے جائیں گے اور جو کچھ یہ کہتا ہے اس کے ہم وارث ہوں گے اور یہ تنہا ہمارے سامنے لایا جائے گا''۔

مظلوم خباب رضی اللہ عنہ سالہا سال تک مصائب و آلام کی چکی میں پستے رہے تا آنکہ ہجرت کا حکم نازل ہوا اور وہ ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔ انہوں نے ایذاؤں کے ڈر سے ہجرت نہ کی تھی بلکہ ان کی پیش نظر محض رضائے الٰہی کا حصول تھا۔ مسند احمد بن حنبل میں خود حضرت خبابؓ سے روایت ہے کہ میں نے صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے ہجرت کی تھی۔ غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت خباب رضی اللہ عنہ سرور کائنات ﷺ کی رفاقت میں شروع سے لے کر آخر تک تمام غزوات میں نہایت بامردی سے شریک ہوئے خلفاء راشدینؓ کے عہد میں جب فتوحات کا دروازہ کھلا تو حضرت خباب رضی اللہ عنہ بعض اوقات بہت رویا کرتے اور فرماتے: ہم نے رضائے الٰہی کی خاطر

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہجرت کی اور ہمارا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ رہا۔ پھر ہم میں سے بعض تو ایسے تھے کہ مر گئے اور دنیا میں اپنے اجر کا کچھ بھی پھل نہ کھایا لیکن بعض کا پھل پک گیا اور وہ اسے توڑ کر کھا رہے ہیں۔ مصعب ؓ نے احد میں شہادت پائی تو ان کو کفنانے کے لئے چھوٹی سی چادر کے سوا ہمارے پاس کوئی چیز نہ تھی۔ اس چادر سے ان کا سر ڈھانکتے تو ان کے پاؤں ننگے رہ جاتے اور پاؤں ڈھانکتے تو سر برہنہ ہو جاتا۔ آخر حضور ﷺ کے حکم کے مطابق ہم نے ان کا سر چادر سے ڈھانکا اور پاؤں پر اذخر (ایک قسم کی گھاس ہے) ڈال دی۔ آج یہ حال ہے کہ اللہ کا فضل ہم پر بارش کی طرح برس رہا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے مصائب کا بدلہ ہمیں کہیں دنیا ہی میں تو نہیں دے دیا"۔

متعدد روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خباب ؓ نے آخری عمر میں کوفہ میں اقامت اختیار کر لی تھی وہیں ۳۷ھ میں شدید بیمار ہوئے پیٹ کی کوئی تکلیف تھی جس کے علاج کے لئے پیٹ کو سات جگہ سے داغا گیا اس سے انہیں بہت تکلیف ہوئی اور فرمایا: اگر حضور ﷺ نے موت کی تمنا کرنے سے منع نہ کیا ہوتا تو میں اپنی موت کی دعا کرتا۔

اسی نازک حالت میں کچھ لوگ عیادت کے لئے آئے اور اثنائے گفتگو میں کہا:

"ابو عبداللہ خوش ہو جایئے کہ دنیا چھوڑنے کے بعد حوض کوثر پر اپنے بچھڑے ہوئے ساتھیوں سے ملاقات ہوگی"۔

یہ سن کر ان پر گریہ طاری ہو گیا اور فرمایا: واللہ میں موت سے نہیں گھبراتا' تم نے ان ساتھیوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے دنیا میں کوئی اجر نہیں پایا۔ آخرت میں انہوں نے یقیناً اپنا اجر پا لیا ہوگا لیکن ہم ان کے بعد رہے اور دنیا کی نعمتوں سے اس قدر حصہ پایا کہ ڈر ہے کہیں وہ ہمارے اعمال کے ثواب ہی میں نہ محسوب ہو جائے"۔

وفات سے کچھ دیر پہلے ان کے سامنے کفن لایا گیا تو اشکبار ہوکر بڑی حسرت سے فرمایا: یہ تو پورا کفن ہے افسوس کہ حمزہؓ کو ایک چھوٹی سی چادر میں کفنایا گیا جوان کے سارے بدن کو بھی نہیں ڈھانک سکتی تھی۔ پیر ڈھانکے جاتے تو سر کھل جاتا اور سر ڈھانکا جاتا تو پاؤں کھل جاتے تھے آخر ہم نے ان کے پاؤں کو اذخر سے ڈھانک کر کفن پورا کیا''۔

پھر انہوں نے وصیت کی کہ اہل کوفہ کے معمول کے مطابق مجھے شہر کے اندر دفن نہ کرنا بلکہ میری قبر شہر کے باہر کھلے میدان میں بنانا۔ اس وصیت کے بعد انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ وصیت کے مطابق تدفین شہر کے باہر ہوئی اس کے بعد اہل کوفہ نے بھی اپنے مردے ان کی قبر کے قریب دفن کرنے شروع کر دیے۔

حضرت عمرؓ اور دوسرے تمام صحابہ کرامؓ حضرت خبابؓ کی بے حد تعظیم وتکریم کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں خبابؓ ان کے پاس تشریف لے جاتے تو وہ انہیں اپنی جائے نشست پر اپنے ساتھ بٹھاتے تھے۔

علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے حضرت خبابؓ سے اپنی داستان مصائب سنانے کی فرمائش کی۔ حضرت خبابؓ نے حضرت عمرؓ کو کپڑا اٹھا کر اپنی پشت دکھائی تو وہ حیران رہ گئے ساری پشت اس طرح سفید تھی جیسے کسی مبروص کی جلد ہوتی ہے حضرت خبابؓ نے فرمایا:

امیر المؤمنین آگ دہکا کر مجھے اس پر لٹایا جاتا تھا یہاں تک کہ میری پشت کی چربی اس کو بجھا دیتی تھی''۔

حضرت خبابؓ اکثر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور آپ سے دین کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ مسند احمد حنبل میں ہے کہ ایک رات حضرت خبابؓ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپؐ نے ساری رات

نماز پڑھتے ہوئے گزار دی صبح ہوئی تو حضرت خبابؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان' آج رات آپ نے جیسی نماز پڑھی اس سے پہلے کبھی نہیں پڑھی''۔

حضور ﷺ نے فرمایا: یہ بیم ورجا کی نماز تھی۔ میں نے بارگاہ رب العزت میں اپنی امت کے لئے تین چیزوں کی دعا مانگی تھی جن میں سے دو چیزیں تو منظور کر لی اور تیسری قبول نہیں ہوئی۔ جو دعائیں قبول ہوئیں وہ یہ تھیں کہ اللہ دشمنوں کو مجھ پر غلبہ نہ دے اور میری امت کو ایسے عذاب سے ہلاک نہ کرے جس سے گزشتہ امتیں ہلاک ہوئی تھیں''۔

علامہ ابن اثیرؒ کہتے ہیں کہ حضرت خبابؓ باہمہ جلالت قدر بے حد منکسر المزاج تھے ایک مرتبہ وہ بہت سے اصحابؓ کے درمیان تشریف فرما تھے ان اصحابؓ نے حضرت خبابؓ سے درخواست کی کہ آپ ہمیں کسی بات کا حکم کریں تاکہ ہم اس پر عمل کریں۔ انہوں نے فرمایا: ''میں کون ہوتا ہوں جو کسی بات کا حکم کروں ممکن ہے کہ میں لوگوں کو کسی بات کا حکم کروں اور خود اس پر عمل نہ کرتا ہوں''۔

حضرت خبابؓ سے تینتیس ۳۳ حدیثیں مروی ہیں ان میں دو متفق علیہ دو میں بخاری اور ایک میں مسلم منفرد ہیں۔ ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے فرزند عبداللہ کے علاوہ حضرت ابوامامہ باہلیؓ قیسؒ بن ابی حازم' مسروقؒ بن اجدع علقمہؒ بن قیس اور امام شعبیؒ جیسے اکابر امت شامل ہیں۔

رضي الله عنهم

مابہ جب اپنے ماں باپ اور دوسرے لوگوں کو آگ کی پوجا کرتے دیکھتا تو سوچتا کہ آگ میں کونسی خدائی صفت ہے؟ اس میں ایندھن نہ ڈالیں تو بجھ جاتی ہیں۔ یوں مابہ مجوسیت سے بیزار ہو کر عیسائیت میں دلچسپی لینے لگتا ہے اور ایک عیسائی پادری کی خدمت میں رہنے لگا جب اُس پادری کا آخری وقت آیا تو مابہ نے اُس عیسائی پادری سے مشورہ کیا کہ اب میں کہاں جاؤں؟ تو اُس پادری نے کہا کہ قرائن سے معلوم ہو رہا ہے کہ ملک عرب میں ایک نبی پیدا ہوگا جہاں کھجوروں کے باغات بکثرت ہوں گے وہ صدقہ نہیں کھائے گا لیکن ''ہدیہ'' قبول کرے گا۔ نیز اُسکے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی۔

مابہ پادری کی بتائی ہوئی باتوں کی جستجو میں رہا بالاخر وہ گھڑی بھی آگئی جس کا مابہ کو انتظار تھا۔

مابہ سے سلمانؓ فارسی تک

راستے کھل گئے عزم سفر کے سامنے
منزلیں ہی منزلیں ہیں اب نظر کے سامنے

فارس (ایران) کے صوبہ ''اصفہان'' کے قصبہ ''ہرمز'' کے قریبی گاؤں ''جیئی یا جیان میں ''بوذ خشان بن مورسلان آب الملکی'' نامی ایک بہت بڑا زمین دار رہتا تھا جو اپنے گاؤں کا سرکردہ آدمی تھا وہ اپنے گاؤں کا نمبردار ہونے کے علاوہ ایک بہت بڑے آتش کدہ کا سربراہ بھی تھا اس کا ایک ہی بیٹا تھا جس کا نام مابہ تھا مابہ کا باپ اپنے بیٹے کی اچھی تربیت کرنا چاہتا تھا چنانچہ اس نے مقامی طور پر بیٹے کو مجوسیت کی تعلیم دلوائی اور وہ اسے مجوسیت پر قائم رہنے کی اکثر تلقین بھی کرتا رہتا تھا۔ مابہ آتش پرستی میں خوب محنت کرنے لگا اور ایک وقت ایسا آیا کہ وہ بھی اس آتش کدے کا نگراں اور سربراہ مقرر ہو گیا۔ اس آتش کدے کی آگ کبھی نہ بجھتی تھی اور ہر وقت وہاں آگ کی پوجا ہوتی تھی لیکن مابہ جب اپنے ماں باپ اور دوسرے لوگوں کو آگ کی پوجا کرتے دیکھتا تو دل میں سوچتا کہ آگ میں کونسی خدائی صفت ہے؟ اس میں ایندھن نہ ڈالیں تو بجھ جاتی ہے۔ عجیب بات ہے انسان خود ہی آگ جلاتے ہیں اور خود ہی اسے خدا سمجھ کر پوجنے لگتے ہیں۔ مابہ کا والد ایک بڑی زمین کا مالک تھا اور کھیتوں میں جا کر کام وغیرہ کرتا رہتا تھا' مابہ ذرا بڑا ہوا تو باپ نے اسے جاگیر کی دیکھ بھال کا کام سونپ دیا وہ ہفتے میں ایک دفعہ گھوڑے پر سوار ہو کر ساری جاگیر کا چکر لگاتا۔ ایک موقع ایسا آیا کہ باپ کو کھیتوں میں جا کر بھی کام کرنا تھا اور ادھر مکان کی مرمت بھی ضروری تھی اس نے مابہ کو کھیتوں پر بھیج دیا اور خود مکان کی مرمت کی طرف متوجہ ہو گیا۔ مابہ کھیتوں میں

کام کرنے جارہا تھا راستے میں عیسائیوں کا گرجا تھا ان کی دعا وعبادت کی آوازیں آرہی تھیں وہ ان کی عبادت دیکھنے اندر چلا گیا۔ دن بھر ان کی عبادت دیکھتا رہا اور اس پر غور کرتا رہا۔ واپسی پر دیر سے گھر پہنچا۔ باپ نے وجہ دریافت کی تو مابہ نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ باپ نے کہا'' بیٹے اس دین میں کوئی بھلائی نہیں تیرا دین اس سے بہتر ہے۔ مابہ نے کہا نہیں ان کا دین ہمارے دین سے بہتر ہے۔ اب باپ کو تشویش پیدا ہوگئی کہ اس کا بیٹا عیسائیت سے متاثر ہو کر کہیں عیسائی ہی نہ بن جائے۔

چوں کہ مابہ نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ مجھے عیسائیوں کا طریقہ بہتر محسوس ہوتا ہے' اس لیے باپ ناراض ہو گیا اس نے بیٹے کو مارنا پیٹنا شروع کر دیا لیکن جب وہ اپنے بدلے ہوئے نظریات پر قائم رہا تو اسے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر قید کر دیا گیا' مابہ نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح قید سے رہائی حاصل کرے مگر کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ آخر کار کسی طریقے سے مابہ نے عیسائیوں کو پیغام بھیجا کہ میں نے تمہارا مذہب پسند کیا ہے جس کی پاداش میں میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہا ہوں اس سلسلے میں میری مدد کرو' لیکن انہوں نے اس کے باپ کے بہت زیادہ بااثر ہونے کی وجہ سے معذرت کر لی البتہ انہوں نے مشورہ دیا کہ ملک شام میں عیسائیت کے بڑے بڑے مراکز اور بڑے بڑے پادری موجود ہیں' شام کے تجارتی قافلے اکثر یہاں آتے رہتے ہیں جب ایسا کوئی قافلہ واپس جا رہا ہوگا تو ہم تمہیں اطلاع کر دیں گے اور تم شام چلے جانا۔

آخر کار وہ دن بھی آ گیا عیسائیوں نے مابہ کو شام جانے والے قافلے کی اطلاع کر دی۔ مابہ کسی طریقے سے بیڑیاں کاٹ کر آزاد ہونے میں کامیاب ہو گیا اور چھپتے چھپتے قافلے کے ساتھ شام جا پہنچا اور وہاں سب سے بڑے عیسائی پادری کا اتا پتا معلوم کیا اور اس کے پاس پہنچ گیا۔ اسے اپنے تمام حالات سے آگاہ کیا اور کہا کہ میں

سوچتا ہوں کہ آپ کی خدمت میں رہ کر علم حاصل کروں اس نے اجازت دے دی اور مابہ وہاں رہنے لگا۔ کچھ عرصے بعد مابہ نے محسوس کیا کہ یہ پادری کوئی دنیادار قسم کا آدمی ہے جو لوگوں سے دین کے نام پر رقم بٹورتا ہے اور وہ رقم نہ تو اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے اور نہ ہی فقیر درویشوں کو دیتا ہے بلکہ صدقہ وخیرات کا مال بھی اپنے صندوقوں میں رکھ دیتا ہے۔ اتفاقاً جب وہ مر گیا تو عیسائی اسے دفن کرنے کے لئے اکھٹے ہوئے۔ مابہ نے انہیں اس کے بارے میں سب کچھ بتادیا اور اس کا خزانہ بھی انہیں دکھادیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم اسے دفن نہیں کریں گے بلکہ لاش سولی پر چڑھا کر سنگسار کریں گے چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

اس کے بعد وہاں ایک اور پادری مقرر کیا گیا۔ وہ دن رات عبادت میں مصروف رہتا تھا۔ مابہ ایک عرصے تک اس کی خدمت میں رہا اور علم حاصل کرتا رہا۔ جب اس کی موت کا وقت آ پہنچا تو مابہ نے پوچھا کہ آپ مجھے کیا مشورہ دیتے ہیں میں اب کس کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اس نے کہا یہاں تو ہمارے مسلک کا کوئی صحیح آدمی موجود نہیں ہے لہذا تم عراق کے صوبہ ''موصل'' چلے جاؤ

مابہ اس پادری کی وفات کے بعد موصل روانہ ہو گیا اور وہاں کے سب سے بڑے پادری کے ہاں تعلیم وتربیت اور عبادت میں مشغول ہو گیا۔ آخر وہ بھی قریب المرگ ہو گیا تو مابہ نے پوچھا کہ اب میں مزید تعلیم کس سے حاصل کروں؟ اس نے کہا کہ اس علاقے میں تو کوئی اچھا آدمی نہیں ہے لہذا بہتر یہ ہے کہ تم ''نصیبین'' چلے جاؤ نصیبین عراق ہی میں دریائے حرماس کے کنارے پر آباد ایک شہر ہے۔

مابہ پادری کی وفات کے بعد اس کے مشورے کے مطابق نصیبین آ گیا اور یہاں سب سے بڑے پادری کے خدمت میں رہنے لگا۔ کچھ عرصے بعد اس پادری کا بھی آخری وقت آ گیا تو مابہ نے اس سے بھی یہی مشورہ طلب کیا کہ اب میں کہاں جاؤں

؟تو اس نے ''عموریا'' جانے کا کہا۔

عموریا ایشیائے کوچک میں ایک شہر تھا جو پہلے بازنطینیوں کے قبضے میں تھا۔ پہلے عباسی عہد میں معتصم باللہ کے زمانہ خلافت میں مسلمانوں نے فتح کر لیا تھا۔ مابہ استاد کی ہدایت کے مطابق عموریا آ گیا اور تحصیل علم و عبادت میں مشغول ہو گیا۔ یہاں مابہ نے گائے اور بکری وغیرہ کے ریوڑ بھی پال لیے تھا۔ جب اس پادری کا آخری وقت آیا تو مابہ نے حسب سابق اس سے پوچھا کہ اب میں کیا کروں؟ اور کس سے تعلیم حاصل کروں؟ پادری نے کہا خدا کی قسم اب میرے علم میں زمین پر کوئی ایسا شخص نہیں جو ہدایت پر ہو لیکن مجھے قرائن سے معلوم ہو رہا ہے کہ نبی آخر زمان کا وقت قریب ہے اور اس کا ظہور ہونے والا ہے۔ وہ ملک عرب میں پیدا ہو گا وہ اپنے شہر سے ایسی جگہ ہجرت کرے گا جو پتھریلی زمین ہو گی اور دولاوے کی چٹانوں سے گھری ہوئی ہو گی۔ وہاں پر کھجوروں کے باغات بکثرت ہوں گے وہ صدقہ نہیں کھائے گا لیکن ''ہدیہ'' قبول کرلے گا۔ نیز اس کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت ہو گی اگر تم سے ہو سکے تو میری وفات کے بعد اس سرزمین کی طرف چلے جانا۔

پادری کی وفات کے کچھ عرصے بعد اتفاق سے بنی کلب کا ایک تجارتی قافلہ وہاں سے گزرا۔ مابہ نے اس قافلے والوں سے درخواست کی کہ مجھے اپنے ساتھ ملک عرب لے چلو اور کچھ گائیں، بھیڑیں اور بکریاں بھی اہل قافلہ کو بطور ہدیہ دیں۔ مابہ قافلے والوں کے ساتھ چل رہا تھا مگر انہوں نے مکہ مکرمہ کے راستے میں وادی القریٰ پہنچ کر مابہ سے غداری کی اور اسے اپنا غلام ظاہر کر کے منڈی میں ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ کچھ دنوں بعد یثرب (مدینہ) کے یہودی کے مشہور قبیلے بنو قریظہ کا ایک شخص جو اس یہودی کا چچازاد بھائی بھی تھا۔ مابہ کو اس سے خرید کر یثرب لے آیا۔

جب مابہ یثرب پہنچا تو اس نے وہاں کھجوروں کے باغات دیکھے جس کا ذکر عموریا

کے راہب نے کیا تھا ٹھیک وہی نقشہ وہی لاوے کی چٹانیں اور وہی پتھریلی زمین تو ماہبہ نے سوچا یہ تو وہی منظر ہے جس کی مجھے تلاش تھی عین ممکن ہے کہ اللہ کا آخری نبی یہیں وارد ہو۔

اس دوران مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلا رہے تھے۔ اہل مکہ نے آپ کا وہاں رہنا دشوار کر دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں نے وہاں سے ہجرت کر کے یثرب پہنچنا شروع کر دیا اور بالآخر وہ گھڑی بھی آ گئی جس کا ماہبہ کو زندگی بھر انتظار رہتا تھا۔ خود رسول اللہ ﷺ بھی یثرب تشریف لائے۔

ماہبہ ایک روز اپنے یہودی آقا کے باغ میں ایک کھجور کے درخت پر کھجوریں توڑ رہا تھا اور آقا نیچے بیٹھا تھا۔ اتنے میں اس یہودی کا بیٹا دوڑتا ہوا آیا اور اپنے باپ کو خبر دی کہ قبیلہ بنو اوس اور خزرج کے لوگ اس آدمی کے پاس جمع ہو رہے ہیں جس کا دعویٰ ہے کہ وہ اللہ کا نبی ہے ماہبہ کے کہنے کے مطابق یہ سنتے ہی میں بے چین ہو گیا۔ مجھے ڈر ہوا کہ میں کہیں اپنے مالک پر نہ گر پڑوں۔ بدحواس ہو کر درخت سے نیچے اترا اور آنے والے سے بے تحاشا پوچھا تم کیا کہہ رہے تھے ذرا پھر بیان کرنا۔

یہ سنتے ہی آقا نے میرے منہ پر ایک زوردار تھپڑ رسید کیا اور کہا' جاؤ اپنا کام کرو میں دل پر پتھر رکھ کر خاموش ہو گیا لیکن بے قراری بڑھ گئی۔

حضور ﷺ اس وقت ''قبا'' نامی بستی میں تشریف لا چکے تھے کام سے فارغ ہو کر موقع ملتے ہی ماہبہ نے قبا میں حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر پادری کی بتلائی ہوئی علامات کی تصدیق کے لئے خوان میں تازہ کھجوریں پیش کیں اور کہا'' اے خدا کے برگزیدہ بندے' آپ اور آپ کے ساتھی غریب الوطن ہیں میرے پاس صدقے کا یہ مال ہے آپ حضرات سے بڑھ کر اس کا مستحق اور کوئی نہیں ہے لہذا قبول فرمائیں حضور ﷺ نے وہ کھجوریں لے کر اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں تقسیم

فرمادیں اور خود کچھ نہ کھایا۔ مابہ نے سوچا کہ یہ علامت تو صحیح ثابت ہوئی آپ ﷺ صدقہ قبول نہیں کرتے ۔ دوسرے دن مابہ دوبارہ خوان لے کر حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا کہ میں نے محسوس کیا تھا کہ آپ صدقے کی چیز نہیں کھاتے تو میں آپ کے لئے یہ ہدیہ لایا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سمیت تناول فرمایا اب صرف تیسری علامت یعنی مہر نبوت کا مشاہدہ باقی تھا چند دنوں بعد مابہ نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ ایک جنازے کے ساتھ بقیع غرقد (جنت البقیع) تشریف لائے ہیں تو کسی طرح مابہ وہاں پہنچ گیا۔ حضور ﷺ کو مؤدبانہ سلام کیا اور پشت اطہر کی طرف جا کر کھڑا ہو گیا اس وقت آپ ﷺ کے کندھوں سے چادر مبارک اتری ہوئی تھی یوں اس نے اس تیسری علامت کو بھی دیکھ لیا اور فرط محبت میں مہر نبوت کو فوراً چوم لیا اور پھر بے اختیار رونے لگا آپ نے فرمایا' سامنے آؤ' پھر آپ ﷺ نے شروع سے لے کر آخر تک داستان سنی اور صحابہ کرامؓ کو بھی سنوائی اور فوراً مشرف بااسلام کرا کے مابہ کا اسلامی نام سلمان رکھ دیا اس کے بعد آپؓ سلمان فارسی کے نام سے مشہور ہو گئے

رضی اللہ عنہم

جید عالم دین'' تحریک آزادی ہند کے صف اول کے رہنما اور مفکر مولانا عبیداللہ سندھیؒ آبائی طور پر ایک سکھ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ قبول اسلام کے بعد ساری صلاحیتیں اسلام کے فروغ اور اشاعت کے لئے وقف کر دیں اور آزادی وطن کے لئے سب کچھ داؤ پر لگا دیا اور اس سلسلے میں ملکوں ملکوں کی خاک چھانتے رہے چنانچہ افغانستان، ترکی، روس، سوئزر لینڈ، اور حجاز میں برسوں مقیم رہے آخری عمر میں انہوں نے دہلی میں مستقل رہائش کر لی تھی ۱۹۴۴ء میں وفات پائی۔
اور ضلع خانپور کے ایک معروف قصبے دین پور شریف میں آسودہ خاک ہوئے۔

امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ

دیوانے گزرجائیں گے ہر منزل غم سے حیرت سے زمانہ انہیں تکتا ہی رہے گا
آتی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

میں ۱۰ مارچ ۱۸۷۲ء کو ضلع سیالکوٹ (پنجاب) کے گاؤں چیانوالی میں ایک سکھ گھرانے میں پیدا ہوا میرے والد رام سنگھ میری پیدائش سے چار ماہ پہلے ہی وفات پا گئے تھے دو سال بعد دادا بھی فوت ہو گئے تو میری والدہ مجھے میرے ماموں کے پاس جام پور (ڈیرہ غازی خان) لے گئیں میرے ماموں وہاں پٹواری تھے میرے دادا سکھ حکومت میں اپنے گاؤں کے کاردار تھے۔ میری تعلیم ۱۸۷۸ء سے جام پور کے اردو مڈل اسکول سے شروع ہوئی۔ خدا کے فضل سے میں پڑھائی میں بہت اچھا تھا اور میرا شمار ممتاز طالب علموں میں سرفہرست تھا ۱۸۸۴ء میں جبکہ میری عمر صرف بارہ برس تھی مجھے اسکول کے ایک آریہ سماج ہندو لڑکے کے ہاتھ میں۔ تحفتہ الہند۔ نظر آئی۔ میرے اشتیاق پر اسنے مجھے یہ کتاب عاریتاً دے دی جسے میں نے بڑی توجہ اور دلچسپی سے پڑھا خصوصاً اس حصے نے بہت متاثر کیا جو نومسلموں کے حالات پر مشتمل تھا اسلام کی صداقت نے میرے دل و دماغ پر ایک نقش سا قائم کر دیا ڈیرہ غازیخان مسلم اکثریت کا ضلع تھا اور عام مسلمان مذہب کے سچے شیدائی اور راسخ العقیدہ تھے اس ماحول نے وہاں کے رہنے والے غیر مسلموں کو خاصا متاثر کر رکھا تھا۔ چنانچہ نزدیکی گاؤں کوٹلی مغلاں کے چند ہندو دوستوں نے جو میری طرح ''تحفتہ الہند'' کے گرویدہ تھے مجھے شاہ اسماعیل شہیدؒ کی ''تقویتہ الایمان'' پڑھنے کو دی اسکے مطالعہ سے میں اسلامی توحید اور پرانک شرک کے فرق کو بخوبی سمجھ گیا میں نے شدت سے محسوس کیا کہ جن چیزوں کو

میں دل سے ٹھیک سمجھتا ہوں اور میری عقل ان پر یقین رکھتی ہے وہ چیزیں ہندوؤں اور سکھوں کے مذہبی طور طریقوں سے زیادہ اسلام میں ہیں۔ یہ میرا اپنا تجزیہ اور احساس تھا اور متذکرہ بالا کتابوں نے اس جانب میری رہنمائی کی تھی۔ میں نے دیکھا کہ سکھ بھی خدا کو ایک مانتے ہیں اور مسلمان بھی' مگر اسلام کا تصور توحید سکھوں سے بلند تر ہے۔

مساوات انسانی دونوں مذہبوں میں موجود ہے۔ لیکن اسلام نے مساوات کو جس طرح عملی شکل دی ہے وہ سکھ مت سے کہیں اعلیٰ وارفع ہے سماج کی نمائشی رسوم سے دونوں مذہبوں کو نفرت ہے مگر میں اکثر محسوس کرتا ہوں کہ سکھ مت نے اپنے آپ کو ان رسوم میں بری طرح مقید کر لیا ہے اور اب اس مذہب کا بابا گورونانک کی پاکیزہ تعلیمات سے بس برائے نام تعلق ہے۔ میں ان باتوں پر عرصے تک غور وفکر کرتا رہا کتنی ہی راتیں میں نے آنکھوں میں کاٹ دیں مجھے یقین ہو گیا تھا کہ جس مذہب کو میری ماں' بہنیں اور ماموں مانتے ہیں وہ صداقت پر مبنی نہیں ہے جبکہ اسلام جو غیروں کا مذہب ہے وہ بہر حال سچا اور مبنی برحق ہے اب کروں تو کیا کروں' جاؤں تو کہاں جاؤں؟

انہی دنوں ایک مولوی صاحب نے مولوی محمد صاحب لکھوکی کی کتاب احوال الآخرت (پنجابی) پڑھنے کو دی۔ ''تحفۃ الہند'' اور ''احوال الآخرت'' کے بار بار مطالعے نے بالآخر مجھے حتمی فیصلے تک پہنچا دیا۔ میں نے نماز سیکھ لی اور ''تحفۃ الہند'' کے مصنف کے نام پر اپنا نام عبید اللہ رکھ لیا اس وقت میں آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا ارادہ تھا کہ اگلے سال جب کسی ہائی اسکول میں تعلیم کے لئے جاؤں گا تو قبول اسلام کا اعلان کر دوں گا۔

مگر جذبات نے سمجھایا کہ مزید تاخیر مناسب نہیں، کیا خبر موت اس وقت تک مہلت دے یا نہ دے چنانچہ ۱۵ اگست ۱۸۸۷ء کی صبح جبکہ میری والدہ باہر رسوئی میں بیٹھی کھانا پکا رہی تھی میں کسی بہانے چپکے سے باہر نکلا اور زندگی کے نئے سفر پر چل کھڑا ہوا۔ منزل نامعلوم تھی میرے ساتھ کوٹلی مغلاں کا ایک رفیق عبدالقادر تھا۔ ہم دونوں عربی مدرسہ کے ایک طالب علم کی معیت میں کوٹلہ رحم شاہ مظفر گڑھ پہنچے۔ وہاں ۹ ذی الحجہ ۱۳۰۴ھ کو میری سنت تطہیر ادا ہوئی وہیں معلوم ہوا کہ میرے اعزاء میری تلاش میں جگہ جگہ چھاپے مار رہے ہیں۔ چنانچہ میں سندھ کی طرف روانہ ہو گیا اور بھر چونڈی شریف میں حافظ محمد صدیق صاحب کی خدمت میں پہنچ گیا جو اپنے وقت کے جنید ثانی اور سید العارفین تھے۔

چند ماہ بھر چونڈی شریف میں حافظ صاحب کی صحبت میں گزارے۔ فائدہ یہ ہوا کہ اسلامی معاشرت میرے لئے اسطرح طبعیت ثانیہ بن گئی جس طرح ایک پیدائشی مسلمان کی ہوتی ہے۔ حضرت نے ایک روز میرے سامنے اپنے لوگوں کو مخاطب فرماتے ہوئے کہا "عبیداللہ نے اللہ کے لئے ہمیں اپنا ماں باپ بنالیا ہے" اس کلمہ مبارک کی تاثیر خاص طور پر میرے دل میں محفوظ ہے، میں انہیں اپنا دینی باپ سمجھتا ہوں اور انہیں کی خاطر میں نے سندھ کو مستقل وطن بنالیا اور سندھی کہلوایا۔ میں نے قادری راشدی طریقہ میں حضرت سے بیعت کر لی تھی اس کا نتیجہ یہ محسوس ہوا کہ بڑے سے بڑے انسان سے کبھی مرعوب نہیں ہوا۔

بھر چونڈی شریف سے میں تحصیل علم کے لئے نکل کھڑا ہوا پہلے ریاست بہاول پور کی دیہاتی مساجد میں عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھتا رہا پھر دین پور متصل (خان پور) پہنچا جہاں سید العارفین کے خلیفہ اول مولانا ابوالسراج غلام محمد صاحب رہتے

تھے۔ یہیں میں نے ہدایۃ النحو تک کتابیں مولانا عبد القادر سے پڑھیں۔ حضرت خلیفہ صاحب نے میری والدہ کو خط لکھوایا وہ آ گئیں اور مجھے واپس لے جانے کے لئے بہت زور لگایا۔ مگر الحمد للہ میں ثابت قدم رہا' (یہ غلط ہے کہ میری والدہ دیو بند پہنچیں) شوال ۱۳۰۵ھ میں دین پور سے کوٹلہ رحم شاہ چلا گیا اور وہاں سے ریل پر سوار ہو کر دیو بند جا پہنچا جہاں شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب کی رہنمائی میں ایک نئی تعلیمی اور سیاسی زندگی کا آغاز کیا۔

ن ہوئے مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور

مہاتما گاندھی کا بیٹا ہیرالال جس نے ایک طویل عرصے تک اسلام کا گہرائی اور عمیق نظروں سے مشاہدہ کیا بالآخر بمبئی کی جامع مسجد میں اسلام قبول کرنے کے بعد بیس ہزار سے زائد مجمع مین خطاب کرتے ہوئے کہا مجھے اسلام سے حقیقی عشق اور قرآن سے محبت ہے میں اسلام کے لئے زندہ رہوں گا اور اسلام کے لئے مروں گا ہیرالال کا اسلامی نام عبداللہ رکھا گیا عبداللہ کے اسلام لانے پر ہندوں پر گویا بجلی گر چکی تھی بڑی بڑی دکانیں شاپنگ سینٹر تجارتی مراکز اس غم واندوہ کی وجہ سے بند ہو گئے جبکہ مسلمانوں نے عبداللہ سابقہ ہیرالال کا خوشی گرم جوشی اور اللہ اکبر کے فلک شگاف نعروں سے استقبال کیا۔

مہاتما گاندھی کا بیٹا کیسے مسلمان ہوا؟

موجزن ہے کسی کے دل میں آتش غم
مستی خون جگر آنکھوں سے برسائے گا کون؟
کس پہ طاری ہے جنون عشق کی وارفتگی
یوں زبان پر والہانہ راز دل لائے گا کون؟

ہیرالال نے ہندوستان کے ایک مشہور قومی لیڈر اور بیرسٹر موہن داس کرم چند گاندھی (جو کہ عموماً مہاتما گاندھی کے نام سے مشہور ہے) کے گھر میں زندگی کی پہلی سانس لیتے ہوئے آنکھ کھولی۔ ہیرالال گاندھی ابھی چھوٹے ہی تھے کہ انہوں نے عام آدمی کی قابل رحم حالت کو محسوس کیا جو کہ کسمپرسی کے عالم میں زندگی بسر کر رہے تھے۔

ہندوستان میں ایک طرف برطانوی سامراج نے مقامی باشندوں کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑتے ہوئے آمر بن کر ان کی فطری آزادی سلب کر کے زندگی کی راہیں تنگ کر دی تھیں اور مطلق العنان حاکم بن کر اپنی من مانی کے مطابق حکم چلا رہا تھا' تو دوسری جانب ہندوستانی قوم کا ایک مخصوص طبقہ اپنی مصنوعی بالا دستی مذہب کے سہارے قائم کر کے خود کو بنی نوع انسان سے پاکیزہ تر اور قدر و منزلت عزت و شرف میں ارفع و اعلیٰ سمجھتے ہوئے عام آدمیوں کا معاشی واقتصادی' مذہبی وملی استحصال کر رہا تھا۔ یہ اونچے طبقہ میں شمار ہونے والا استحصالی گروہ ''برہمن'' کے نام سے شہرت رکھتا تھا۔ اس طبقہ سے تعلق رکھنے والا ہر فرد عام آدمی کو اپنے برابر تو کجا انسان تک تصور نہ کرتا تھا۔

ہندوستان کے عالمی شہرت یافتہ قومی لیڈر مہاتما گاندھی کے گھر میں نومولود ہیرا

لال ایسے وقت پالا پوسا جا رہا تھا جب ان کے والد (مہاتما گاندھی) برطانوی سامراج سے محاذ آرائی کرتے' اپنے ہم وطن بھائیوں کو سمندر پار فرنگی غیروں کی غلامی سے نجات دلانے کی خاطر چلنے والی تحریک آزادی ہند میں سرگرمی سے حصہ لے رہے تھے۔ بایں وجہ انہیں اتنا وقت ہی کہاں مل سکتا تھا کہ وہ اپنے ننھے منے اور چہیتے فرزند ہیرالال کی تربیت پر بذات خود توجہ دے سکتے۔

ہیرالال کی تعلیم و تربیت وقت کے نامور اساتذہ کی نگرانی میں شروع ہوئی اور اسے آہستہ آہستہ معلوم ہونے لگا کہ اس کا مذہب کیا ہے اور کون سا مذہبی فرقہ ہے؟ جبکہ اس نے اپنے آپ کو بھی اسی مذہبی فرقہ برہمن کا ایک فرد پایا جو کہ عوام الناس کا ہر طرح سے استحصالی طبقہ بنا ہوا تھا۔ یہ طبقہ ہندوؤں کے جملہ طبقہ جات میں انتہائی اونچا اور ترقی یافتہ تھا۔ ہندوؤں کے مذہبی عقائد کے مطابق کائنات کی کارسازی اور دنیا و ما فیہا کا نظام ان تین خداؤں کے زیر نگرانی چل رہا ہے جنہیں وہ برہما وشنو اور شو کے ناموں سے موسوم کرتے تھے۔ جبکہ ہندوؤں کے مندروں' پوجا گھروں اور پاٹھشالاؤں وغیرہ میں تین چہروں والا رکھا ہوا مجسمہ ان کے اسی مذہبی عقیدہ کی طرف غمازی کرتا ہے۔

ہندو دھرم کے مطابق برہما:

ایسا خدا ہے جس نے جملہ کائنات کو پیدا کیا اور ارض و سما کے مابین بسنے والی جمیع مخلوقات کے اسباب خورد و نوش کا بندوبست کر کے ان سب کو اس دنیا میں آباد کر کے فارغ ہو کر خود جا کر تنہا بیٹھا ہوا ہے۔ اب انسان میں سے کوئی بھی اس کی قربت و مصاحبت حاصل نہیں کر سکتا۔

وشنو: ایسا خدا ہے جو آلام و شدائد مشکلات و مصائب سے بچاتا رہتا ہے اور لوگوں کے بگڑے ہوئے حالات بناتا ہے۔ جملہ کائنات کی ترقی' نشو و نما' مسرت

وکامرانی غرض ہر طرح کا انتظام اسی کے ہاتھ میں ہے۔

شو : ایسا خدا ہے جو شکست وریخت آندھیاں طوفان اور زلزلے وغیرہ لاکر ہلاکت وتباہی پیدا کرتا ہے۔

ہیرالال اپنے اس ہندو مذہب کو بنظر عمیق دیکھنے لگا جس کی بنیادیں ۳ ہزار سال قبل مسیح سے ہندو معاشرہ میں پیوست تھیں اور اسی مذہب کے عقائد' تین خداؤں کی حقیقت اور ہندو مذہب کی قدیم کتابوں مثلاً وید' رامائن' یگ وید اور گیتا کا گہرا مطالعہ کرنا شروع کیا۔ مع ہذا ہندو مذہب کے بدھ دھرم سے تصادم کو بھی اپنی عقل وذہن کی کسوٹی پر پرکھنے لگا جو کہ ۵ سو سال قبل مسیح سے لے کر مذہبی کشمکش کی صورت اختیار کر کے دھرمی لوگوں میں رسہ کشی اور دھرمی سماج میں ہنگامہ آرائی کا سا سماں پیدا کر رہا تھا۔ جبکہ اسی کشمکش کے دوران بدھ دھرم نے وید مذہب کو شکست وہزیمت دے کر اس کی جگہ تسلط جمالیا تھا اور اپنی مذہبی رسومات' قوانین وقواعد ''منو'' کی صورت میں ظاہر کر دیئے تھے۔

ابتداً میں ہیرالال کی توجہ ہندو دھرم کے نظریات اور دھرمی مت بھید کی جانب نہ تھی۔ یہ نظریئے مثلاً لاتعداد خدا' مذہب کی آڑ میں عام انسانوں کے ساتھ اجتماعی ظلم اور لوگوں میں طبقاتی تقسیم وغیرہ تھے۔ پہلے پہل ہیرالال کو یہ سوچ تو کیا پتہ تک نہ تھا کہ ہندو دھرم غلط اور باطل ہے' جس کا واحد سبب یہ تھا کہ وہ خود بھی برہمن خاندان سے تھا جو کہ ہندو مذہب میں مقدس مانا جاتا ہے۔ لہٰذا انہیں مذہبی تقدس کے باعث بہت کچھ فائدہ معاشی ومعاشرتی ہو رہا تھا۔ جیسا کہ اکرام وتعظیم' عزت ومنزلت' دولت وثروت' دامے درمے ہدایا وتحائف کا عوام وخواص سے ملنا وغیرہ۔

ہیرالال وکالت پاس کرنے تک اپنے تدریسی مشاغل میں ہمہ تن مصروف رہا' وکالت کے امتحان میں کامیابی کے بعد شادی کی اور ساتھ ہی وکالت کے پیشہ کا

باقاعدہ آغاز کیا۔ فارغ اوقات میں وہ علم وادب سے بھی دلچسپی زیادہ تر رکھنے لگا۔

وکالت نے ان کو سماج کی حالت زار اور اجتماعی برے ماحول کو قریب سے معلوم کر سکنے کا موقعہ فراہم کیا۔ ایسا ماحول اور سماج جس میں اس کے ہم وطن عام آدمی رات دن بسر اوقات کر رہے تھے۔ اور ہیرالال کو اس ظلم کی چکی کو بھی نزدیک سے دیکھنے کا موقعہ ملا جس میں ہندو لوگ دوسرے مذہبی لوگوں کے مقابلہ میں بری طرح پس رہے تھے۔

ہندوؤں میں سے چند ایسے بھی گروہ تھے جنہیں اچھوت کے نام سے پکارا جاتا تھا اور دھرمی لوگ سمجھتے تھے کہ یہ محض برہمن کی خدمت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں جنہیں خدمت کرنے کے علاوہ کسی قسم کی کوئی نجات یا اجر وثواب حاصل نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ ان کے ہاں بلی اور مینڈک کے مارنے کے جرمانہ اور اچھوتوں میں سے کسی نومولود کے قتل کے جرمانہ میں کوئی بھی فرق نہ تھا۔

اس ظالم ہندو طبقہ نے ہیرالال کو اپنی جانب دیکھنے اور اپنے گریبان میں جھانکنے (یعنی برہمنوں پر گہری نظر سے پرکھنے) پر مجبور کر دیا تاکہ وہ اس اثناء میں اس مذہب کے صحت وبطلان کے متعلق کوئی قطعی رائے قائم کر سکے۔ وہ مذہب جس نے عام لوگوں کے مابین فرقے اور طبقے بنا کر رکھ دیئے تھے حتی کہ ہندو دھرم کے ماننے والوں میں بھی فرقے اور طبقے بنا دیئے تھے۔

ہیرالال کو یہ احساس شدید تر ہونے لگا کہ وہ مسلمانوں کو بھی دیکھے جو اس کے ملک ہندوستان میں مذہبی لحاظ سے تعداد میں دوسرے نمبر پر تھے۔ یہ مسلمان تو فقیر وامیر شاہ وگدا میں کوئی بھی فرق روا نہیں رکھتے اور نہ ہی کسی نامعلوم تن تنہا آدمی اور اونچے خاندان میں فرق اونچ نیچ یا ان کو فرقوں اور طبقوں میں تقسیم کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ یہی سبب تھا کہ تعلیمات اسلامیہ اور احکامات دینیہ میں گہرے فکر اور غور

وخوض سے مطالعہ کرنے میں اس کا دلی اشتیاق دن بدن بڑھتا رہا۔ خصوصاً اس وقت جب اسے یہ معلوم ہوا کہ ہندوؤں کی کتابوں نے بھی حضور اکرم ﷺ کے نبی آخرالزماں ہوکر آنے اس کی سچی نبوت کی علامات' اس ذات وصفات کے متعلق پیشگی بشارت دیتے ہوئے لکھا ہے جیسا کہ سام وید کے دوسرے حصہ کے چھٹے اور آٹھویں جملہ میں آیا ہے کہ ''احمد اپنے پالن ہار سے شریعت حاصل کرے گا' جوکہ حکمت (دانائی) سے بھری ہوئی ہوگی اور اس شریعت سے ایسی روشنی ملے گی جیسے سورج سے ملتی ہے''۔

ایک کتاب ''ہوچیاپران'' میں آیا ہے کہ سندھ کے راجا بھوج بادشاہ کو خواب میں ایک شخص نظر آیا جس نے اسے کہا کہ ''تجھے اس شخص کا دین قبول کرنا چاہئے جو ایک صحرا میں ظاہر ہوا ہے وہ پیدا ہوتے ہی ''مختون'' (ختنہ شدہ) ہے اس کا کلام ایسا ہے جو سننے کے قابل ہے اسے ''رام'' نے چنا ہے۔ وہ پاک گوشت کھاتا ہے' اس کے ہاتھ پر بہت سے معجزے ظاہر ہو رہے ہیں۔ وہ دشمن کے نقصان سے محفوظ ہے (یعنی اسے دشمن قتل نہیں کرسکتے) اس کا نام ''محامد'' (یعنی کثرت سے حمد کرنے والا ہے)

ہیرالال نے حضور اکرم ﷺ کے متعلق یہ پیشگی بشارتیں پڑھیں اسی طرح اسے دین اسلام اور قرآن شریف کے بارے میں بہت کچھ معلومات ہوتی گئیں' اب اس کے ذہن میں خدا کا وہی فرمان گونجنے لگا کہ:

''اور بھیجے ایسے رسول کہ جن کا احوال ہم نے سنایا تجھ کو اس سے پہلے اور ایسے رسول جن کا احوال نہیں سنایا تجھ کو باتیں کیں اللہ نے موسیٰ سے بول کر''۔

''بھیجے پیغمبر خوش خبری اور ڈرسنانے والے تاکہ باقی نہ رہے لوگوں کو اللہ پر الزام کا موقع رسولوں کے بعد اور اللہ زبردست ہے حکمت والا''۔ (سورہ نساء رکوع ۲۳')

ہیرالال نے اپنے آگے حق کی روشنی چمکتے اور اوپر بلندی کی طرف چڑھتے دیکھی -

تو ایمان لاکر مسلمان ہوا اور وہ جس راہ حق کی تلاش کر رہا تھا اس کی طرف جانے والا راستہ بالآخر اسے مل ہی گیا۔ جب خود اس نے یہ ارشاد خداوندی پڑھا کہ:

''اور جو کوئی چاہے سو دین اسلام کے اور کوئی دین سو اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں خراب ہے''۔ (سورۃ آل عمران رکوع ۸۵)

اس کے بعد ہیرالال نے اپنے اسلام کے اظہار و اعلان کا مصمم ارادہ کیا' جبکہ اس کے مسلمان ہونے کا اور ہدایت کی راہ اختیار کرنے اور سر عام اعلان کرنے کا سہرا دو مشہور علماء کرام حضرت مولانا زکریا مینار صاحب اور مولانا نذیر احمد خجندی صاحب ارکان جمعیت تبلیغ اسلام بمبئی کے سر پہ سجتا ہے۔ ان حضرات نے ہیرالال کی اسلام کی خاطر بڑھتی ہوئی تڑپ قلب و اشتیاق کو معلوم کر لیا جو کہ پیش ازیں اس کے سینہ میں روز افزوں بے چینی پیدا کر رہی تھی۔ اسی طرح مذکورہ علماء کرام نے ہیرالال کے ہندو مذہب سے بیزاری اور ایک سچے آسمانی کتاب والہامی دین (مذہب اسلام) کا مخلص تابعدار بنے' اسلام اور عیسائیت (یا دیگر مذاہب یا فرقہ باطلہ) کے مابین تمیز کرنے والی صلاحیت کو بھی محسوس کر لیا تھا۔ انہی باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ان دونوں بزرگوں نے ہیرالال گاندھی کے ہاں پہنچنے کی خاطر ناگپور شہر کا سفر اختیار کیا۔ تا آنکہ وہاں پہنچ کر انہوں نے ہیرالال کو یقین دلایا کہ جس چیز اور جس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اس کی روح متلاشی اور اداس ہے وہ تو پورے کا پورا اسلام ہی کے اندر موجود ہے۔ یہ اسلام تو پیدائش کائنات سے لے کر خدا کا پسندیدہ دین رہا ہے۔ مذکورہ دونوں علماء کرام صاحبان اسلام کے احکامات کے متعلق مزید وضاحت سے بتاتے رہے۔ تا آنکہ خدا کے چاہنے کے بعد وہ اسلام قبول کرنے کے لئے پوری طرح تیار ہوا۔

مصری جریدے ''الاسلام'' کے نامہ نگار کے لکھنے کے مطابق جو اس پورے واقعہ کا

عینی گواہ تھا لکھتا ہے کہ " ہیرالال ۱۳۵۵ھ ۸ ربیع الاول کی شام بمبئی پہنچا اور مولانا زکریا اور مولانا نذیر احمد دیگر علماء کرام اور معزز مسلمانوں سے ملاقات کی۔ بعد میں اس نے اپنی خوشی سے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا۔ اس وقت اس کی عمر پچاس برس تھی، اعلان کے بعد آنے والے جمعہ کے دن سفید پیرہن، سفید ململ کا عمامہ باندھ کر جامع مسجد بمبئی میں پہنچا اور بیس ہزار سے زیادہ آئے ہوئے نمازیوں کے سامنے جامع مسجد میں اپنے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا۔ اس کا اسلامی نام عبداللہ رکھا گیا جس کے بعد اسے عبداللہ ہیرالال گاندھی پکارا گیا۔ اسلام کے اس اعلان کے بعد جامع مسجد کے منبر پر بیٹھ کر تقریر کی اور مسلمانوں کے اس بڑے اجتماع کو یوں مخاطب ہوا کہ:

" آپ سب جانتے ہیں کہ میں ایک بڑے ہندو لیڈر مہاتما گاندھی کا بیٹا ہیرالال ہوں، میں ان ہزار ہا گواہوں اور مسلمانوں کے اس عظیم الشان اجتماع کے سامنے اعلان کرتا ہوں کے مجھے اسلام سے حقیقی عشق ہے۔ مجھے قرآن سے محبت ہے، میں ایک خدا پر ایمان و یقین رکھتا ہوں اور اس کے رسول محمد ﷺ کو رسول برحق مانتا ہوں جو کہ خاتم النبیین ہیں، یعنی نبوت کے سلسلے کا حضور اکرم ﷺ پر خاتمہ ہو چکا، اب اس کے بعد قیامت تک خدا کی طرف سے کوئی دوسرا نبی ورسول نہیں آئے گا، قرآن پاک جو (احکایات) لایا وہ سب برحق ہیں، قبر سے اٹھنے اور حشر نشر، حساب کتاب، عذاب وثواب، بہشت ودوزخ یہ سب برحق ہیں، فرشتے اور تقدیر برحق ہیں میں آج کے بعد قرآن پاک کی خاطر (اس کے احکام پر عمل کرنے اور اس کی تعلیمات کو عام کرنے کے لئے) زندہ رہوں گا اور مروں گا، اسلام کا ہر طرح دفاع کروں گا اور اس کی حمایت میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کے مانند مضبوط ہو کر کھڑا رہوں گا اور اس پر عمل کرنے والوں کو بہشت کی بشارت دیتا رہوں گا اور اس کی روشنی میں میں اپنے خاندان اور اپنی قوم کو دعوت دیتا رہوں گا۔ یقین جانیئے کہ یہ دین حق، ثقافت، تہذیب وعدل، امانت،

رحمت اور مساوات والا دین ہے"۔

"اخبارات و ٹیلی گرام کے ذریعہ پورے ہندوستان میں ہیرالال کے مسلمان ہونے کی خبر پھیل گئی۔ ہندوؤں پر گویا بجلی گر چکی تھی' ہیرالال کے مسلمان ہونے سے مہاتما گاندھی پر سکتہ طاری ہو گیا اور رنج وملال کی وجہ سے ایک دو دن تک کھانا پینا چھوڑ دیا۔ بڑی بڑی دکانیں' شاپنگ سینٹر' ہندوؤں کے تجارتی مراکز' انڈسٹریز اور کارخانے اسی غم واندوہ کی وجہ سے بند ہو گئے۔ مہاتما گاندھی اپنے بیٹے کے مسلمان ہونے پر بے حد غضبناک صورت میں غصہ سے لال ہو گیا اور سخت ردعمل کا اظہار کیا۔ اسی طرح ہندوؤں کے اخبارات اور مختلف تنظیموں کے ہندو لیڈروں نے بھی ہیرالال کو سخت دھمکیاں دیں اور غم وغصہ کا اظہار کیا' لیکن مسلمانوں نے جامع مسجد میں ہیرالال کے اسلام لانے والے اعلان کا بے حد خوشی اور گرم جوشی سے استقبال کیا۔ اللہ اکبر کے فلک شگاف نعرے لگائے۔

مولانا زکریا مینار صاحب نے عوام کے سامنے خوشی کا اظہار کیا اور عوام کے آگے ہیرالال سے کئی کئی ملاقاتوں کا قصہ اور ہیرالال کو دین کی دعوت دینے کا تفصیل سے ذکر کیا اور اس کے ساتھ نئے ہونے والے مسلمان عبداللہ ہیرالال گاندھی کے اسلام کے متعلق محبت' رضامندی اور ان کے دین اسلام کو دیگر جملہ مذاہب سے برتر و بالا سمجھنے کا بھی تذکرہ کیا۔ آخر میں مولانا زکریا نے نمازیوں کو مخاطب ہو کر کہا کہ وہ اپنے نئے مسلمان بھائی کو مبارکباد دیتے ہوئے مصافحہ کریں۔ بس پھر کیا تھا؟ یہ کہ لوگوں کا سمندر ٹوٹ پڑا' لیکن مسجد کے آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک ایک ہو کر ہاتھ ملاتا مبارک باد کہتا گیا۔ جبکہ مصافحہ کا سلسلہ بھی تین گھنٹہ تک قائم رہا۔ بعدازاں مصافحہ کے مسلمانوں نے ہیرالال کو فرط محبت سے اپنے کاندھوں پر اٹھا کر گلی کوچوں میں نعرہ تکبیر لگاتے ہوئے سیر کرائی۔

اس واقعہ کے چند ہفتے بعد جناب عبداللہ ہیرالال گاندھی کو سورت انڈیا کے شہر میں ایک بڑے اسلامی اجتماع میں مدعو کیا گیا۔ جہاں عبداللہ گاندھی نے واضح الفاظ میں تفصیل سے بتایا کہ اسے اسلام قبول کرنے پر کس کس قسم کی صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ ساتھ ہی اس نے ہندوؤں کے جان سے مارنے قتل وغیرہ کی دھمکیوں کا بھی ذکر کیا۔ اس تقریر میں انہوں نے جو کچھ کہا اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

''میں نہ تو پشیمان ہوں اور نہ ہی اس دین حق کو قبول کرنے پر مجھے کوئی ندامت وتأسف ہے جیسا کہ کہا جارہا ہے یا پروپیگنڈہ وغیرہ کیا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اور وہ میرا گواہ ہے کہ میں نے جس صدائے حق پر لبیک کہہ کر اپنے ضمیر کی آواز کو قبول کیا ہے۔ وہ تو محض اپنے گم کردہ راہ کو حاصل کرنے کے لئے کیا تھا۔ اور اس حلقہ اور اس جماعت کے ساتھ ملنے کے لئے کیا تھا جو مجھ سے اوجھل ہو کر آنکھوں سے غائب ومستتر ہو گیا تھا۔ اب وہ گم گشتہ راہ اور ہدایت والی جماعت مجھے مل چکی ہے' باطل نہ تو آگے آسکتا ہے اور نہ ہی پیچھے کیونکہ ہماری زندگی کی رفتار حضور اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کی روشنی میں ہوگی (ان شاء اللہ)

عبداللہ لال نے اپنی تقریر کے آخر میں ہندوؤں کو ضمیر غائب کی صورت میں مخاطب ہو کر کہا کہ اس قوم (ہندو قوم) کے لئے بہتر تو یہ ہوگا کہ وہ جب بھی موجودہ زہر آلودہ زندگی سے اپنی جان آزاد کرانے کے لئے سوچیں تو انہیں چاہئے کہ وہ تعصب' ہٹ دھرمی اور تنگ نظری یا ضد سے خالی ہو کر اسلام کی حقانیت پر غور کریں اور اسلامی اخوت کی حقیقت کا گہرا مطالعہ کریں۔ اگر وہ اسلام کو نہ بھی چاہیں تب بھی اگر انصاف سے فیصلہ کریں گے تو نتیجہ ہمارے فائدہ میں ہوگا تو پھر انہیں چاہئے کہ ہمارے متعلق بھی اسی کے مطابق سوچیں اور مہاتما گاندھی جی کے پیروؤں کے لئے بھی یہی خیالات رکھیں بلکہ مشرق ومغرب تک کی ساری دنیا کے لئے بھی یہی رائے رکھیں۔

جب میں آٹھویں جماعت میں پہنچا تو میرا رجحان خود بخود دین اسلام کی طرف ہونے لگا انہی دنوں ضلع جہلم کے ایک عالم دین نے متعدد نشستوں میں اسلام کی حقانیت واضح کی اور یوں ۱۹۳۸ء کو جمعۃ المبارک کے دن محرم کی پہلی تاریخ کو نہا دھو کر سیدھا مسجد میں داخل ہوا اور مشرف بااسلام ہو کر غازی احمد نام تجویز ہوا میرے اسلام لانے کی اطلاع جب گھر پہنچی تو کہرام سا مچ گیا میرے والد نے کہا کہ اسلام ترک کر دو میرے انکار پر والد نے چھڑی ہاتھ میں لے کر مجھے پیٹنا شروع کر دیا اور اتنا پیٹا کہ بدن سے خون بہہ کر سارے کپڑے خون آلود ہو گئے۔

کرشن لال سے غازی احمد تک

انوکھی وضع ہے سارے زمانے سے نرالے ہیں
یہ عاشق کون سی بستی کے یارب رہنے والے ہیں
علاج درد میں بھی دردلذت پہ مرتا ہوں
جو تھے چھالوں میں کانٹے نوک سوزن سے نکالے ہیں

میں ۱۹۲۲ء میں ضلع جہلم کے ایک دور افتادہ گاؤں میانی میں ایک ہندو خاندان میں پیدا ہوا۔ والدین نے میرا نام کرشن لال تجویز کیا' میرے خاندان کے تمام افراد سناتن دھرمی عقائد کے مالک تھے اور شروع شروع میں میرا میلان طبع بھی انھی عقائد ونظریات کی طرف تھا۔ لیکن جب آٹھویں جماعت میں پہنچا تو میرا رجحان خود بخود دین اسلام کی طرف ہونے لگا۔ اسی اثناء میں بوچھال کلاں ضلع جہلم کے ایک عالم دین مولانا عبدالرؤف صاحب سے میری ملاقات ہوئی انہوں نے متعدد نشستوں میں مجھ پر اسلام کی حقانیت واضح کی۔ میں ان کے مواعظ سے بہت متأثر ہوا' لیکن میں ابھی بچپن کی منزل ہی کا راہی تھا اس لئے اپنے آبائی مذہب اپنے خاندان' اپنے بہن بھائیوں' اپنے والدین اور اپنے گھر بار کو چھوڑنے کا خیال بھی میرے ننھے سے دل میں قیامت خیز زلزلہ برپا کردیتا۔ میرا معصوم سا ذہن ایسی سوچ سے لرز جاتا۔ جب بھی مجھے اسلام قبول کرنے کا خیال آتا دل میں ماں اور بھائیوں کی محبت کا بہاؤ تیز ہوجاتا تھا بچپن کی ناتجربہ کاری اور ناپختگی میرے آڑے آتی اور میں کسی حتمی فیصلہ پر نہ پہنچ پاتا۔ یکم مارچ ۱۹۳۸ء کی سہانی اور مبارک رات کو میں نے خواب دیکھا کہ مکہ معظمہ میں بیت اللہ کے عین سامنے کھڑا ہوں' سید الاولین والآخرین حضرت محمد رسول اللہ

ﷺ (فداہ روحی ابی امی) دیوار کعبہ سے تکیہ لگائے میرے سامنے جلوہ افروز ہیں اور اردگرد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تشریف فرما ہیں۔ میں والہانہ جذبہ وشوق کے عالم میں صحابہؓ کے درمیان سے گزرتا ہوا سید الانبیاء کی بارگاہ اقدس میں پہنچا اور مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا تو آنحضرت ﷺ نے اٹھ کر اپنے مبارک ہاتھوں میں میرا ہاتھ تھام لیا۔ جس سے میرے بدن کے ہر رگ وریشہ میں مسرت وشادمانی کی ایک عجیب سی لہر دوڑ گئی۔

فرمایا: ''کہو کیسے آئے ہو؟''

''مشرف باسلام ہونے کے لیے آیا ہوں'' میں نے عرض کیا۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ کا پرانوار چہرہ نور مسرت سے چمک اٹھا۔

میرا ہاتھ اپنے مقدس ہاتھوں میں تھام کر آپؐ نے کچھ پڑھا جسے میں اس وقت سمجھ نہیں سکا۔ پھر فرمایا بس اب تم دولت اسلام سے بہرہ ور ہو گئے ہو۔

حسب معمول صبح آنکھ کھلی تو میرا ننھا سا دل خوشی کے جذبات سے معمور تھا۔ جب والدہ محترمہ کے پاس بیٹھ کر کھانا کھانے لگا تو انھوں نے مجھ سے خلاف معمول اس قدر خوش خوش نظر آنے کی وجہ پوچھی میں اس بات کو ٹال گیا۔

مدرسہ کے اوقات میں مولانا عبدالرؤف صاحب سے مل کر انہیں جب رات کا پر لطف خواب سنایا تو انہوں نے فرمایا: روزانہ سوتے وقت اللہ تعالیٰ سے راہ ہدایت کی دعا کیا کرو۔ تین مارچ ۱۹۳۸ء کو جمعرات کا دن تھا میں رات کو حسب معمول سو رہا تھا کہ خواب میں یوں محسوس ہوا جیسے مدرسہ بند ہونے پر میں میانی کے تمام طلبا کے ساتھ گھر آ رہا ہوں۔ راستے میں ایک قوی ہیکل، دیو قامت اور کریہ المنظر شخص کھڑا ہے جسے دیکھ کر ہم سب پر لرزہ طاری ہو گیا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا یہ دجال ہے ہم میں سے جس سے بھی یہ پوچھے کہ تم کس کے بندے ہو وہ یہی جواب دے کہ میں اللہ کا

بندہ ہوں۔

پھر وہ میرے ساتھیوں سے فرداً فرداً سوال کرنے لگا اور جو طالب علم اس کی مرضی کے مطابق جواب دیتا اسے قسم قسم کے کھانے مزے مزے کے پھل اور طرح طرح کے کھلونے دیتا اور جو اس کی بات نہ مانتا اس کو موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ آخر میں جب میری باری آئی تو اس نے پوچھا کس کے بندے ہو؟

''اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں'' میں نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔ یہ سنتے ہی اس نے میرے اس زور سے گھونسا رسید کیا کہ میں کئی گز دور جا گرا' اور رونے لگا۔ دجال نے تحکمانہ لہجہ میں آواز دیتے ہوئے کہا۔ ادھر آؤ۔ میں ڈرتا کانپتا ادھر چلا ہی تھا کہ میرے کانوں میں حضور نبی اکرم ﷺ کی شیریں آواز پڑی۔ پہلے میرے پاس آؤ'' آپ کو دیکھ کر مجھے تعجب ہوا کہ ابھی دو دن پہلے تو میں نے آپ کو مکہ مکرمہ میں دیکھا تھا آج یہاں کیسے تشریف لے آئے۔ میں دجال کی سخت مار کی وجہ سے روتا ہوا آنحضرت ﷺ کی بارگاہ عالی میں پہنچا۔ آپ نے میری کمر پر دست شفقت پھیرتے ہوئے فرمایا: دیکھو میں صرف تمہاری خاطر یہاں آیا ہوں۔ دجال کی بات ہرگز نہ ماننا میں تمہارے لئے دعا کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تم ناکامی کا منہ نہیں دیکھو گے'' یہ ارشاد فرما کر آپ جب تشریف لے گئے تو میں دجال کے پاس پہنچا۔

اس نے پھر وہی سوال دہرایا۔ اور میں نے بھی حسب سابق وہی جواب دے دیا۔

اس پر وہ مارے غضب کے لال پیلا ہو گیا اور اس نے چھلا کر جب میرے منہ پر تھپڑ مارنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو مارے دہشت کے میری چیخ نکل گئی۔ اور اس کے ساتھ ہی میری آنکھ کھل گئی اور پھر صبح تک مجھے نیند نہ آسکی۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ آج بوچھال کلاں پہنچ کر قبول اسلام کا اعلان کر دوں گا۔ والدہ محترمہ نے جب صبح کو کھانا

تیار کیا تو میں نے ان کے پاس بیٹھ کر کھایا' اس وقت دل میں جذبات کا تلاطم بپا تھا۔ جانتا تھا کہ آج ہمیشہ کے لیے ماں اور بھائیوں سے جدا ہو رہا ہوں۔ پھر اس گھر میں جہاں زندگی کی کئی بہاریں لوٹیں ہیں شاید ہی قدم رکھنا نصیب ہو۔ بھائیوں کی محبت وشفقت نے مجھے مجبور کیا تو بہانے بہانے ہی میں نے ان کے سر پر ہاتھ پھیر کر دل کو تسکین دی۔ اسی طرح حیلے بہانے سے پیاری اماں کے قدم چھو کر ہدیہ عقیدت واحترام پیش کیا۔ کھانے سے فارغ ہوا تو بستہ اٹھایا اور اپنے گھر' تینوں بھائیوں اور محترمہ والدہ کی طرف حسرت بھری نگاہ ڈالی اور پرنم آنکھوں سے میں اپنے آبائی گھر سے رخصت ہو گیا۔

۴ مارچ ۱۹۳۸ء کو جمعہ کا مبارک دن اور محرم کی پہلی تاریخ تھی کہ میں دوپہر کے وقت تیار ہو کر سیدھا مسجد میں داخل ہوا' مولانا عبدالرؤف صاحب کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوا' اور غازی احمد نام تجویز ہوا۔

میرے اسلام لانے کی اطلاع جب گھر پہنچی تو کہرام سا مچ گیا سب نے رونا پیٹنا شروع کر دیا۔ میرے والد صاحب کشمیر میں ملازم تھے انھیں اور دوسرے رشتہ داروں کو بذریعہ تار مطلع کیا گیا۔ ابھی تین چار روز بھی گزرنے نہ پائے تھے کہ والد صاحب نے دوسرے رشتہ داروں سے مل کر مولانا عبدالرؤف اور ملک محمد طفیل ہیڈ ماسٹر پر مقدمہ دائر کر دیا کہ انہوں نے ہمارے نابالغ بچے کو ترغیب وترہیب سے زبردستی مسلمان بنالیا ہے۔ ایس۔ ڈی۔ ایم کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا۔ ایک طرف والد محترم اور متعدد ہندو رشتہ دار تھے اور دوسری طرف میں اور ہزاروں کی تعداد میں مسلمان۔ عدالت میں میرے بیان ہوئے میں نے کہا: میں اپنی رضاء ورغبت سے مسلمان ہوا ہوں میرے قبول اسلام میں کسی فرد وبشر کا ہاتھ نہیں میں مسلمانوں ہی کے پاس رہوں گا۔ والدین کے پاس مجھے جان کا خطرہ ہے۔ جب فیصلہ میرے حق

میں ہوا تو مسلمان خوشی سے نعرے لگاتے ہوئے عدالت سے واپس لوٹے۔

میرے والد صاحب بھلا کب نچلے بیٹھنے والے تھے۔ انہوں نے مختلف عدالتوں کا دروازہ کھٹکھٹایا مگر انہیں کہیں بھی کامیابی نصیب نہ ہو سکی۔ پولیس نے ہندوؤں کے دباؤ میں آ کر بڑی تحقیق و تفتیش سے کام لیا۔ مگر میرے رشتہ داروں کو اپنا مقصد حل ہوتا نظر نہ آیا۔ ہر عدالت میں ہزاروں کی تعداد میں مسلمان میرے ساتھ ہوتے۔ جو اکثر اوقات بوچھال کلاں سے پیدل چل کر جایا کرتے۔ اس کے بعد والد محترم نے سیشن جج جہلم کی طرف رجوع کیا اور کہا کہ میرے نابالغ لڑکے کو زبردستی مسلمان بنالیا گیا ہے۔ جہلم کے سرکردہ ہندو ان کے ساتھ تھے، جنھوں نے مل ملا کر جج صاحب پر دباؤ ڈالا۔

عدالت میں پیشی ہوئی تو میں نے محسوس کیا کہ جج کا رویہ میرے بارے میں ٹھیک نہیں۔ اس پیشی پر دو تین حضرات میرے ساتھ تھے جج صاحب نے مجھے دوسری تاریخ پیشی تک میرے والد کے سپرد کر دیا۔ جب میں نے والد محترم کے ساتھ جانے سے انکار کیا تو مجھے زبردستی کار میں بٹھا دیا گیا اور دریا کے کنارے ایک مندر میں مجھے لایا گیا جہاں سارا دن میں نے رو رو کر گزارا۔ والدہ محترمہ کو بھی جہلم بلایا گیا۔ انہوں نے مجھے دھمکی دی کہ اگر میں نے ان کے حق میں بیان نہ دیئے تو وہ گھر پر زندہ نہیں جائیں گی بلکہ دریا میں کود کر خودکشی کرلیں گی۔ دوسرے ہندو بھی وقتاً فوقتاً آ کر مجھے سمجھاتے بجھاتے اور قسم قسم کے لالچ دیتے رہتے۔

اس اثناء میں والد صاحب نے ہندو اکابر کے اثر ورسوخ سے کام لے کر ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسر جہلم سے میرے نابالغ ہونے کا سرٹیفکیٹ حاصل کرلیا اور اسے مقررہ تاریخ سے ایک دن پہلے ہی عدالت میں پیش کر دیا۔ جج صاحب نے جب مجھ سے یہ پوچھا کہ آپ والدین کے پاس رہنے میں خوش ہیں؟ تو میں نے نفی میں جواب

دیا۔لیکن افسوس کہ میری کسی بات کو وقعت نہ دی گئی اور زبردستی مجھے والدین کے سپرد کر دیا گیا۔

تعجب تو اس بات پر تھا کہ والد محترم کے حق میں فیصلہ دینے والے جج صاحب مسلمان تھے۔ والد محترم بتایا کرتے تھے کہ انہوں نے ان صاحب کو رشوت دے کر اپنے حق میں فیصلہ کرایا تھا۔

اسی دن والد محترم مجھے ساتھ لے کر کشمیر روانہ ہو گئے۔ دو تین دن جموں میں ایک پنڈت صاحب کے ہاں فروکش ہوئے۔ پنڈت صاحب نے بھی مجھے رام کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر ان کے غیر معقول دلائل مجھے ذرا بھی متاثر نہ کر سکے۔ یہاں پہنچ کر میں نے مولانا عبدالرؤف صاحب کو خط لکھنے کی کوشش کی' مگر کامیاب نہ ہو سکا۔

والد محترم نے سوتے میں وہ خط میری جیب سے نکال کر اپنے پاس محفوظ کر لیا۔ چوتھے دن والد بھدرواہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ بٹوت تک بس کے ذریعے پھر بھدرواہ تک پیدل ہی راستہ طے کیا۔ دوسرے دن میرے والد مجھے ایک پنڈت کی معیت میں گاؤں سے باہر ایک بلند پہاڑی پر لے گئے اور اپنے پاس بٹھا کر کہا: دیکھو میں اس مقدمے میں تم پر دس ہزار روپیہ خرچ کر چکا ہوں تم نے مجھے کہیں کا نہیں رکھا۔ خاندان میں میری ذرہ بھی عزت نہیں رہی۔ یہ کہا اور میرے والد کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ میں نے اپنی زندگی میں شاید پہلی اور آخری بار ہی والد محترم کی آنکھوں میں اس طرح آنسو دیکھے تھے' میرا دل پسیج گیا مگر معاً رحمت ایزدی نے مجھے سہارا دیا اور حضور نبی اکرم ﷺ کی زیارت کے تمام حالات میری آنکھوں کے سامنے پھرنے لگے۔ میں نے اپنے والد محترم کی خدمت میں عرض کیا مجھے آپ کی پریشانیوں اور تکالیف کا احساس ہے آپ نے میرے لیے بہت کچھ کیا ہے مگر میں دل کے ہاتھوں

مجبور ہوں۔ میرا دل ترک اسلام کا تصور تک بھی نہیں کر سکتا۔ اگر آپ مجھے اسلام پر قائم رہنے کی اجازت مرحمت فرمادیں تو تمام عمر آپ کی غلامی میں بسر کردوں گا۔

والد نے یہ سنتے ہی چھڑی ہاتھ میں لے کر مجھے پیٹنا شروع کر دیا اور اتنا پیٹا کہ بدن سے خون بہہ کر سارے کپڑے خون آلود ہو گئے۔ اس پر بھی والد محترم کو نہ رحم آیا نہ ان کے ہاتھ کی حرکت میں کوئی کمی آئی۔ میں آدھ مؤا ہو کر بھی پڑا ٹھوکریں کھاتا رہا۔ آخر جب دل کا غبار اچھی طرح نکال چکے تو پنڈت سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔

کیوں نہ میں اسے دریا میں دھکیل دوں۔ شاید اسی طرح کلنک کا یہ ٹیکا میرے ماتھے سے اتر جائے۔ پہاڑی کے دامن میں بپھرتا ہوا دریا میرے سامنے تھا۔ اپنی موت کے خوف سے میں لرز گیا' مگر اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے میرے پائے ثبات میں لغزش نہ آنے دی اور میرے دل میں یہ خیال بار بار ابھرنے لگا کہ اگر والد مکرم نے مجھے دریا میں پھینکا تو میں اپنے پیارے نبی ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کروں گا۔

میرے آقا آپ نے مجھے اسلام کی جو دولت بخشی تھی میں اس کو صحیح وسالم لے کر حاضر ہو گیا ہوں۔

پنڈت صاحب نے جو مارے خوف کے کانپ رہے تھے۔ والد محترم سے کہا بچہ ہے۔ بڑا ہو کر سنبھل جائے گا۔ آپ کوئی سخت اقدام نہ کریں۔ والد صاحب نے اس کی بات مان لی اور مجھے ساتھ لے کر چپ چاپ گھر کی راہ لی گھر پہنچ کر والد نے خود میری مرہم پٹی کی۔ چھڑی کی مار اور بوٹوں کی ان گنت ٹھوکروں سے جسم کا رواں رواں زخمی تھا' حتیٰ کہ ناک منہ اور آنکھیں تک متورم تھیں۔

تقریباً ہفتہ بھر بستر ہی پر دراز رہا۔ پھر والد محترم نے مجھے بھدرواہ ہائی اسکول میں داخل کرا دیا۔ میں ہندو لڑکوں کی نگرانی میں روز اسکول آنے جانے لگا۔ مسلمان طلبہ کو

میرے ساتھ بات کرنے کی اجازت نہ تھی۔ ہندو لڑکے ہی نہیں بلکہ ہندو اساتذہ بھی مجھے نفرت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے یہ اسکول میرے لئے جہنم سے کم اذیت ناک نہ تھا۔ آخر کار میں نے دوست محمد نامی ہم جماعت سے تعلقات بڑھائے اور اس کے توسط سے مولانا عبدالرؤف صاحب کو خط لکھا اور بتایا کہ میں بفضلہٖ تعالیٰ اسلام پر قائم ہوں حضور نبی اکرم ﷺ کی دعا ہی کی برکت ہے کہ مجھے کوئی جسمانی تکلیف اسلام سے برگشتہ نہیں کر سکی۔ مولانا نے خط ملتے ہی قصبے کے سارے لوگوں کو جمع کر کے ان سے پوچھا کوئی ہے جو جان پر کھیل کر ایک مسلمان کو کافروں کے عذاب سے چھٹکارا دلائے؟ اس پر ایک غریب لیکن جذبہ شہادت سے ہوشیار شخص اٹھا اور اس نے اس خدمت کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا۔ اس کا نام جان محمد تھا۔

جان محمد صاحب اوقات مدرسہ ہی میں بھدرواہ پہنچ گئے اور دوست محمد کی وساطت سے جب مجھے ان کی آمد کا پتا چلا تو میں تفریح کے بعد روتا روتا اپنے ماسٹر صاحب کی خدمت میں پہنچا اور کہا میرے پیٹ میں سخت درد ہے۔ مجھے چھٹی عنایت فرمائی جائے ماسٹر صاحب نے چھٹی دے دی۔ میں نے بستہ اٹھایا چھپتا چھپاتا آنکھ بچاتا ہوا مدرسہ سے نکل آیا۔

جان محمد صاحب نے ایک مسلمان رہبر کو ساتھ لیا اور ہم بھدرواہ سے بھاگ' راتوں رات سفر کرتے ریاست کشمیر سے نکل کر ریاست چنبہ کی حدود میں داخل ہو گئے۔ پھر مسلمان رہبر واپس ہو گیا اور ہم دونوں تقریباً ساٹھ میل سفر طے کر کے تیسرے دن صبح ڈلہوزی پہنچے۔ تھکان سے میرا برا حال تھا کپڑے میلے اور پاؤں متورم تھے۔

شام کو بذریعہ پٹھانکوٹ جب امرتسر پہنچے تو میں نے اپنا آبائی لباس اتار کر دوسرے کپڑے پہنے اور امرتسر سے کھیوڑہ کی راہ بوچھال کلاں پہنچ گئے بس اسٹینڈ پر

لوگوں کا ایک ہجوم پذیرائی کے لئے موجود تھا۔

والد کو جب میرے فرار کا علم ہوا تو انہوں نے تمام راستوں کی ناکہ بندی کرنے کے لئے تاریں دلا دیں۔ لیکن جس راستے کو ہم نے اختیار کیا تھا وہ والد صاحب کے علم میں بھی نہ تھا' اس لئے ہم بچ نکلے۔

چند روز بعد والدہ صاحبہ سے ملاقات ہوئی' انہوں نے اشکبار ہو کر فرمایا "بیٹا ہمیں اس قدر ذلیل ہی کرنا تھا تو پہلے بتا دیا ہوتا۔ تا کہ خرچ کرنے سے تو بچ جاتے۔ عرض کیا: اماں جی! میں نے آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ میں اسلام کو ترک کرنے پر کسی صورت بھی آمادہ نہیں ہو سکتا۔ آپ میرے لئے کچھ نہ کریں۔ ہاں ویسے میں آپ کا غلام ہوں۔ آپ کی ہر خدمت میرے لئے سعادت کا موجب ہے مجھے آپ کے وہ احسانات یاد ہیں کہ جب بھی میرے خاندان والوں نے مجھے ختم کرنے کی کوئی سازش کی تو آپ نے مجھے اس سے پہلے ہی مطلع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے۔

میں نے والدہ صاحبہ سے صلح کر لی تھی اور اکثر والدہ مکرمہ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا۔ مگر والد محترم کو میں نے چھ سال کے بعد دیکھا تھا راستے میں اچانک آمنا سامنا ہو گیا۔ مگر وہ بغیر توجہ دیئے ہی میرے پاس سے گزر گئے میں بھی انہیں بلانے یا ان سے ہاتھ ملانے کی جرأت نہ کر سکا۔

۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے موقع پر میرے خاندان کے تمام افراد ہندوستان چلے گئے اور میں اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ پاکستان میں رہا اور اپنے آبائی مکان میں منتقل ہو گیا۔ ۱۹۵۰ء میں والد کی وفات ہو گئی والدہ مکرمہ اور تین بھائی انبالہ کے قریب ایک گاؤں میں مقیم ہیں۔

۱۹۴۱ء میں میٹرک کا امتحان میں نے اسکول میں اول رہ کر امتیازی حیثیت سے پاس کر لیا بعد ازاں میں نے علوم دینیہ کی طرف توجہ دی' چنانچہ ۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۸ء تک

مدرسہ خادم الشریعۃ پنڈی گھیپ، مدرسہ عربیہ اشاعۃ القرآن گجرات اور دارالعلوم دیوبند میں علوم دینیہ کی تکمیل کی۔ ۱۹۴۸ء میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا اور صوبے بھر میں اول رہا۔

میرا ایمان ہے کہ یہ ساری کامرانیاں آنحضرت ﷺ کی دعا کی مرہون منت ہیں، ۱۹۵۴ء میں بی اے کا امتحان پاس کیا اور دونوں میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے فرسٹ ڈویژن حاصل کی ۱۹۵۷ء میں بی ایڈ کیا ۱۹۵۸ء میں ایم اے عربی صوبے بھر میں اول رہ کر امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔ ۱۹۵۹ء میں ایم۔ اے علوم اسلامیہ کا امتحان دیا اور صوبے بھر میں اول رہا۔ ان تمام عنایات پر میں اپنے مالک حقیقی کا شکر گزار ہوں۔

اسلام قبول کرنے کے بعد میں نے اپنے اندر ایک بہت بڑا ذہنی وروحانی انقلاب محسوس کیا۔ ورنہ اسلام لانے سے پہلے میں ایک متوسط ذہن کا مالک تھا۔ اسلام کے سائیہ عاطفت میں پناہ لینے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے دینی اور دنیوی ترقی کے دروازے بھی میرے لئے کھول دیئے اور دوسری بات جو میں نے اپنی علمی زندگی میں محسوس کی وہ نبی اکرم ﷺ کی دعا کا اثر ہے کہ مجھے آج تک کسی امر میں ناکامی کا سامنا نہیں ہوا اور آنحضرت ﷺ کی دعا ہی میری زندگی کا سب سے قیمتی سرمایا ہے اور ان شاءاللہ قیامت کے دن یہی دعا میری نجات کا باعث ہوگی۔ آمین ثم آمین۔

ایک متعصب ہندو قیدی (جو عمر قید کی سزا بھگت رہا تھا) کے تعصب کا اندازہ اس جملے سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے بارے میں کہتا تھا کہ جن پاکستانیوں کو بھارتی حکومت گرفتار کر لیتی ہے ان کو فوراً گولی سے اڑا دیا جائے مگر دیکھتے ہی دیکھتے ایک صاحب کردار مسلمان قیدی کے توسط سے ہدایت کے دروازے کھلے پھر کیا تھا؟ مشکوۃ شریف دیگر کتب حدیث کا مطالعہ کر کے اس ہندو قیدی نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا جس کے بعد جیل سپرینڈنٹ سے لے کر آئی جی تک تمام افسران نے اسے رام کرنے کی بھرپور کوشش کی مگر سب تدبیریں ناکام ہوئیں ...... بالآخر آفس میں کام کرنے والے ایک قیدی نے اسے رہائی کی خوشخبری سنائی اور وہ سچے رب کے حضور سجدہ میں گر گیا۔

اُسی متعصب قیدی کے ساتھ انڈیا حکومت کی قید میں رہنے والے اصغر علی صاحب نے یہ واقعہ مرتب کیا ہے جو نذر قارئین ہے۔

حلاوت ایمان

حوصلے چھن نہیں سکتے کبھی تعزیروں سے
خواب ٹوٹے ہیں کبھی ظلم کی تدبیروں سے؟

آیئے میں آپ کو ان دنوں کا ایک واقعہ سناتا ہوں جب میں جاسوسی کے شبے میں بھارت میں گرفتار ہوگیا تھا میں دسمبر ۱۹۷۳ء میں سینٹرل جیل بیکانیر میں قید تھا وہاں ایک ہندو قیدی جس کا نام سکھ بیر سنگھ تھا قتل اور ڈاکے کے جرم میں عمر قید کی سزا بھگت رہا تھا یہ شخص ادھیڑ عمر کا تھا اور قوی ہیکل ڈیل ڈول کا آدمی تھا وہ اپنے مذہب کا بہت سختی سے پابند تھا جیل میں اس کا احترام کیا جاتا تھا اور پاکستان کے نام سے اسے نفرت تھی اس کا نظریہ یہ تھا کہ بھارتی حکومت جن پاکستانیوں کو گرفتار کر لیتی ہے ان کو فوراً گولی سے اڑا دینا چاہیئے ان کو زندہ رکھ کر بھارتی حکومت انتہائی احمقانہ کام کرتی ہے۔

اس جیل میں ہمارے ساتھ ایک پاکستانی قیدی محمد یٰسین صاحب بھی تھے یہ صاحب صحیح معنوں میں صاحب کردار مسلمان تھے۔ سکھ بیر سنگھ بھی ہریانہ صوبہ کے ضلع روہتک سے تعلق رکھتا تھا وہ چھوٹے سے ایک گاؤں ہمایوں پور کا رہنے والا تھا ایک ضلع کا ہونے کی بنا پر یٰسین صاحب اور سکھ بیر سنگھ کے درمیان دوستانہ تعلقات استوار ہو گئے ان کا اٹھنا بیٹھنا اکٹھا ہوگیا اور یہیں سے ایک نئی داستان نے جنم لیا سکھ بیر سنگھ یٰسین صاحب کے سامنے اسلام کی برائیاں کرتا مگر یٰسین تحمل اور بردباری سے اس کو سمجھاتے آہستہ آہستہ انہوں نے سکھ بیر سنگھ کو کہا کہ تم اردو زبان تو جانتے ہی ہو ایک بار سارے قرآن شریف کا ترجمہ پڑھ لو اس کے بعد تم سے اسلام اور ہندومت کے

موازنے پر بات کروں گا۔

سکھ بیر سنگھ نے آہستہ آہستہ روزانہ قرآن مقدس کا ترجمہ پڑھنا شروع کر دیا چھ ماہ تک وہ ترجمہ پڑھتا رہا آہستہ آہستہ اس کا ذہن اسلام کی طرف مائل ہونا شروع ہو گیا۔ قرآن پڑھنے کے ساتھ ساتھ اس نے مشکوۃ شریف' حدیث کی کتاب بھی منگوالی اور ایک روز اس نے اعلان کر دیا کہ میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔

اس کا یہ اعلان قیامت آنے کے مترادف ثابت ہوا پوری جیل میں طوفان آ گیا ہندو قیدی اور ہندو عملہ سخت اشتعال میں آ گیا مسلمان بھی اپنی جگہ حیران تھے کہ یہ انہونی کیسے ہو گئی۔

جیل سپرٹنڈنٹ لیکھ رام خود سکھ بیر سنگھ کے پاس آیا اور اسے کہا کہ ''تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے جو تم ایک مسئلے کے چکر میں آ کر باپ دادا کا دھرم تبدیل کرنے لگے ہو؟''۔

''میں نے جو فیصلہ کیا ہے وہ سوچ سمجھ کر کیا ہے''۔

اس نے کہا ''اب یہ فیصلہ کسی صورت میں تبدیل نہیں ہو سکتا''۔

''اس کا انجام بھی جانتے ہو کیا ہو گا'' لیکھ رام نے کہا۔ ''تم کو بیس سال کی قید ملی ہے میں تم کو ایک دن بھی معافی نہیں دوں گا اور پورے بیس سال کٹواؤں گا''۔

''مجھے تم ساری عمر بھی جیل میں رکھو تو بھی اپنا فیصلہ نہیں بدلوں گا''۔ اس نے جواب دیا

دوسرے دن ہی یلیین صاحب کو پاؤں میں بیڑی لگا کر کال کوٹھڑی میں ڈال دیا گیا ان کا جرم یہ تھا کہ انہوں نے ایک پیدائشی ہندو کو ورغلا کر اپنا دھرم تبدیل کرنے پر مجبور کیا تھا دوسرے روز ظہر کے وقت سکھ بیر سنگھ نے باقاعدہ کلمہ پڑھا اور مذہب اسلام اختیار کر لیا۔ مگر منوسمرتی کے پیروکار اس واقعہ کو اتنی آسانی سے ہضم نہیں کر سکتے تھے وہ

سکھ بیر سنگھ کو سکھ بیر احمد بننے کی سخت سے سخت سزا دینا چاہتے تھے اس کو جتنی معافی ملی ہوئی تھی سب کاٹ لی گئی اور اس کو بیڑیاں ڈال کر سینٹرل جیل جودھ پور بھجوا دیا گیا اس کے ٹکٹ (ریکارڈ) میں لکھ دیا گیا کہ یہ بہت خطرناک قیدی ہے اس لئے اس کو ہمیشہ کال کوٹھڑی میں رکھا جائے ہر قیدی کے پاس اس کی قید کا ریکارڈ ہوتا ہے جسے جیل کی زبان میں ٹکٹ کہتے ہیں۔ جیل سپرنٹنڈنٹ ہر قیدی کو سال میں کم وبیش تین ماہ کی معافی دے سکتا ہے یہ اس دیش میں ہو رہا ہے جس کو ہم دوست بنانے کی کوشش کر رہے ہیں ۔سکھ بیر احمد کو صرف اس گناہ کی سزا دی جا رہی تھی کہ اس نے جس چیز کو حق سمجھا اس کو قبول کیا تھا دنیا کی سب سے بڑی ''جمہوریت'' کو گوارا نہ تھا کہ ایک ہندو اسلام قبول کر لے۔

لیکن خدا کا یہ نیک بندہ جو قبول اسلام تک قاتل اور ڈاکو تھا ہر قسم کی سزا کو خندہ پیشانی سے سہ رہا تھا اور اس کے پائے استقامت میں ذرا سی بھی لغزش نہ آئی تھی اس کو جودھ پور جیل میں بھی ہر طرح سے رام کرنے کی کوشش کی گئی جیلوں کے آئی جی نے اسے کہا کہ تم واپس ہندو ہو جاؤ تم کو قیدیوں کا نمبر دار بنا دیا جائے گا اور زیادہ معافی دی جائے گی اور چند سال بعد رہا کر دیا جائے گا۔

''آئی جی صاحب اس نے کہا'' آپ کو واپس ہندو ہونے کی بات کر رہے ہیں آپ اگر یہ کہیں کہ تم ایک وقت کی نماز قضا کر دو اور ہم تمہاری بیس سال کی سزا معاف کر دیتے ہیں تو خدا کی قسم میں یہ ہرگز نہ کروں گا''۔

یہ دوٹوک جواب سن کر آئی جی ہکا بکا رہ گیا اور اس پر زیادہ سختی کا حکم دے کر چلا گیا۔ میں نے اپنی زندگی میں لاکھوں مسلمان دیکھے ہیں جن میں بڑے عالم بھی تھے اور پیر بھی مگر میں نے اس جیسا باکردار مسلمان اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔ اسے دیکھ کر مجھے پتا چلا کہ قرون اولیٰ میں چند لاکھ مسلمان کس طرح تھوڑے سے عرصے میں پوری

دنیا میں چھا گئے تھے کاش یہ جذبہ ہم سب میں پھر پیدا ہو جائے۔

سکھ بیر احمد کو بڑے لمبے عرصے تک متواتر بیڑیاں ڈال کر کال کوٹھڑی (قید تنہائی) میں رکھا گیا جہاں سے اسے ایک پل کے لئے بھی باہر نہیں نکالا جاتا تھا اس کے ٹکٹ پر ایک دن کی معافی بھی نہ لکھی گئی مگر اس مرد مسلمان کو کوئی بھی تکلیف راہ حق سے نہ ہٹا سکی ایک بار جب ڈپٹی سپر ٹنڈنٹ جیل ہنومان مل جیل کی معمول کی گشت پر آیا تو اسے قرآن پڑھتے دیکھا وہ اپنی کوٹھڑی میں بیٹھا قرآن پڑھ رہا تھا وہ ڈپٹی سپر ٹنڈنٹ کے احترام میں کھڑا نہ ہوا ڈپٹی سپر ٹنڈنٹ کو غصہ آنا فطری بات تھی مگر وہ کچھ متحمل مزاج آدمی تھا اس نے کہا ''سکھ بیر مجھے ذرا یہ کتاب دکھانا جس کو پڑھ کر تم اتنے سخت ہو گئے ہو کہ باپ دادا کا مذہب بھی چھوڑ بیٹھے ہو اور کوئی سختی بھی تم پر اثر نہیں کرتی میں دیکھوں تو سہی اس کتاب میں کیا لکھا ہے''۔

''صاحب آپ کے ہاتھ ناپاک ہیں''۔ سکھ بیر احمد نے جواب دیا۔ میں قرآن شریف آپ کے ہاتھ میں نہیں دے سکتا۔

ہنومان مل اپنا سا منہ لے کر رہ گیا اسے ہندومت میں واپس لانے کے جائز اور ناجائز جتن کئے جاتے رہے مگر وہ سکھ بیر احمد سے سکھ بیر سنگھ بننے پر راضی نہ ہوا۔

اس کی سزا کی اپیل ابھی راجستھان ہائیکورٹ میں چل رہی تھی ابھی فیصلہ نہیں ہوا تھا ۱۹۷۸ء کے موسم گرما میں ہائی کورٹ کا چیف جسٹس ریٹائر ہو گیا نیا چیف جسٹس صوبہ کرناٹک سے تبدیل ہو کر آیا اس کا نام کلوز پٹ ہونیا تھا اور مذہباً عیسائی تھا اس نے راجستھان ہائی کورٹ میں آ کر جو سب سے پہلا فیصلہ کیا وہ سکھ بیر کا تھا۔

جولائی ۱۹۷۸ء کی ایک دوپہر سکھ بیر احمد ظہر کی نماز ادا کر رہا تھا جیل آفس میں کام کرنے والے قیدی کرم سنگھ نے اسے یہ خوش خبری سنائی کہ سکھ بیر ہائی کورٹ نے تمہاری اپیل منظور کر لی ہے اور تم بری کر دیئے گئے ہو آج شام کو تمہیں رہا کر دیا جائے

گا۔ یہ سن کر وہ دوبارہ سجدہ میں گر گیا اور شکرانے کے دو نفل ادا کیے اور پھر وہ کرم سنگھ کو کہنے لگا۔ ''دیکھا تم نے! تمہارے آئی جی صاحب کہتے تھے کہ میں ایک دن کی بھی معافی نہیں دوں گا اور پورے بیس سال سزا کٹواؤں گا میرے سچے رب نے مجھے معافی دے دی ہے کیا اب بھی تم کو خدا کی حقانیت کے بارے میں شبہ ہے؟ تمہارے یہ شیو شنکر صرف مٹی کے بت ہیں''۔ اور اسی شام اسے جیل سے رہا کر دیا گیا۔ علامہ اقبال کا یہ شعر جسے میں کبھی نہیں سمجھ پایا تھا تفسیر کے ساتھ میری سمجھ میں آ گیا۔

چمک اٹھا جو ستارہ ترے مقدر کا
اٹھا کے حبش سے تجھ کو حجاز میں لایا

میں اپنا سب سے بڑا دشمن مسلمان کو تصور کرتا تھا اسی تعصب کو معیار بنا کر میں نے قرآن پاک کا مطالعہ شروع کیا تا کہ مسلمانوں کے کمزور پہلوؤں کو سمجھا جائے۔ لیکن قرآن کی شیرینی اور حقیقت نے میرے اندر اثر کیا جب گندی کتابوں میں اثر ہے تو قرآن جو خدا کی عظیم لاثانی کتاب ہے اس میں اثر کیوں نہ ہوگا۔ بالآخر میں نے ارادہ کیا کہ مخلص مسلمان اور حضورؐ کا سچا پیرو کار بنوں گا مگر یہ کوئی آسان کام نہ تھا اس عظیم مقصد کے لئے مجھے اسکول گھر بار والدین عزیز واقارب پیارے دوست اور اپنا محبوب شہر چھوڑنا پڑا اس کے باوجود مجھے کئی طریقوں سے تنگ کیا گیا باوجود عقل وہوش کے پاگل خانہ میں بھیج دیا گیا۔ جہاں مجھے انتہائی اذیتیں پہنچائی گئیں۔

سنجیت چکر بورٹی سے نور الدین تک

ٹپک اے شمع ! آنسو بن کر پروانے کی آنکھوں سے
سراپا درد ہوں حسرت بھری ہے داستان میری

یہ آج سے چار سال پہلے کی بات ہے میں کلکتہ شہر کے ایک بہترین انگلش میڈیم اسکول میں پڑھتا تھا۔ اور دسویں جماعت کا طالب علم تھا۔ اس وقت میرا ہندوانہ نام سنجیت کے آر چکر بورٹی تھا۔ کلکتہ میرا آبائی شہر ہے۔ اور میرا اشمار اسکول کے قابل ترین طلبہ میں تھا۔ اس وقت میری عمر ۱۸ برس تھی۔ تعلیمی میدان میں محنتی ہونے کے ساتھ ساتھ مذہب سے بھی میرا گہرا لگاؤ تھا۔ کیونکہ ہندوؤں کی برہمن ذات سے میرا تعلق تھا اور یہ ذات ہندوؤں میں سب ذاتوں سے اونچی' متبرک اور ایک طرح سے مذہب کی ٹھیکدار خیال کی جاتی ہے اور اس لئے ہندو مذہب سے میرا تعلق اور لگاؤ ایک طبعی امر تھا۔ اس لیے جوں جوں اسکول سے میری فراغت کا زمانہ قریب آتا گیا' اس قدر مجھے اس بات کا احساس زیادہ ہوتا گیا کہ فراغت کے بعد میں بحیثیت ہندو مذہب کے ایک پیروکار کے کس صورت میں زیادہ سے زیادہ اپنے مذہب کی خدمت کرسکوں گا۔ اپنے ہندو بزرگوں سے میں نے سنا تھا اور وہ ہمیشہ یہ نصیحت کرتے تھے کہ ہمارے سب سے بڑے دشمن مسلمان ہیں۔ جہاں تک تمہارا بس چلے ان کی مخالفت اور دشمنی پر ڈٹے رہو۔ چنانچہ میں نے بھی ارادہ کرلیا کہ اپنی ساری زندگی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جدوجہد میں گذارنی ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ پھر میں نے سوچا کہ اسلام کے خلاف تب کوئی ردعمل کامیاب ہوسکتا ہے جب اسلام کا مطالعہ کیا جائے اور اس کے کمزور پہلوؤں کو سمجھ لیا جائے۔ تب میں نے قرآن پاک کا

انگریزی ترجمہ ذاتی طور پر پڑھنا شروع کیا۔ اور یہی میرے ایمان لانے کا سبب بنا۔ کہتے ہیں کہ صحبت کا اثر ہوتا ہے ان دنوں میری مجلس اور صحبت اکثر قرآن کے ساتھ رہتی تھی اور جب کافر اور گناہ گار لوگوں کی لکھی ہوئی، گندی کتابوں کے پڑھنے میں اثر ہے تو خدا کی عظیم اور لاثانی کتاب پڑھتے میں کیونکر اثر نہیں ہوگا جو تمام سچی کتابوں کی سردار ہے اور اس سے بڑھ کر سچی، صحیح اور ابدی کتاب کوئی نہیں۔ اب میں متاثر ہونے لگا اور کافی متاثر ہو بھی گیا تھا۔ خدا کا بھی عجیب قانون ہے اور اس کی بھی عجیب شان بے نیازی ہے جب وہ اپنی شان فیاضی پر آتا ہے تو پھر اس کے نزدیک اہلیت کوئی معنی نہیں رکھتی، پھر وہ جاہل اور نااہل سب کو دیتا ہے۔ مجھ میں تو کوئی خوبی نہیں تھی بلکہ اس وقت شر ہی شر تھا۔ مگر یہ اس ذات کی بے نیازی کی حد ہے کہ اس کریم ذات نے شاید میری ہدایت کا فیصلہ فرمالیا تھا اور اب کسی بہانے کی ضرورت تھی۔

یہ اپریل کے آخری ایام کا کوئی دن تھا میں نے روز کے معمول کے مطابق قرآن پاک لیا اور مطالعہ کرنے بیٹھ گیا گو اب میرے پہلے والے اور اس مطالعہ میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ وہ مطالعہ اسلام کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی ناکام اور مذموم کوشش کے طور پر تھا اور یہ مطالعہ اسلام کی ہمدردی کے لیے تھا۔ میں نے قرآن مطالعے کے لیے لیا اور آج جہاں سے میرا مطالعہ شروع ہو رہا تھا وہ قرآن کریم کی یہ آیت تھی۔

" واذ قال ابراهيم لابيه آذر اتتخذ اصناما الهة انى اراك وقومك فى ضلال مبين (سوره انعام)

اور جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ کیا آپ بتوں (جیسی بے جان چیز) کو معبود ٹھہراتے ہیں بلاشبہ میں تجھے اور تیری قوم کو صریح گمراہی میں دیکھتا ہوں۔

یہ گمراہی کو چھوڑنے کے لیے دعوت کی ابتداء تھی اور اس دعوت سے جب قوم یہ عبادت نہیں چھوڑتی تو پھر ایک ترکیب کے ذریعہ اپنی قوم کو سمجھاتے ہیں۔

''پس جب رات کا اندھیرا چھا گیا تو ایک ستارہ کو دیکھ کر کہا کہ چلو تمہارے زعم میں یہ میرا رب ہے۔ پس جب وہ چھپ گیا تو کہا چھپنے والوں کو میں پسند نہیں کرتا۔ (سورہ انعام)

اس کے بعد مزید وضاحت کے لیے چاند کے نکلنے پر اسے ان کے زعم کے مطابق رب کہا، مگر جب وہ بھی ڈوب گیا تو اس کے رب ہونے سے انکار کر دیا اور پھر اگلی مثال میں تو وضاحت اور سمجھانے کی انتہا ہوگئی، اس مثال میں جب سورج طلوع ہوتا ہے تو کہتے ہیں ہو نہ ہو یہی سب سے بڑا رب ہوسکتا ہے۔ مگر جب وہ بھی غروب ہوتا ہے تو پھر قوم کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ جس چیز کو تم رب سمجھتے تھے وہ ایک ختم ہونے والی اور ناپائیدار ہے اور خدا کی ذات ختم ہونے والی نہیں۔

یہ ہندو مذہب پر براہ راست ایک کاری ضرب اور زبردست حملہ تھا۔ تب میں نے سوچا کہ ہم نے بھی تو اس طرح کے کئی بت دیکھے ہیں جن کو ہم پوجتے ہیں اور وہ ہماری زندگی میں ہی ختم ہو جاتے ہیں بھلا جو ہم سے پہلے ختم ہو جائے وہ کیسے رب ہوسکتا ہے۔ وہ کیسے اس عظیم عالم کا سنبھالنے والا ہوسکتا ہے۔ اس وسیع و عریض کائنات کو چلانے کے لیے تو اس سے کئی گنا زیادہ عظیم خدا چاہیے جو نہ تھکتا ہو نہ مٹتا ہو اور نہ اس کی علوالشان و عظیم المرتبت ذات میں کچھ فرق آتا ہو

اب میرے دل کی دنیا بدل گئی تھی۔ کفر و شرک سے نفرت اور اسلام کی محبت نے دل میں جگہ پکڑ لی تھی اور اب مجھے کوئی آخری اقدام اور فیصلہ کرنا تھا کہ مجھے اب کیا کرنا ہے۔ خوش قسمتی سے یہ بھی میرے لیے اس دن کے سبق میں موجود تھا۔ اس میں لکھا تھا:

" انی وجهت وجهی للذی فطر السموٰت والارض حنیفا وما انا من المشرکین " (سورہ انعام)

''اب میں نے اپنا منہ اس ذات کی طرف پھیر دیا ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے اور یہ کہ میں اب مشرکین میں سے نہیں ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر حقیقت کھول دی تھی' حق ظاہر ہو گیا تھا اور باطل کا منہ کالا ہو گیا تھا۔ چنانچہ اب میں نے ارادہ کر لیا کہ میں ایک مخلص مسلمان اور حضور ﷺ کا سچا پیروکار بنوں مگر یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ اس عظیم مقصد کے لیے مجھے اسکول چھوڑنا پڑا' گھر بار' والدین' عزیز و اقارب' پیارے دوست اور اپنا محبوب شہر چھوڑنا پڑا کیونکہ اس ماحول میں رہتے ہوئے میں مسلمان نہیں رہ سکتا تھا۔ اور میں ان چیزوں کو کیوں نہ چھوڑتا کہ جس عظیم چیز کے لیے میں یہ سب کچھ چھوڑ رہا تھا وہ ان سب سے زیادہ اونچی' قیمتی اور ضروری تھی۔ تب میں ہندوستان کے دارالخلافہ دہلی آیا اور ۴ مئی ۱۹۸۲ء، ۱۴ رجب ۱۴۰۲ھ کو دہلی کی جامع مسجد میں کلمہ شہادت پڑھ کر عظیم اسلامی برادری میں شامل ہوا۔ وہ دن میرے لئے بڑی خوشی کا دن تھا کیونکہ میں نے ایک عظیم مقصد کو پا لیا تھا۔ پھر میں نے آہستہ آہستہ نماز سیکھی اور ایک قریبی مسلم علاقہ میں رہنے لگا۔

مسلمان ہونے کے بعد جلد ہی رمضان المبارک کا مہینہ آ گیا اور میں نے الحمدللہ تمام روزے رکھے۔ اس مسلم علاقے میں میں نے تین مہینے گذارے' کچھ وقت تبلیغی جماعت کے ساتھ گذارا' جس سے بہت زیادہ فائدہ ہوا' مگر پھر بھی میں یہاں ایک قسم کا روپوش رہا' کیونکہ اگر میرے بارے میں ہندوؤں کو پتہ چل جاتا تو وہ مختلف طریقوں سے مجھے تنگ کرتے مگر میں نے کسی کو پتہ نہیں ہونے دیا اور اس وجہ سے جن لوگوں نے مجھے پناہ دی تھی ان کو بھی میرے رکھنے کی وجہ سے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔

پھر مجھے خیال آیا کہ میں اسکول میں آخری سال کا طالب علم ہوں اور مجھے اپنی تعلیم مکمل کر لینی چاہیے۔ اس غرض کے لیے میں ۸۔ اگست ۱۹۸۲ء کو کلکتہ آیا اور Sic امتحان میں بیٹھنے کے لیے درخواست دی جس میں اپنی ۳ مہینے کی مسلسل غیر حاضری کی

صحیح اور مکمل تفصیلات لکھ دیں۔ یہ بات ملحوظ رہے کہ انڈیا ایک سیکولر اسٹیٹ ہے اور وہاں از روئے قانون کوئی انسان بھی کوئی سا مذہب اختیار کرسکتا ہے۔ اس لیے قانونی طور پر ہندوستانی حکومت نہ مجھے تعلیم سے روک سکتی تھی اور نہ ہی کسی طرح تنگ کرسکتی تھی، تاہم قانونی حدود سے نکل کر انہوں نے مجھے سیاسی طور پر دباؤ میں رکھا اور مجھے آج تک کسی امتحان میں شریک نہیں ہونے دیا۔

اس کے علاوہ دسمبر ۱۹۸۳ء سے فروری ۱۹۸۴ء تک مجھے مقامی پولیس نے ناجائز اور غیر قانونی طور پر اپنے قبضہ میں رکھا اور مجھ پر مظالم ڈھائے بعد میں میں نے عدالت میں کیس جیت لیا اور یوں عدالت کے حکم پر مجھے مقامی پولیس کے دباؤ اور ڈرانے دھمکانے سے قانونی طور پر نجات مل گئی۔ مگر کچھ ہی دنوں بعد میرے خلاف میرے رشتہ داروں اور دوستوں نے یہ دعویٰ دائر کردیا کہ میں پاگل ہوں اور اس لیے میں نے اسلام قبول کیا ہے۔ چنانچہ ۱۶ مارچ اور ۱۵ مئی ۱۹۸۴ء کے دوران مجھے باوجود عقل وہوش کے زبردستی پاگل خانہ بھیج دیا گیا جہاں مجھے انتہائی تکلیفیں دی گئیں۔ مجھے ہر آٹھویں دن پانچ ذہنی جھٹکے دیئے جاتے اور کل تین انجکشن لگائے گئے اور جب مجھے فارغ کردیا تو میں نیم پاگل ہوگیا تھا اور انتہائی کمزور اور نحیف ہوگیا تھا۔

کلکتہ کے مسلمان یہ سب کچھ جانتے تھے مگر انہوں نے میری کچھ مدد نہیں کی ایک تو وہ کچھ مجبور تھے۔ مگر جوان کے قدرت میں تھا وہ بھی نہ کرپائے وہ مجھے صبر واستقامت کی تلقین کرتے تھے اور میں محسوس کرتا تھا کہ خدا کی اتنی بڑی زمین پر صرف میں مسلمان ہوں۔

پاگل خانہ سے رہائی کے پندرہ دن بعد یکم جون کو رمضان شروع ہورہا تھا اور میں اتنا کمزور تھا کہ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں دیکھ پاتا تھا۔ اس لیے میں نے خدا سے دعا کی کہ وہ مجھے اس کی ہمت بھی دے اور اس کے اسباب بھی مہیا فرمائے یہ میری اس نئی

زندگی کا تیسرا رمضان تھا اور پھر جب خدا نے میرے ذہن میں ڈالا تو میں قریبی مسلم آبادی میں چلا گیا ایک گاؤں میں نماز عصر کی ادائیگی کے بعد میں نے امام مسجد سے مختصراً اپنی ساری داستان سنادی اور درخواست کی وہ مجھے رمضان المبارک میں اپنے ہاں اعتکاف کی اجازت دیں، چونکہ وہ مجھے جانتے تھے۔ اس لیے انہوں نے انکار نہیں کیا اور میں نے پورا رمضان وہاں گذارا۔ امام صاحب نے میری خورد ونوش اور دیگر ضروریات کا پورا رمضان خیال رکھا اور پھر عید الفطر بھی میں نے وہاں ہجرت کی حالت میں گذاردی عید کے بعد جولائی کا مہینہ جو اسلامی مہینوں کے مطابق شوال بنتا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ حکومت ہند مجھے اپنی تعلیم جاری رکھنے کی اجازت نہیں دے گی۔ اس لیے میں نے اسلامی علوم سیکھنے کا ارادہ کرلیا اور دنیا کے اس مشہور دارالعلوم یعنی دارالعلوم دیوبند میں آکر ابتدائی دینیات میں داخلہ لے لیا یہاں میں نے قرآن عربی الفاظ اور ہجوں کے ساتھ سیکھا۔ نیز اردو رسم الخط اور دین کے بنیادی عقائد ومسائل سیکھے۔ میں یہاں اپنی دینی تعلیم مکمل کرلینا چاہتا تھا مگر مجھے ڈر تھا کہ متعصب ہندو مجھے یہاں بھی آرام سے نہیں چھوڑیں گے اور میری تعلیم ادھوری رہ جائے گی۔ اس لیے میں نے عرب اور دیگر اسلامی ممالک کے سربراہوں کے نام خطوط ارسال کردیے۔ جن میں ان سے درخواست کی ہے کہ وہ مجھے اپنے ہاں کی اسلامی یونیورسٹی میں داخلہ دیں۔ اور یہ بھی میری اپنے دین کی حفاظت کے لیے ایک قسم کی ہجرت ہوگی۔

یہ عجیب بات ہے کہ اکثر دوست مجھے چھپے رہنے کی تلقین کرتے ہیں کہ اس طرح میں محفوظ رہوں گا مگر میں کہتا ہوں کہ جب دین حق ہے اور وہ تمام دنیا کی رہنمائی کے لیے بھیجا گیا ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں تمام ملل ادیان باطل ہیں تو پھر کیونکر میں چھپا رہ سکتا ہوں۔ میں پوری دنیا کے سامنے اس کا اعلان کروں گا اور کسی ظالم کے ظلم یا کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں دبوں گا اور اس لیے میں نے اپنے اسلامی

نام کے ساتھ اپنے پرانے ہندو نام کا ایک جزو باقی رکھا ہے یعنی سنجیت نور الدین تا کہ معلوم ہو کہ یہ ہندو مسلمان ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسلام پر استقامت اور عمل پیرا ہونے کی توفیق دے۔

میں نے کہا'' میں تمہارے کسی بھگوان کو نہیں مانتا اور نہ مجھے تمہارے سی بھگوان کی خوشی اور ناراضگی کی پروا ہے تمہارا بھگوان اپنے اوپر بیٹھی ہوئی مکھی تو اڑا نہیں سکتا' میرا کیا بگاڑے گا'' ذلیل کمینے ہمارے سامنے ہمارے بھگوان کی شان میں گستاخی کرتا ہے میں تمہاری ہڈی پسلی ایک کر دوں گا۔ تھانے دار چیخا! مجھے زمین پر لٹا دیا گیا اور ڈنڈوں سے پٹائی شروع ہوگئی تشدد نا قابل برداشت تھا لیکن میں ذہنی طور پر اس تشدد کے لیے تیار ہو چکا تھا کہ یہ میرے ایمان کی آزمائش کا وقت ہے یہ وہی آزمائش کی بھٹی ہے جس میں سے حضرت بلالؓ حضرت صہیبؓ اور حضرت خبیبؓ جیسے صحابی گزر کر سونا بنے تھے مجھے آج انہی کی سنت پر چلنا ہے۔ ہر چوٹ پر میری زبان سے آہ کے ساتھ نکلتا'' یا اللہ میری مدد کر''۔

گنگا سے زم زم تک

لِلّٰہ نہ زخم دل چھیڑو، کچھ اور خلش بڑھ جائے گی
اے چارہ گروبس رحم! اس زخم کا مرہم مشکل ہے
ہوں سہل حوادث لاکھ مگر میں ہوں کہ اُلجھتا جاتا ہوں
یہ سر ہے تیرے سودائی کا آلام سے ہو خم مشکل ہے

ہمارے گاؤں میں زیادہ تر گھر مسلمانوں کے تھے اور تبلیغی جماعت والے وہاں تبلیغ کرنے اکثر آیا کرتے تھے۔ سات آٹھ سال کی عمر میں میرا ان سے واسطہ پڑا میرے والد کی پرچون کی دکان تھی۔ وہ مجھ سے کہتے کہ میں تبلیغی جماعت والوں کی خدمت کروں تا کہ وہ اپنی ضرورت کے لیے سودا سلف ہماری دکان سے خریدیں اپنے والد کی اس ہدایت کے مطابق میں ان لوگوں کے ساتھ رہتا۔ ان کے لیے پانی بھر کر لاتا اور انہیں لکڑیاں خرید کر دیتا۔ ان کا رہبر بن کر ان کے ساتھ مسلمانوں کے گھر جاتا۔ ان کے علاوہ بھی جو کام وہ کہتے میں کرتا۔ تبلیغی جماعت والے اس سے بہت خوش ہوتے اور مجھے شاباش دیتے۔ میرا نام پوچھتے میں نام بتاتا کہ میرا نام رام چندر ہے تو سن کر تعجب کا اظہار کرتے۔ وہ کہتے کہ حیرت ہے اس گاؤں میں مسلمان ہمارے ساتھ تعصب کا مظاہر کرتے ہیں جبکہ ایک ہندو بنیئے کا بچہ ہمارے ساتھ اتنا تعاون کرتا ہے نتیجتًا وہ لوگ بھی ہماری دکان سے سودا سلف خریدتے۔ بیماری کے وقت ہم لوگ ان سے تعویذ بھی لیتے اس طرح مجھے تبلیغی جماعت والوں کے قریب آنے کا مسلسل موقع ملتا رہا۔

گاؤں کی اکثریت مسلمانوں کی تھی' اس لیے مسلمانوں کے رسم ورواج میرے

لیے کوئی نئے نہ تھے مگر تبلیغی جماعت والوں سے جب واسطہ پڑا تو میں شعوری طور پر مسلمانوں کی طرف کچھ زیادہ ہی توجہ دینے لگا۔ ان کے متعلق میری سوچوں کے دائرے پھیلتے چلے گئے۔ اتنی چھوٹی عمر میں مجھ پر یہ اللہ تعالیٰ کا خاص کرم اور احسان تھا جس نے میرے ذہن کو اسلام کے بارے میں سوچنے پر لگا دیا ورنہ سب جانتے ہیں یہ عمر غور وفکر کی نہیں بلکہ صرف اور صرف کھانے پینے اور شرارتیں کرنے کی ہوتی ہے۔

میں نے جب پہلی بار تبلیغی مسلمانوں کو اکٹھے بیٹھ کر ایک ہی برتن میں کھانا کھاتے دیکھا تو مجھے بڑی حیرانی ہوئی۔ ہم ہندوؤں میں اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھانے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ وہاں تو چھوت چھات کا رواج ہے۔ جب میں نے پہلے دن تبلیغی جماعت والوں کو اکٹھے کھاتے دیکھا تو میرا خیال تھا کہ ایک دوسرے کی بیماریاں ان سب کو لگ جائیں گی اور کل وہ لوگ بیمار ہو جائیں گے۔ دوسرے دن میں انہیں غور سے دیکھتا رہا' مگر ان میں سے کوئی بھی بیمار نہ تھا۔ وہ جتنے دن بھی رہے تندرست رہے مگر مجھے حیرانیوں اور پریشانیوں میں ڈال گئے۔ میں اپنے والدین سے پوچھا کرتا تو وہ ٹال جاتے مگر میں سوچتا رہتا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہندو اکٹھے کھائیں تو انہیں ایک دوسرے کی بیماریاں لگ جائیں مگر مسلمانوں کو کچھ بھی نہ ہو۔ میں ابھی انہی سوچوں میں گم اپنے ذہن میں اٹھنے والے سوالوں کے جواب ڈھونڈ رہا ہوتا کہ دوسری تبلیغی جماعت آ جاتی اور وہ میرے ذہن میں اسلام کی کوئی اور بات ڈال جاتی۔ تبلیغی جماعت کے جانے کے بعد میں ان کی بتائی ہوئی باتوں کا مقابلہ اپنے مذہب سے کرنے لگ جاتا مگر میرا چھوٹا سا ذہن کسی نتیجے تک نہ پہنچ پاتا۔ یہ باتیں میرے ذہن میں گردش کرتی رہتیں مگر زبان پر نہ آتیں۔

میں عجیب کشمکش میں مبتلا تھا مجھے ہندومت سے محبت تھی' پیار تھا' عشق تھا۔ ہندومت میرا ایمان تھا۔ مجھے اپنے دیوتاؤں اور بھگوان کی مورتیاں اپنی جان سے بھی

زیادہ عزیز تھیں لیکن تبلیغی جماعت والوں کی باتیں مجھے پریشان کر دیتیں۔ میں فیصلہ نہ کر پاتا کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا۔ انہی سوچوں میں دن گزرتے رہے۔

ہمارے گاؤں کے اکثر لوگ شیعہ تھے۔ محرم میں وہ تعزیے نکالتے ہندو عورتیں بھی تعزیوں کو بہت مانتی تھیں۔ جن کے ہاں اولاد نہ ہوتی وہ تعزیوں کے نیچے سے گزرتیں' منتیں مانتیں اور نذرانے پیش کرتیں۔ میں بھی ان ہی کی دیکھا دیکھی تعزیے کے جلوسوں میں شریک ہوتا اور ان لوگوں کی آواز میں آواز ملا کر مرثیے پڑھتا۔

ہمارے گاؤں سے کوئی سوا کلومیٹر دور چمبریا گاؤں کے قریب شنکر مندر تھا جہاں میں اکثر جایا کرتا۔ وہاں کرشن اور گائے ماتا کی مورتیاں بھی رکھی ہوئی تھیں گائے ماتا کا منہ اور سری کرشن کا پاؤں آپس میں ملتے تھے۔ عورتیں دودھ لاتیں اور دونوں کے چرنوں میں ڈالتیں۔ سادھو دودھ اکٹھا کر کے فروخت کر دیتے۔

تبلیغی جماعت والے اسلام کی نئی نئی باتیں میرے ذہن میں ڈالتے اور جب میں پریشان ہونے لگتا تو مندر چلا جاتا مگر وہاں بھی ذہن کو سکون نہ ملتا مجھے ایسے محسوس ہوتا کہ میں جنگل میں بھٹک رہا ہوں۔ دور سے کسی کی آواز سنائی دیتی ہے۔ میں آواز کی طرف بھاگنا چاہتا ہوں مگر کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا۔ مزید پریشان ہو جاتا ہوں۔

میرے ماں باپ مجھے شری کرشن' رام چندر، بعد میں لچھمن' سیتا اور سادھوؤں کی کہانیاں سنایا کرتے۔ کبھی میں وہ کہانیاں سن کر جھوم اٹھتا تھا اور وہ بہت اچھی لگتی تھیں' میں اپنی والدہ اور دادی سے یہ کہانیاں سننے کی بار بار فرمائش کرتا تھا مگر اب یہ کہانیاں کوئی سناتا تو مجھے اچھی نہ لگتیں۔ مجھے مسلمانوں کے نبی حضرت محمد ﷺ کی سیرت اور حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ بن الخطاب' عثمانؓ حضرت علیؓ' حضرت حسنؓ اور حسینؓ کے واقعات بہت اچھے لگتے جب تبلیغی جماعت والے یا دوسرے مسلمان یہ واقعات بیان کرتے تو میں بڑے غور سے سنتا۔ میرے دل میں ان ہستیوں کے لیے ایک محبت اور

عقیدت پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ میں تفصیل سے جاننا چاہتا تھا کہ یہ لوگ کون تھے۔ میں اپنے مذہب پر غور کرتا تو پریشان ہو جاتا۔ میں ڈرتا کہ اگر میرے بھگوان کو میرے خیالات کا پتہ چل گیا تو وہ مجھے جلا کر بھسم کر دے گا۔ میں خیالات کو ذہن سے نکالنے کی کوشش کرتا مگر ناکام رہتا۔ یہ کشمکش جو آٹھ سال کی عمر میں شروع ہوئی وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی چلی گئی۔

ہمارے گاؤں سے دو کلومیٹر دور بڑا گاؤں بازار ہے۔ میں وہاں کے پرائمری اسکول میں پڑھتا تھا میرے ہم جماعت زیادہ تر مسلمان تھے۔ ان میں جعفر علی بھی تھا جو میرا دوست تھا۔ اسی اسکول میں میرے گاؤں کے ایک استاد نسیم صاحب بھی پڑھاتے تھے۔ میں جعفر علی سے اسلام کے بارے میں معلومات لینے لگا۔ وہ میری ہی طرح کم عمر تھا مگر اسلام کے بارے میں کافی معلومات رکھتا تھا۔ وہ اکثر اسلام کے متعلق مجھے بتاتا اور میں بھی اس سے طرح طرح کے سوالات پوچھتا رہتا' کبھی کبھی وہ ماسٹر نسیم صاحب سے میرے سوالات کے جواب پوچھ کر دیتا۔

پرائمری اسکول کے بعد میں اور جعفر جونیئر مڈل اسکول گھوسی میں آ گئے۔ یہاں بھی ایک مسلمان استاد عبدالغنی صاحب تھے۔ یہ مدھوبن گاؤں کے رہنے والے تھے۔ جعفر علی' عبدالغنی صاحب کا رشتے دار بھی تھا۔ اس نے میرے بارے میں عبدالغنی صاحب کو بتایا تو انہوں نے مجھ میں خصوصی دلچسپی لینی شروع کر دی انہوں نے اسلام کے متعلق میری معلومات میں خاطر خواہ اضافہ کیا۔

مجھے معلوم تھا کہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ خدا صرف ایک ہے۔ میں سوچتا ہندو بھی تو کہتے ہیں کہ بھگوان ایک ہے۔ پھر مسلمانوں کے اللہ اور ہندوؤں کے بھگوان میں ناموں کے سوا کیا فرق رہ جاتا ہے۔ میں نے یہی سوال ایک دن جعفر اور عبدالغنی صاحب سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ مسلمان اس خدا کو مانتے ہیں جس نے اس

پوری کائنات کو بنایا' پھر انسان کو پیدا کیا اور اس کی ضرورت اور خدمت کے لیے جمادات' نباتات اور حیوانات پیدا کیے۔ مسلمان اس خدا پر ایمان رکھتے ہیں جو سورج اور چاند کی گردش کو کنٹرول کرتا ہے اور آسمان سے بارش برساتا اور ہوائیں چلاتا ہے۔ اسے اونگھ نہیں آتی۔ وہ خود کسی کی اولاد ہے نہ اس کی کوئی اولاد ہے۔ وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ اور اسے کسی مٹی یا پتھر کے بت میں قید نہیں کیا جا سکتا۔ وہ اتنی قوت والا ہے کہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں بلکہ سب اس کے محتاج ہیں۔ وہ انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نکالنے کے لیے انبیاء بھیجتا ہے اور انسانوں کو سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ لیکن ہندو جن' مٹی' پتھر اور لکڑی کے بتوں کو بھگوان سمجھ کر پوجتے ہیں' وہ سب انسان کے اپنے ہاتھوں کے تراشے ہوئے ہیں۔ یہ سب انسان کی تخلیق ہیں اور خالق ہمیشہ اپنی مخلوق سے اعلیٰ وارفع ہوتا ہے اور اعلیٰ کبھی ادنیٰ کے سامنے نہیں جھکتا۔ اس لحاظ سے بھی انسان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے ہی ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں کے سامنے سجدہ ریز ہو۔ پھر ہندو جن بتوں کو بھگوان اور ایشور کا درجہ دے کر خدا کی طرح ان کی پوجا کرتے ہیں' ان کے اندر اتنی بھی سکت نہیں کہ وہ اپنے اوپر بیٹھی ہوئی کسی مکھی کو بھی اڑا سکیں یا کسی ایک تنکے ہی کو تخلیق کر سکیں۔ پھر بھگوان اور ایشور کی مورتیوں کی چوریاں بھی ہوتی ہیں اور وہ اپنی چوریاں بھی نہیں روک سکتیں' اس لیے یہ بھگوان یا ایشور کے بت خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔ حقیقی خدا تو وہ ہے جس کی مرضی سے درخت کا ایک پتا بھی نہیں ہل سکتا اور جس کے تخلیق کردہ اس نظام میں بھگوان ایشور کے سارے بت مل کر بھی کوئی تبدیلی نہیں لا سکتے۔ کیا بھگوان یا ایشور کے یہ بت کبھی سورج مغرب سے طلوع کر سکتے ہیں؟ کیا وہ بارش برسا سکتے ہیں؟ وہ تو اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی انہیں گندے نالے میں پھینک دے تو وہ باہر نہیں نکل سکتے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

''اگر آسمان اور زمین میں ایک اللہ کے سوا کوئی اور معبود بھی ہوتے تو زمین وآسمان درہم برہم ہوجاتے''۔(سورہ الانبیاء)

ان کی اس گفتگو نے میرے ذہن کے دریچے کھول دیے تھے اور میرے سوچنے کی راہیں اور وسیع ہوگئی تھیں مگر صراط مستقیم سے میں ابھی بھی بہت دور تھا۔

جعفر علی اور عبدالغنی صاحب کی گفتگو کے بعد میں سوچتا تو مجھے اپنا مذہب ایک فریب نظر آتا۔ ہندوؤں کی ایک ایک رسم اور عبادت کے مناظر میرے ذہن میں فلم کی طرح چلنے لگتے۔ کس طرح لڑکیاں لڑکے مل کر ہولی اور دیوالی کے تہواروں میں غیرت کا جنازہ نکالتے ہیں۔ گن پتی کے دن ہندو اپنے دیوتاؤں کا کیا حال کرتے ہیں۔ وہ مٹی کے بھگوان بناتے' ایک ہفتہ ان کی پوجا کرتے اور پھر گن پتی کے دن پتھر اور مٹی کے اپنے ان خداؤں کو دریاؤں اور سمندر میں پھینک دیتے وہ مٹھائی کے بھگوان بنا کر لاتے' کوئی اپنے اس مٹھائی سے بنے ہوئے بھگوان کی ناک اتار کر کھانے لگتا' کوئی کان' کوئی دانت اور کوئی دوسرا حصہ کھا رہا ہوتا اور یہ بھگوان اپنے ان پجاریوں سے اپنے آپ کو بچا نہ سکتے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر مجھے یقین آنے لگتا کہ جعفر صحیح کہتا ہے کہ جو اپنی حفاظت نہیں کر سکتے وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں اور پھر ہم ان کی پوجا کیوں کریں۔ یقیناً جعفر کا خدا ہی حقیقی خدا ہے اور وہی پوجا کے لائق ہے' لیکن نہ جانے لاشعوری میں ابھی تک ان بتوں کا خوف میرے دل کو گھیرے ہوئے تھا اور یہ خوف زبان سے ایک لفظ بھی ان بتوں کے خلاف نہیں نکلنے دیتا تھا۔ ایک طرف دل جعفر کے خدا کی سچائی کی گواہی دینا چاہتا تھا تو دوسری طرف پنڈتوں' سادھوؤں اور والدین کے کرشن ایشور' بھگوان اور دوسرے دیوتاؤں کے بارے میں سنائے ہوئے مافوق الفطرت واقعات ذہن میں گھومنے لگتے اور میں ڈر جاتا' سچائی کی روشنی میرے دل ودماغ میں جلتی اور بجھتی رہتی۔

میری عجیب کیفیت تھی۔ رات دن میرے ذہن میں بھگوان اور خدا کے تصور گڈمڈ ہوتے رہتے جعفر مجھے اکثر اسلام کے بارے میں بتاتا رہتا۔ ماسٹر نسیم اور عبدالغنی صاحب بھی کبھی کبھی اسلام کے بارے میں بتاتے۔ جعفر مجھے اپنے نبیوں کے قصے سناتا۔ ایک دن اس نے مجھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ سنایا کہ وہ بت پرست قوم میں پیدا ہوئے اور اُن کا باپ آزر خود بت بنایا کرتا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام انسانی ہاتھوں کے بنائے ہوئے ان بتوں کو خدا نہیں مانتے تھے۔ ایک رات اور دن کو وہ ستاروں، چاند اور سورج کو طلوع اور غروب ہوتے دیکھ کر کس طرح ان کے خدا ہونے کے اقرار و انکار کی کیفیت سے گزرے۔ جعفر نے یہ سارا واقعہ تفصیل سے سنایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ سننے کے بعد مجھے محسوس ہونے لگا کہ ایک دن یقیناً میں بھی سچائی کو پالوں گا۔

میں میٹرک میں تھا جب جعفر علی اور عبدالغنی صاحب کے کہنے پر میں نے اسلامی کتب کا مطالعہ شروع کیا۔ قرآن مجید کا ہندی ترجمہ 'موت کا منظر' مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ قیامت کب آئے گی؟ وغیرہ کتب کا مطالعہ کیا۔ کلمہ طیبہ' کلمہ شہادت اور آیت الکرسی تو میں نے زبانی یاد کر لی۔

جب کوئی مشکل پیش آتی یا خوف کی فضا ہوتی تو میں دل ہی دل میں کلمہ طیبہ پڑھتا اور اللہ سے مدد مانگتا' مجھے یاد ہے جس رات سکائی لیب گرنے کا واقعہ ہونے والا تھا میرے والدین بتوں کی پوجا کر رہے تھے اور میں دل ہی دل میں رات بھر کلمہ طیبہ پڑھتا رہا۔

جن دنوں میں اسلامی کتب اور قرآن مجید کا مطالعہ کر رہا تھا' مجھے رات کو خواب میں اکثر ایک بزرگ نظر آتے۔ بزرگ کی سفید داڑھی اور چہرے پر ایک نور ہوتا میں اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا۔ خواب میں اگر میں گھبرا جاتا تو وہ مجھے تسلی دیتے اور

کہتے: ''اے راہ حق کے مسافر! کامیابی کے لیے تجھے ابھی آگ کے دریا میں سے گزرنا ہوگا' ایمان کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رکھو 'مشکلات میں صبر اور ہمت سے کام لوگے تو آگ کے دریا سے بسلامت گزر جاؤ گے''۔

مجھے ان کی باتیں اس وقت سمجھ میں نہ آتی تھیں کہ یہ آگ کا دریا کیا ہے اور ایمان کی رسی کیا ہے لیکن بعد میں جب واقعی آگ کے دریا آئے تو ساری باتیں سمجھ میں آ گئیں۔

۸۲۔ ۱۹۸۱ء میں ضلع اعظم گڑھ میں تقریباً دس ہزار کی تعداد میں شودر مسلمان ہوئے تھے ۱۹۸۳ء میں بھی مسلمان ہونے والے شودروں کی تعداد بہت زیادہ رہی۔ یہ سب کچھ ہندوؤں کے تعصب اور چھوت چھات کی وجہ سے ہو رہا تھا۔

میں بھی ذہنی طور پر مسلمان ہونے کے لیے بالکل تیار تھا لیکن گھر والوں' پنڈتوں اور دوسرے ہندوؤں سے ڈرتا تھا کہ وہ مجھے بہت ماریں گے۔ شودر جو مسلمان ہو رہے تھے ان کے تو پورے پورے خاندان اور برادریاں مسلمان ہو رہی تھیں۔ اس لیے انہیں تو کسی قسم کا ڈر نہیں تھا جبکہ میرے ساتھ یہ معاملہ نہیں تھا۔ گاؤں کے دوسرے افراد کے مسلمان ہونے کے واقعات میرے سامنے تھے کہ مسلمان ہونے کے بعد کس طرح ان پر ظلم وتشدد ہوا۔

۱۹۷۷ء کا واقعہ ہے کہ ایک دن میں اسکول سے واپس آ رہا تھا کہ راستے میں ایک جگہ لوگوں کا مجمع دیکھا۔ قریب پہنچا تو دیکھا کہ کسی شخص کو جلایا گیا ہے۔ اب وہاں صرف لکڑیوں کا دھواں اٹھ رہا تھا' لیکن گاؤں میں تو کوئی ہندو نہیں مرا تھا اور یہ ہندوؤں کے جلانے کی جگہ بھی نہیں تھی۔ یہاں کسے جلایا گیا ہے؟ میں نے وہاں کھڑے کئی افراد سے پوچھا مگر مجھے کوئی جواب نہ ملا۔ بعد میں پتہ چلا کہ ۲۰ سالہ لڑکی تھی۔ جب یہ کالج میں پڑھتی تھی تو ایک مسلمان طالب علم سے اس کا رابطہ ہوا۔ اس

کے ذریعے اس نے اسلام کا مطالعہ کیا۔ اسلامی کتب کا مطالعہ کرنے اور اس طالب علم سے بحث و مباحثے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچی کہ اسلام ہی صراط مستقیم اور راہ نجات ہے۔ اس نے اسلام قبول کرلیا مگر اپنے مسلمان ہونے کو خفیہ رکھا۔ بی اے پاس کرنے کے بعد وہ گھر میں رہ رہی تھی کہ ایک دن گھر والوں نے اسے نماز پڑھتے دیکھ لیا۔ اس پر تشدد کا ہر طریقہ آزمایا گیا تا کہ وہ اسلام چھوڑ کر دوبارہ ہندو ہو جائے۔ اس لڑکی نے سوچ سمجھ کر اسلام قبول کیا تھا' اس لیے ہر قسم کا تشدد برداشت کیا مگر اسلام کو چھوڑنا قبول نہ کیا۔

جب گھر والے اور ہندو پنڈت مایوس ہو گئے تو اسے گاؤں سے باہر لے جایا گیا اور کرسی سے باندھ کر زندہ جلا دیا گیا۔ وہ زندہ جل کر شہید ہو گئی اور ہندو اس قدر ظلم و تشدد کے باوجود اس کے قدم راہ حق سے ایک انچ بھی پرے نہ ہٹا سکے۔ وہ ایسی چٹان تھی جسے باطل اپنے سامنے جھکا نہ سکا۔

ایک اور آدمی لطیف الرحمٰن جو غالب پور کا رہنے والا تھا' اس کا انجام بھی میرے سامنے تھا۔ جب وہ مسلمان ہوا تو اس کے گاؤں کی ہندوؤں نے مل کر اس پر نا قابل برداشت تشدد کیا۔ اس کے باوجود اس نے دوبارہ ہندو بننے سے انکار کر دیا تو ہندوؤں نے اس کی جبری نس بندی کر دی۔

ان کے علاوہ بھی کئی واقعات میرے سامنے تھے۔ میں سوچتا کہ کیا مسلمان ہونے کے بعد اس تشدد سے بچ جاؤں گا اور اگر تشدد ہوا تو کیا میں اس قدر سختی برداشت کرلوں گا۔ میں اپنے اندر اتنا تشدد برداشت کرنے کی ہمت نہ پاتا۔

ہمارے ہی علاقے کا ایک اور آدمی بانکے رام مسلمان ہو کر ضیاء الرحمٰن بن گیا تھا۔ یہ اس وقت مسلمان ہوا تھا جب میں بہت چھوٹا تھا۔ ضیاء الرحمٰن صاحب آج کل سعودی عرب میں استاذ ہیں۔

۱۹۸۳ء میں میری بھابھی مایا کی چھوٹی بہن ریشماں سے میری منگنی ہو گئی۔ اس منگنی نے اب میرے مسلمان ہونے کے راستے میں ایک رکاوٹ کھڑی کر دی تھی۔ پہلے صرف اپنے ماں باپ اور بھائیوں سے خوفزدہ تھا اب یہ بھی خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ دیگر رشتے دار بھی ماریں گے۔ ایک طرف مار اور تشدد کا خوف تھا اور دوسری طرف اسلام قبول کرنے کے لیے دل بے قرار ہو رہا تھا۔ میں رات دن اپنے خدا کو پکارنے لگا کہ یا اللہ میری مدد کر۔ جو راستہ تو نے دکھایا ہے اس پر چلنے کی ہمت اور توفیق دے۔

میں اس بات سے بھی خوفزدہ تھا کہ مسلمان ہو گیا تو میرے ماں باپ اور بہن بھائی سب مجھ سے چھوٹ جائیں گے۔ جب میں نے اس کا ذکر جعفر علی سے کیا تو اس نے مجھے قرآن کی آیت سنائیں۔ اس نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اے مسلمانو! تمہارے رفیق تو حقیقت میں صرف اللہ اور اللہ کا رسول ﷺ اور اہل ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان سے دوستی رکھے گا تو (وہ اللہ کے گروہ میں سے ہے اور) بلاشبہ اللہ ہی کا گروہ غالب رہنے والا ہے''۔ (المائدہ)

پھر سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

''اے اہل ایمان! اگر تمہارے باپ اور بھائی ایمان کے مقابلے میں کفر کو عزیز رکھیں تو ان سے دوستی نہ رکھو اور جو ان سے دوستی رکھیں گے تو وہی ظالم ہیں۔ کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ، بیٹے اور بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہاری برادری اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور وہ مکانات جن کو پسند کرتے ہو، اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے، اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ عزیز ہوں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ لے آئے اور اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں کرتا''۔

ان کے علاوہ بھی اس نے کئی آیات اور احادیث سنائیں اور میں یہ سب کچھ سن کر حیران رہ گیا کہ کتنا مکمل دین ہے اور قرآن کتنی مکمل کتاب ہے کہ جو سوچو اس کا جواب پہلے ہی اس کتاب میں موجود ہے۔

آخر وہ دن آ پہنچا جب اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کرنے کی توفیق دے ہی دی۔ یہ بروز بدھ ۱۳ اپریل ۱۹۸۳ء کو صبح دس بجے کا وقت تھا جب میں کریم الدین پور میں، جہاں پانچ ہزار مسلمان رہتے ہیں، مولانا رضوان احمد رضوی صاحب کے پاس پہنچ گیا اور اسلام قبول کر لیا، میرا اسلامی نام محمد علی رکھا گیا۔

میں نے شروع میں اپنے اسلام کو خفیہ رکھا۔ جمعے کا دن آیا۔ میں مسجد میں جا کر جمعہ پڑھنا چاہتا تھا مگر یہ اتنا آسان نہیں تھا۔ جمعے کے دن مسجدوں کے دروازوں پر بہت بڑی تعداد میں ہندو اپنے مریضوں اور بچوں کو دم کرانے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور کئی ہندو چیزیں بیچنے کے لئے بھی آئے ہوتے ہیں، اس لیے پہچان لیے جانے کا خطرہ تھا۔ اس خطرے سے بچنے کے لئے مولانا رضوان صاحب میرے لیے جعلی داڑھی اور مونچھیں لے آئے اور مجھے لگا دیں۔ علی گڑھ کا کرتہ پاجامہ اور کھڑی ٹوپی پہنی۔ مولانا صاحب نے شیروانی بھی دی۔ آنکھوں پر لگانے کے لیے چشمہ بھی دیا۔ اس طرح حلیہ بدل کر میں مولانا کے ساتھ مسجد میں آیا۔ میری شکل کسی بہت بڑے عالم کی طرح لگ رہی تھی۔

میں نماز کی عملی ترکیب سے آگاہ نہیں تھا۔ امام صاحب دو فرضوں کے لیے کھڑے ہوئے تو میں بھی کھڑا ہو گیا۔ سجدے میں گیا تو داڑھی گر پڑی۔ میں نے مونچھیں بھی اتار کر جیب میں ڈال لیں۔ دوسرے سجدے میں عینک بھی اتر گئی۔ نماز سے فارغ ہو کر لوگ میری طرف تعجب سے دیکھنے لگے۔ میں اس صورت حال سے گھبرا گیا۔ مولانا رضوان صاحب نے تسلی دی۔ وہ کھڑے ہو گئے اور انہوں

نے اعلان کر دیا کہ رام چندر ولد جمنا داس مسلمان ہو گیا ہے۔ ابھی کسی ہندو کو اس کے مسلمان ہونے کا علم نہیں' اس لیے آپ بھی اسے خفیہ رکھیں۔ اس کے بعد انہوں نے بتایا کہ ہم چاہتے ہیں کہ رام چندر کو جس کا اسلامی نام محمد علی ہے دہلی بھیج دیا جائے تا کہ وہاں وہ ہندوؤں کے ظلم و ستم سے بچ کر تعلیم حاصل کر سکے۔ (یہ اعلان مسجد کے اندر کیا گیا اس لیے دروازے کے باہر کھڑے لوگوں کو یہ آواز سنائی نہیں دے سکتی تھی) نمازیوں نے یہ سن کر نعرہ تکبیر بلند کیا اور بہت خوش ہوئے۔ مجھے مبارکباد دی اور سب نے میرے لیے استقامت کی دعا کی۔

اتفاق سے اسی جمعے کو میری دادی بیمار تھی۔ وہ بھی دم کرانے مسجد کے دروازے پر آئی ہوئی تھی' میں مسجد سے باہر نکلنے لگا تو اس نے مجھے پہچان لیا اور چیخ کر پوچھا: تو مسجد سے آ رہا ہے؟''

میں نے کہا:

''ہاں دادی اماں! میں مسلمان ہو گیا ہوں۔''

یہ سننا تھا کہ اس نے میرے منہ پر زور کا تھپڑ رسید کیا۔ برا بھلا کہنے لگی' شور مچا دیا اور چیخ چیخ کر ہندوؤں کو پکارنا شروع کر دیا۔ چیخ و پکار سن کر ارد گرد کے ہندو' مسلمان جمع ہو گئے۔ مسلمان تو خوش تھے جبکہ ہندوؤں کے چہروں پر غیظ و غضب دیکھنے والا تھا۔ یہ صورت حال دیکھ کر میں پریشان ہو گیا اور دل ہی دل میں اللہ سے مدد کی دعا کرنے لگا۔

ہندو بڑے چالاک اور مکار تھے وہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کی موجودگی میں وہ مجھے نہیں پکڑ سکتے، اس لیے پولیس کو بلا لائے۔ پولیس نے مجھے گرفتار کر لیا اور گھوسی تھانے میں لے گئی۔ میرے ایمان کی آزمائش کا دور یہاں سے شروع ہو گیا۔

تھانے دار نے پہلے پیار سے پوچھا کہ تمہیں کس نے ورغلایا ہے؟ اس مسلے کا نام

بتا دو ہم اس کی ہڈی پسلی ایک کر دیں گے اور تمہیں چھوڑ دیں گے۔

''مجھے میرے دل نے ورغلایا ہے، میرے رب نے ورغلایا ہے، مجھے سچائی نے ورغلایا ہے''۔ میں نے جواب دیا۔

''تھانے دار صاحب! اس معصوم بچے پر مسلوں نے جادو کر دیا ہے'' یہ رام چندر نہیں اس کے اندر کوئی مسلا بول رہا ہے''۔ ایک ہندو نے آواز لگائی۔

تھانے دار پھر پیار سے پوچھنے لگا ''دیکھو بیٹا! ہم جانتے ہیں کہ مسلے بڑے چالاک اور مکار ہوتے ہیں۔ ہمارے بچوں کو بے وقوف بناتے ہیں۔ تم ابھی بچے ہو اور سیدھے سادھے بھی ہو۔ تم اس عمر میں ان کی چالاکیوں کو نہیں سمجھ سکتے۔ اگر تمہیں انہوں نے روپے پیسے کا لالچ دیا ہے تو وہ بھی بتا دو''۔

''مجھے کسی مسلمان نے روپے پیسے کا لالچ نہیں دیا۔ میں نے اسلام کو سچا دین جان کر قبول کیا ہے''۔ میں نے بتایا۔

''دیکھو بیٹے! ان مکار مسلموں کی خاطر اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ یہ لوگ تمہیں تنہا چھوڑ دیں گے اور کسی مصیبت میں تمہارا ساتھ نہ دیں گے۔ مصیبت کے وقت ہمیشہ اپنے بہن بھائی ہی کام آتے ہیں' اس لیے تم بھگوان سے معافی مانگ لو۔ بھگوان بہت اچھے ہیں' وہ تمہیں معاف کر دیں گے' پنڈت جی اور ہم سب مل کر بھگوان سے تمہارے لیے معافی کی درخواست کریں گے۔ اگر بھگوان کو تم نے جلد راضی نہ کیا تو ان کا غصہ تمہیں تباہ کر دے گا۔'' تھانے دار نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

میں نے جواب دیا ''میں تمہارے کسی بھگوان کو نہیں مانتا اور نہ مجھے تمہارے کسی بھگوان کی خوشی اور ناراضگی کی پرواہ ہے۔ تمہارا بھگوان اپنے اوپر بیٹھی ہوئی مکھی تو اڑا نہیں سکتا' میرا کیا بگاڑ لے گا؟''

''ذلیل کمینے ہمارے سامنے ہمارے بھگوان کی شان میں گستاخی کرتا ہے۔ میں

تمہاری ہڈی پسلی ایک کردوں گا'' تھانے دار چیخا۔

مجھے زمین پر لٹا دیا گیا اور ڈنڈوں سے پٹائی شروع ہوگئی۔ تشدد نا قابل برداشت تھا۔ میں ذہنی طور پر اس تشدد کے لیے تیار ہو چکا تھا۔ میں جانتا تھا کہ یہ میرے ایمان کی آزمائش کا وقت ہے۔ یہ وہی آزمائش کی بھٹی ہے جس میں سے حضرت بلالؓ حضرت صہیبؓ اور حضرت خبیبؓ جیسے صحابی گزر کر سونا بنے تھے۔ ان عظیم ہستیوں کے واقعات جعفر علی مجھے سنا چکا تھا۔ مشرکین مکہ کے مظالم اور اصحاب رسول کی استقامت مجھے یاد تھی۔ مجھے آج انہی کی سنت پر چلنا تھا۔ مجھے سورۃ العنکبوت میں دیا جانے والا خدا کا یہ حکم بھی یاد تھا' جو میں نے کسی کتاب میں پڑھا تھا'' کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور انکو آزمایا نہ جائے گا' حالانکہ ہم ان سب لوگوں کی آزمائش کر چکے ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ اللہ ضرور ضرور یہ معلوم کر کے رہے گا کہ (اظہار ایمان میں) سچے کون ہیں اور جھوٹے کون ہیں۔'' (سورہ عنکبوت)

مجھے اپنی سچائی کو ثابت کرنا تھا' اس لیے میں نے اپنے اللہ سے استقامت کی دعا کرتے ہوئے کہا: ''اے اللہ! میں کمزور ہوں' اس ظلم وتشدد کے مقابلے میں مجھے ثابت قدم رکھنا۔ جس طرح تو نے مجھے اسلام قبول کرنے کی توفیق دی' اب اسی طرح اس کی سچائی کی شہادت کی توفیق بھی دینا''۔

مشرکین مکہ اگر ۳۶۰ بتوں کی پوجا کرتے تھے تو یہاں بھی مشرک اور کافر ہندو ہزاروں بتوں کی پوجا کرتے تھے بلکہ ان کافروں نے تو گائے اور ہنومان (بندر) کو بھی دیوتا کا درجہ دے رکھا تھا۔ ایک بات اور مشترک تھی وہ یہ کہ دونوں ظالم اور ہٹ دھرم تھے۔

ہر چوٹ پر میری زبان سے آہ کے ساتھ نکلتا ''یا اللہ میری مدد کرنا'' اللہ کا لفظ سن

کر ہندو کے ڈنڈے میں اور زور آجاتا اور وہ غصے میں اور زیادہ زور سے مارتا۔ تشدد بڑھتا جا رہا تھا۔ میں ڈر رہا تھا کہیں میرا حوصلہ' میری ہمت جواب نہ دے جائے' جب بھی ہمت جواب دینے لگتی تو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے یہ الفاظ میرے ذہن میں گونجنے لگتے: ''جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے' ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو اور خوش ہو جاؤ اس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی۔ وہاں جو کچھ تم چاہو گے تمہیں ملے گا اور ہر چیز جس کی تم تمنا کرو گے وہ تمہاری ہوگی۔ یہ ہے سامان ضیافت اس ہستی کی طرف سے جو غفور رحیم ہے''۔ (حم السجدہ)

اس سے مجھے حوصلہ ملتا۔ پھر اس نومسلم لڑکی کی استقامت بھی میرے سامنے تھی کہ ایک لڑکی ہو کر وہ زندہ جل گئی' لیکن اس کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ یہ سوچ کر میری ہمت بندھ جاتی۔

جس قدر وہ مار سکتے تھے انہوں نے مجھے مارا' مجھے آج بھی یاد ہے کہ جب وہ میرے پاؤں کے تلووں پر ڈنڈے مارتے تھے تو ان کی چنگاریں مجھے اپنی آنکھوں سے نکلتی محسوس ہوتی تھیں۔ اگر میرے اللہ کی مدد میرے شامل حال نہ ہوتی اور وہ مجھے ہمت و استقامت نہ دیتا تو شاید میں یہ آزمائش کبھی برداشت نہ کر پاتا۔

مسلمانوں نے مقدمہ دائر کیا۔ جب معائنے کے لیے مجھے ڈاکٹر کے پاس لے جایا گیا تو اس نے مجھے پاگل قرار دے دیا اور اس پر جج نے مقدمہ خارج کر دیا' اس لیے کہ دونوں متعصب ہندو تھے۔ انہیں اپنے فرائض سے زیادہ اپنے جھوٹے بھگوان کی خوشنودی عزیز تھی۔

مجھے ڈیڑھ ماہ تک جیل میں رکھا گیا۔ جب بھی میں کچھ کہنا چاہتا' دو دو تین تین

ہندو سپاہی مجھے مارنا شروع کر دیتے اور اس وقت تک مارتے رہتے جب تک میں بے ہوش نہ ہو جاتا۔

بعض اوقات میں مار سے گھبرا جاتا اور شیطان مجھے ورغلانے لگتا کہ بہتر ہے دوبارہ ہندو ہو جاؤ۔ یہ بات مجھے اور پریشان کر دیتی۔ میں خدا کے حضور جھک جاتا اور دست دعا دراز کرتا: ''اے ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں کو ہدایت کرنے کے بعد (غلط راستے کی طرف) نہ پھیر اور اپنے پاس سے ہم پر رحمت فرما۔ بے شک تو ہی رحمت فرمانے والا ہے۔(آل عمران)

اور بھی بہت سی دعائیں جو یاد تھیں میں اللہ کے حضور مانگتا رہا۔ ان میں سے دو خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ایک وہ دعا جو بنی اسرائیل، ظالم فرعون کے ظلم سے نجات کے لیے خدا سے مانگا کرتے تھے۔

''اے ہمارے پروردگار: ہم کو ظالم لوگوں کے ظلم کا تختہ مشق نہ بنا اور اپنی رحمت سے ہم کو ان لوگوں سے نجات دے جو کافر ہیں''۔(سورہ یونس)

دوسری دعا کا تعلق بھی فرعون کے ظلم سے ہے اور یہ دعا وہ ہے جو فرعون کے دربار میں جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے بعد اللہ سے مانگی تھی:

''اے ہمارے پروردگار: ہم پر صبر ڈال دے اور فرمانبرداری کی حالت میں ہم کو موت دے''۔(سورہ اعراف)

ڈیڑھ ماہ بعد مجھے ہندوؤں کے حوالے کر دیا گیا۔ ہندوؤں نے پہلے میرے ماں باپ کے ذریعے سمجھانے کی کوشش کی۔ طرح طرح کے لالچ اور دھمکیاں دیں مگر میں کسی طرح بھی دوبارہ ہندو بننے کو تیار نہ تھا۔ تنگ آ کر انہوں نے میرے قتل کا منصوبہ بنا لیا۔ مجھے اپنا انجام اس نومسلم لڑکی کی طرح نظر آنے لگا۔ میں سوچنے لگا، جانے ہندو مجھے کیسی کیسی اذیتیں دے کر قتل کریں گے یا پھر اس نومسلم لڑکی کی طرح مجھے بھی زندہ

جلا دیں گے۔ کیا میں یہ سب کچھ برداشت کر پاؤں گا۔ دل کہتا کہ جس اللہ نے پہلے والا ظلم وتشدد برداشت کرنے کی ہمت دی تھی وہ اللہ آئندہ برداشت کرنے کی توفیق دے گا۔

میں نے ہندوؤں کے قبضے سے بھاگنا چاہا مگر انہوں نے مجھے پکڑ لیا اور مارنا شروع کر دیا۔ یہ مار اب میرے لیے کوئی نئی نہیں تھی۔ پچھلے ڈیڑھ ماہ سے میرے ساتھ یہی سلوک ہو رہا تھا۔ اب بھی متعصب ہندو بھو کے کتوں کی طرح مجھ پر پل پڑے۔ کوئی بال کھینچ رہا تھا اور کوئی گالیاں دے رہا تھا۔ ان سب اپنوں اور بیگانوں میں صرف ایک میری بھابھی مایا تھی جو مجھے ان خونی ہندوؤں سے بچانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ گاؤں کے مسلمان بھی بے بس تھے۔ پولیس کے خوف سے وہ میری کوئی مدد نہیں کر سکتے تھے۔

دور دور سے پنڈت ٹھاکر اور سادھو آئے ہوئے تھے۔ وہ ہر حالت میں مجھے ہندو بنانا چاہتے تھے۔ مجھے اس قدر مارا یا کہ میں بے ہوش ہو گیا۔ ہوش آیا تو میرے پاؤں میں موٹی رسی بندھی ہوتی تھی اور مجھے گھسیٹتے ہوئے شنکر مندر کی طرف لے جایا جا رہا تھا۔ آزمائش کے اس لمحے میں ماں باپ، بہن، بھائی سب میرا ساتھ چھوڑ چکے تھے بلکہ وہ بھی دوسرے ہندوؤں کی طرح میرے خون کے پیاسے بن چکے تھے۔

وہ مجھے مسلسل گھسیٹتے رہے۔ میری ساری پشت شدید زخمی ہو چکی تھی۔ راستے میں کبھی بے ہوش ہو جاتا اور کبھی ہوش میں آ جاتا۔ معلوم نہیں وہ اس قدر اذیت دے کر مجھے کیوں قتل کرنا چاہ رہے تھے۔ وہ مجھے نو مسلم لڑکی کی طرح آگ کیوں نہیں لگا دیتے تا کہ میں جل کر مر جاؤں اور اس قدر اذیت سے جان چھوٹ جائے۔ شاید ارد گرد کے دیہات میں جو شودر اور ہریجن مسلمان ہوئے تھے ان سب کا بدلہ وہ مجھ سے لے رہے تھے۔ میں ایک بے بس شکار کی طرح ان کے قابو میں آ چکا تھا اور ہر کوئی مجھے نوچ رہا

تھا۔ قہقہے لگائے جا رہے تھے اور میرے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو بھی گندی گالیاں دی جا رہی تھیں۔

اس اذیت کا میں نے تصور بھی نہیں کیا تھا جو اسلام قبول کرنے کے جرم میں مجھے دی جا رہی تھی تکلیف سے میرا برا حال تھا۔ راستے کے کنکر اور کانٹے میرے جسم میں چبھتے جا رہے تھے۔ میں خدا سے دعا مانگنے لگا:

''یا اللہ میری موت کو آسان کر دے اور میری زندگی کا خاتمہ ایمان پر کرنا۔ یا اللہ مجھے اس اذیت سے نجات دلا''۔

اس حالت میں بھی جب میں کلمہ طیبہ کا ورد کرتا تو مجھے سکون محسوس ہوتا اور یوں لگتا جیسے مجھے کوئی تکلیف ہی نہیں۔

شنکر مندر ہمارے گاؤں سے تقریباً سوا کلومیٹر دور ہے۔ گھوسی کے قریب ندول گاؤں ہے۔ ندول اور پنبریا گاؤں کے بیچ میں ایک جنگل ہے اور وہیں جنگل میں یہ مندر ہے۔ مندر کے سامنے ایک تالاب ہے۔ اس کا نام ڈنگواں تالاب ہے۔ اس کے کنارے شمشان گھاٹ ہے' جہاں ہندو اپنے مردوں کو جلاتے ہیں۔

میرا خیال تھا کہ اب ہندو مجھے یہاں زندہ جلا دیں گے۔ اللہ سے ملاقات کی خوشی میں ایک لہر سی میرے پورے جسم میں دوڑ گئی۔ میں اپنے آپ کو اس دنیا سے بہت دور دوسری دنیا میں دیکھنے لگا۔ موت کا منظر' مرنے کے بعد کیا ہوگا' جو کتاب پڑھی تھی' اس کا بیان کردہ ایک ایک منظر میرے ذہن میں گھومنے لگا۔ اللہ کے حضور میرے دل سے دعا نکلنے لگی: ''یا اللہ دوزخ سے بچانا' قبر کا حساب آسان کرنا' اپنے پیارے رسول ﷺ کی شفاعت نصیب کرنا اور اپنے دیدار کی سعادت بخشنا''۔

مندر میں جا کر میرے کپڑے اتار کر جلا دیے اور پیلے رنگ کی دھوتی پہنا دی گئی۔ راکھ لا کر میرے بدن پر ملی گئی اور ماتھے پر تلک لگایا گیا۔ انہوں نے میرا سر منڈا دیا اور

چٹیا (بودی) چھوڑ دی۔ خنزیر کے دو بچے لائے گئے' ان کو قتل کر کے ان کے خون سے مجھے غسل دیا گیا۔ پھر پنڈت آیا۔ اس نے کتھا شروع کی وہ رامائن پڑھنے لگا۔

یہ سب کچھ ہوتا دیکھ کر میں سوچ رہا تھا کہ ہندو مجھے زندہ جلانے سے پہلے اپنی مذہبی رسومات ادا کر رہے ہیں۔ ان سب رسومات کو دیکھ کر میں خدا سے عرض کرنے لگا کہ "یا اللہ! میرا ان رسومات سے کوئی تعلق نہیں۔ تو جانتا ہے میں یہاں بے بس ہوں اس لیے مجھے معاف کر دینا"۔

میں انہی سوچوں میں گم تھا کہ کتھا مکمل ہونے کے بعد پنڈت نے اعلان کیا کہ محمد علی رام چندر ہو گیا ہے۔ یہ اعلان سن کر ہندو خوشی سے ناچنے لگے۔ مٹھائی تقسیم کی گئی اور ہندو ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگے۔

میرے لیے یہ فیصلہ غیر متوقع ہی نہیں بلکہ تکلیف دہ بھی تھا۔ مرنے کے لیے میں تیار ہو چکا تھا اور ہندو جس طرح کی زندگی مجھے دینا چاہتے تھے وہ مجھے قبول نہیں تھی۔ میں رام چندر بن کر ایک لمحہ بھی نہیں گزارنا چاہتا تھا اور محمد علی بن کر ہزار بار موت کو گلے لگانے کو تیار تھا۔ میرے لیے زندگی کے یہ لمحات پہلی تمام اذیتوں سے بھی زیادہ اذیت ناک تھے۔ ان کی مبارک بادیں اور خوشی کے قہقہے میرے سینے میں خنجر کی تیز نوک بن کر چبھ رہے تھے۔ میں زیادہ برداشت نہ کر سکا اور اعلان کر دیا:

"ہندوؤ! سن لو تم لوگ مجھے دوبارہ ہندو نہیں بنا سکتے۔ میں خدائے واحد کو چھوڑ کر پتھر کے تراشے ہوئے بتوں کے سامنے سجدہ ریز نہیں ہو سکتا۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں مجھے مسلمانوں کے پاس جانے دو"۔

یہ کہنا تھا کہ انہوں نے پھر مجھے مارنا شروع کر دیا وہ وقفوں وقفوں سے مارتے رہے یہاں تک کہ رات ہو گئی۔ مجھے مندر کے اندر بند کر دیا اور تالے لگا کر سارے ہندو اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ مندر میں بند کرتے وقت پنڈت نے کہا: تم

بھگوان کے دشمن ہو، تم بھگوان کے شکتی کے منکر ہو، تم ہمارے دیوتاؤں کو برا کہتے ہو، آج رات بھگوان کی کرپا (طفیل) سے جن اور بھوت تمہیں کھا جائیں گے۔

"اگر رام چندر ہوتا تو شاید کھا جاتے مگر خدائے وحدہ لاشریک کی قسم، میں اب محمد علی ہوں۔ جن بھوت میرا نام سن کر ہی خاک ہو جائیں گے"۔ میرے منہ سے نکلا۔

مندر میں کالی مائی کلکتے والی کا خوفناک بت تھا۔ اس کے علاوہ گائے ماتا کے بُت بھی تھے، رات کے سناٹے میں میں مندر کے اندر تنہا تھا اور ایک خوفناک منظر تھا۔ اگر مسلمان ہونے سے پہلے مجھے یہاں اس طرح رات گزارنا پڑتی تو شاید خوف کے مارے میں چند لمحوں میں مر جاتا، لیکن اب تو مجھے اپنے خدا پر کامل یقین تھا کہ یہ پتھر اور مٹی کے بت میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، لیکن اس کے باوجود دل میں ایک خوف تھا۔ آخر ساری زندگی ان بتوں کو بھگوان سمجھ کر پرستش کرتے ہوئے ان کے مافوق الفطرت کارناموں کے سیکڑوں من گھڑت قصے سنتے ہوئے گزاری تھی، اس لیے ابھی تک لاشعور میں ان کا خوف باقی تھا۔ شاید اس خوف کو ذہن سے نکالنے کے لیے ہی میرے اللہ نے مجھے یہاں بند کرایا تھا۔ اس خوف کو دور کرنے کے لیے میں ساری رات اللہ کا ذکر کرتا رہا جو آیات اور دعائیں یاد تھیں وہ پڑھتا رہا۔

میری پشت شدید زخمی تھی، اس لیے چت لیٹ کر نہیں سو سکتا تھا۔ ویسے بھی درد کی ٹیسیں پورے جسم سے اٹھ رہی تھیں اور رواں رواں دکھ رہا تھا۔ جانے رات کو کس وقت اور کس طرح اللہ نے نیند دے دی اور شدید تکلیف میں اس نیند سے اللہ تعالیٰ بعد میں بھی مجھے نوازتا رہا۔

دوسرے دن سارے ہندو مجھے دیکھ کر حیران رہ گئے مگر ان بت پرستوں کی قسمت میں گمراہی لکھی جا چکی تھی، اس لیے یہ سب کچھ دیکھ کر بھی وہ حق کو قبول کرنے کو تیار نہ تھے۔ بجائے اس کے کہ وہ تسلیم کر لیتے کہ مٹی اور پتھر کے بھگوان کسی شکتی یا

طاقت کے مالک نہیں ہوتے اور نہ وہ کسی انسان کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں' الٹا کہنے لگے:
ہمارا بھگوان رحم دل ہے وہ تمہیں سیدھے راستے پر آنے کا مزید موقع دینا چاہتا ہے'
چنانچہ اس نے تجھے جنوں اور بھوتوں سے بچائے رکھا' اس لیے ہم تم سے کہتے ہیں کہ
جتنی جلدی ہو سکے ہندومت کو دوبارہ قبول کرلو۔ اگر تم نے ہندومت کو جلدی قبول نہ کیا
تو پھر بھگوان کی ناراضگی تمہیں بھسم کر کے رکھ دے گی۔

میں ان کی بات سن کر ہنسا کہ پتھر کے بتوں میں بھی دل ہے اور وہ بھی رحم دل
ہیں۔ میں نے ان سے کہا: ''تمہارے یہ مٹی اور پتھر کے بھگوان میرا کچھ نہیں بگاڑ
سکتے۔ ہاں اگر تم اپنی سلامتی چاہتے ہو اور دوزخ کی آگ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے
نہیں جلنا چاہتے تو اسلام قبول کرلو''۔

ایک دفعہ پھر مجھ پر تشدد شروع ہو گیا۔ میں سوچنے لگا کہ ان ظالموں سے مجھے
بچانے والا یہاں کوئی نہیں' لیکن دل نے اس کی تردید کرتے ہوئے گواہی دی کہ میرا
اللہ تو یہ سب کچھ دیکھ اور سن رہا ہے اور اللہ سے بڑا محافظ بھلا کون ہو سکتا ہے؟ ؎

''بے شک اللہ تمہارا مولیٰ ہے اور کیسا اچھا مددگار!''

پچھلے چوبیس گھنٹوں سے میں نے کچھ نہیں کھایا تھا اور نہ کھانے کو مجھے کچھ دیا گیا
تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کرم تھا کہ اس نے بھوک برداشت کرنے کی ہمت دی ہوئی تھی۔
میرے ماں باپ اور بہن بھائی تو دوسرے ہندوؤں کے ساتھ مل کر مجھے مار ڈالنے پر
تلے ہوئے تھے۔ ایک میری بھابھی ہی رحم دل تھی جس نے مجھے گھر میں بھی ان
ظالموں سے بچانے کی کوشش کی تھی اور پھر جیل سے بھی رہائی کے لیے اس نے دن
رات ایک کر دیا تھا۔ اب بھی اس نے بڑی منتوں اور کوششوں سے ان پنڈتوں اور
پجاریوں سے میرے لیے کھانا لانے کی اجازت لی تھی۔ جانے اس کے لیے اس نے
کیا کیا جھوٹ بولے ہوں گے۔ میری اس حمایت پر میرے بھائیوں سے اسے مار بھی

پڑتی تھی لیکن جس طرح اس نے میرا ساتھ دیا وہ میں کبھی نہیں بھلا سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نے ایک رحم دل بہن اور پیار کرنے والی ماں کا حق ادا کیا۔ وہی صبح شام مندر میں کھانا لے کر آتی۔

مندر کے دن اور راتیں میرے لیے بہت اذیت ناک تھیں۔ زخموں کا درد نہ دن کو چین سے بیٹھنے دیتا نہ رات کو آرام سے سونے دیتا۔ میں اس بت کدے میں دن رات رو رو کر اللہ سے دعا کرتا: "اے اللہ! تو حق ہے، اسلام حق ہے، تیرا رسول بھی حق ہے۔ اے اللہ! اگر میری زندگی ہے تو پھر مجھے ان ظالم کافروں سے نجات دلا دے۔ اگر نہیں ہے تو پھر مجھے جلدی اپنے پاس بلا لے۔ کافروں کی مار اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتی"۔

اللہ نے میری دعا قبول کر لی۔ میرے ذہن میں اللہ نے ایک بات ڈال دی کہ مجھے یہاں سے رات کو فرار ہونا چاہئے۔

مندر بہت وسیع و عریض تھا اور رات کو یہاں کوئی نہیں ہوتا تھا۔ فرار مشکل ضرور مگر ناممکن نہیں تھا۔ مندر کی دیواریں بہت اونچی تھیں۔ میں نے جائزہ لیا کہ میں بتوں کے اوپر چڑھ کر روشن دان تک پہنچ سکتا ہوں۔ اگر ایک عدد رسی مل جائے تو میں اسے بت کے گردن سے باندھ کر روشندان کے ذریعے باہر لٹکا کر آرام سے باہر نکل سکتا ہوں۔

میں نے بھابھی سے مدد لینے کا فیصلہ کیا۔ دوسرے دن جب وہ کھانا دینے آئی تو میں نے اپنے منصوبے کا اس سے ذکر کیا۔ منصوبہ سن کر اس نے کہا: ہائے! آپ بھگوان کے سر پر چڑھ کر بھاگیں گے؟ لیکن ساتھ ہی اس نے کہا کہ میں اپنے بھائی کو اس مصیبت سے نجات دلانے کے لیے سب کچھ کروں گی۔

رات کو جب وہ کھانا دینے آئی تو کمر سے باندھ کر ایک رسی بھی لے آئی۔ میں

نے اس سے کہا کہ جہاں تم نے اب تک میری اتنی مدد کی ہے وہاں میرا ایک آخری کام بھی کر دینا۔ فلاں مسلمان کو پیغام دے دینا کہ میں آج رات یہاں سے بھاگ کر آ ؤں گا اور وہ مجھے پیپل کے درخت کے قریب ملیں۔

بھابھی میرے یہاں سے فرار ہونے پر خوش بھی تھی اور افسردہ بھی اس نے جاتے ہوئے کہا ''رام چندر''! نہیں بھابھی میرا نام محمد علی ہے میں نے تصحیح کی۔ چلو محمد علی ہی سہی مجھے تم اپنے سگے بھائیوں سے بھی زیادہ عزیز ہو۔ مجھے اس بات کا دکھ تو ہے کہ تم جب یہاں سے چلے گئے تو پھر شاید میں زندگی بھر تمہیں کبھی نہ دیکھ سکوں لیکن تمہیں یہاں اس طرح پٹتے بھی تو نہیں دیکھ سکتی۔ تم نے جتنے دکھ اٹھائے ہیں میرے دل پر بھی اتنے ہی زخم لگے ہیں۔ میں راتوں کو تمہارے لیے روتی رہی ہوں۔ میں نے تمہارے بھائی، ماں اور باپ کو بہت سمجھایا ہے مگر میری کوئی نہیں سنتا۔ یہاں سے جانے کے بعد تم مجھے یاد تو بہت آ ؤ گے مگر مجھے ایک اطمینان اور خوشی ہے کہ تم اس عذاب سے چھوٹ جاؤ گے۔ میری دعا ہے کہ تم جہاں بھی جاؤ بھگوان تمہاری حفاظت کرے اور تمہیں خوش رکھے۔ ''بھگوان نہیں، اللہ کہو بھابھی جان۔'' میں نے کہا تو وہ ہنس کر بولیں: ''چلو اللہ ہی کہہ لو'' اتنی رحم دل بھابھی سے بچھڑنے کا مجھے بھی بہت دکھ ہو رہا تھا۔ وہ جانے لگی تو میں نے سوچا کہ اس مدد پر اس کا شکریہ ہی ادا کر دوں۔ میں نے آواز دے کر اسے واپس بلایا اور کہا: بھابھی جان! مصیبت میں جب ماں باپ اور بہن بھائی سب ساتھ چھوڑ گئے اور خون کے پیاسے ہو گئے تو میرے خدا کے بعد صرف تم ہو جس نے میری مدد کی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا میں کن الفاظ میں تمہارا شکریہ ادا کروں۔ میں تمہاری یہ محبت و شفقت زندگی کے آخری سانس تک نہیں بھولوں گا۔ میری خاطر تم نے جس طرح مار کھائی ہے اور تکلیفیں اٹھائی ہیں میں اس احسان کا بدلہ نہیں اتار سکتا۔''

میں نے دیکھا کہ بھابھی کی آنکھوں میں آنسو بھر چکے تھے اور وہ دوپٹے سے انہیں پونچھ رہی تھی۔ میری آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ اس نے کچھ کہنا چاہا مگر ان کی آواز سسکیوں میں دب کر رہ گئی اور وہ روتی ہوئی چلی گئی۔

کالی مائی کی پتھر کی لمبی زبان باہر نکلی ہوئی تھی۔ میں نے رسی اس کی زبان سے باندھی اور روشن دان سے باہر نکال دی۔ میں اس کام سے فارغ ہوا تو یکلخت میرے ذہن میں حضرت ابراہیم علیہ اسلام کا واقعہ گھوم گیا۔ جب شہر کے لوگ باہر میلے میں گئے ہوئے تھے تو حضرت ابراہیم نے بت خانہ میں داخل ہو کر کسی بت کا سر اڑا دیا' کسی کا کان' کسی کی ناک اور کسی کے ہاتھ۔ میں نے سوچا کیوں نہ میں بھی اس بت خانے کا وہی حشر کر کے سنت ابراہیمی کا ثواب کماؤں۔

میرا جسم زخموں سے چور چور تھا' زخم خراب ہو چکے تھے لیکن اس کے باوجود میں نے سنت ابراہیمی کی یاد تازہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ میں نے مندر کے اندر لگے پوسٹر پھاڑ دیے اور ایک اینٹ اٹھا کر بتوں کا حلیہ بگاڑنے لگا اور کسی کی ناک' کسی کا ہاتھ' کسی کا کان اور کسی کی آنکھ ضائع کر دی۔

مرغ کی اذان سے وقت کا اندازہ لگایا اور رسی کے ذریعے روشن دان سے باہر کود گیا۔ مسلمان پیپل کے قریب میرا انتظار کر رہے تھے۔ میرے جسم پر صرف ایک دھوتی تھی۔ میں نے اپنے اوپر گزرنے والے حالات سے مختصراً مسلمانوں کو آگاہ کیا۔ انہوں نے مجھے کار میں سوار کیا اور جون پور کے ''ریاض العلوم'' میں لے آئے۔ جونپور ہمارے گاؤں سے ۱۰۰ کلومیٹر دور ہے۔ مولانا عبدالحلیم صاحب وہاں کے مہتمم تھے۔ ہم لوگ کچھ دیر ان کے پاس رہے اور پھر مولانا صاحب کے حکم کے مطابق بمبئی روانہ ہو گئے۔

بمبئی میں حاجی شمس الدین صاحب کے پاس قیام ہوا۔ یہ بھی میرے گاؤں کے

رہنے والے اور ہمسائے تھے۔ حاجی صاحب دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل ہیں۔ ان کا بمبئی میں بہت بڑا کاروبار ہے۔ وہ جمعیت العلماء ہند کے اہم عہدیدار بھی ہیں اور طیبہ لالج مدن پور کی انتظامیہ کے بھی سیکرٹری ہیں۔

میں شدید زخمی تھا۔ مجھے فوراً ہسپتال میں داخل کرا دیا گیا۔ میری پشت کی کھال سے کئی آپریشنوں کے بعد سیکڑوں کنکریاں اور کانٹے نکالے گئے جو گھسیٹنے کے دوران میری کھال میں چبھ چکے تھے۔ چھ ماہ تک میں ہسپتال میں زیر علاج رہا۔ اسی دوران میرا ختنہ بھی ہوا۔

حاجی صاحب کے پاس میں تقریباً ایک سال رہا۔ اس کے بعد مجھے دارالعلوم امدادیہ بمبئی میں داخل کرا دیا گیا۔ یہاں میں تین سال رہا۔ ان تین برسوں میں ابتدائی اردو، قرآن ناظرہ اور درجہ اولیٰ کا امتحان پاس کیا۔

اس دوران مجھے اپنی بھابھی کی یاد آتی رہی لیکن اس سے جا کر مل نہیں سکتا تھا۔ بعد میں پتہ چلا کہ گھر والے بھی مجھے تلاش کرتے رہے کیونکہ مجھے دوبارہ ہندو بنانے کی ان کی خواہش پوری نہیں ہوئی تھی۔ ایک دن مجھے پتہ چلا کہ حاجی صاحب بمبئی سے گاؤں جا رہے ہیں میں نے اپنی بھابھی کے نام انہیں ایک خط دیا اور تاکید کی کہ کسی کو پتہ نہ چلے۔

گھر والوں کو نہ جانے کس طرح میرا پتہ چل گیا اور مجھے پکڑنے کے لیے دوسرے ہندوؤں سمیت بمبئی آ پہنچے ان کے ایما پر پولیس مدرسے اور حاجی صاحب کے گھر بار بار چکر لگاتی رہی۔ یہ صورت حال دیکھ کر حاجی صاحب نے دوسرے علماء سے میرے بارے میں مشورہ کیا۔ کسی نے مشورہ دیا کہ اسے سعودی عرب بھیج دیا جائے اور کسی نے کہا ایران۔ آخر فیصلہ ہوا کہ پاکستان سب سے اچھا رہے گا۔

مجھے بعد میں جہاد افغانستان میں دلچسپی ہوئی اور میرا دل میدان جہاد میں جانے

نے کے لیے بے قرار ہونے لگا۔ جہاد میں شرکت کی سعادت حاصل کرنے کی خواہش انگڑائیاں لینے لگی۔

اسی شوق کی تکمیل میں میں نے ۱۹۸۷ء میں افغانستان کی طرف سفر کیا۔ صوبہ پکتیا میں الفتح غنڈ کے قریب فیض پوسٹ پر قیام ہوا۔ سرفراز صاحب ہمارے کمانڈر تھے۔ میں یہاں سولہ دن رہا۔ اس دوران میں نے اسلحے کی ابتدائی ٹریننگ لی اور جاجی چھاؤنی پر حملے میں بھی شرکت کی۔ دوسری دفعہ جمعیت المجاہدین کے امیر کے ساتھ خوست کے قریب باڑی کے علاقے میں گیا۔ یہاں ایک ہفتہ رہا اور لڑائی میں شرکت بھی کی۔ اس لڑائی میں ایک بارودی سرنگ سے امیر صاحب کی بائیں ٹانگ اڑ گئی۔ خون فوارے کی طرح بہنے لگا لیکن وہ اللہ کا بندہ اپنی زندگی کے آخری سانسوں میں بھی ہمیں جہاد کی تلقین کرتا رہا۔ آدھ گھنٹے کے بعد شہید ہو گئے۔ اسی معرکے میں ایک مجاہد عبدالستار ملتانی کا بھی پاؤں شدید زخمی ہو گیا۔ ٹانگ کاٹنے کا کہا تو اس نے خود ہی اپنی پنڈلی جو تھوڑے سے گوشت کے ساتھ لٹکی ہوئی تھی کھینچ کر علیحدہ کر دی۔ بروقت طبی امداد نہ ملنے اور خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے یہ بھی شہید ہو گئے۔

میں صوبہ پکتیا میں ارگون اور خوست کے قریب مانٹری کنڈو کے محاذ پر بھی گیا۔ باڑی کے محاذ پر علمائے دیوبند کی نمائندہ جماعت حرکت الجہاد الاسلامی کے نامور گوریلا کمانڈر خالد زبیر بھی میرے سامنے شہید ہوئے اور خالد محمود اور عبدالرحمٰن کی ٹانگیں بھی کٹ گئیں۔

میں جب بھی افغانستان گیا میری ہمیشہ خواہش رہی کہ اللہ تعالیٰ مجھے شہادت کے اعزاز سے نوازے لیکن شاید ابھی تک میں اپنے آپ کو شہادت کے قابل ثابت نہیں کر سکا۔

میں ہندوؤں کی متعصب تنظیم بجرنگ دل کا فیض آباد میں سربراہ تھا بابری مسجد کو شہید کرنے والے شوسینا کے کارکن تھے اور میں نے ان کارکنوں کے دلوں میں مسجد کو تباہ و برباد کرنے کے لئے جنونی حد تک آگ لگادی تھی بابری مسجد کا جب مینار گرنے لگا تو ہم نے جے رام کے نعرے لگائے اور بھجن گائے اور میں خوشی سے پاگل ہوگیا لیکن وہ خوشی چند دنوں بعد ہی کافور ہوگئی میں عجیب وغریب پریشانی کا شکار ہوگیا میرا ضمیر مجھے ملامت کرنے لگا۔

میں شرمندہ ہوں!

کی میرے قتل کے بعد اُسنے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیمان کا پشیمان ہونا

بابری مسجد کو شہید کیے جانے کے بعد آج تک مجھے کبھی بھی سکون محسوس نہیں ہوا ہمیشہ میرے وجود میں انجانے خوف کی لہر دوڑتی ہوئی محسوس ہوتی رہی اب ہندوؤں پر وار کروں گا اسلام دنیا کا بہترین اور ہندو گندا مذہب ہے۔ اللہ سے معافی مانگ لی ہے۔ عالم اسلام سے اپنے گناہ کی معافی کا درخواست گار ہوں کیونکہ میں نے مسلمانوں کے دل دکھائے ہیں ان خیالات کا اظہار بابری مسجد کو شہید کرنے والے بجرنگ دل کے کمانڈر شیو پرساد نے اسلام قبول کرنے کے بعد ایک انٹرویو میں کیا ہے۔ انہوں نے شارجہ میں دارالعلوم دیوبند کے فاضل ایک ہندوستانی عالم دین کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا جن کا اسلامی نام ان کی پسند سے محمد مصطفی رکھ دیا گیا محمد مصطفی نے روتے ہوئے اپنی داستان سناتے ہوئے کہا کہ آج سے سات برس قبل مسلمانوں سے شدید تعصب رکھنے والی تنظیموں نے طے کیا کہ وہ بابری مسجد سمیت بھارت میں موجود مسلمانوں کی ۳۰۰ سے زائد مساجد کو گرا کر ان مقامات پر مندر تعمیر کریں گی اس مہم کا آغاز ہوتے ہی بھارت کے شہر فیض آباد کے علاقے ایودھیا میں واقع مسلمانوں کی قدیم عبادت گاہ بابری مسجد کو سب سے پہلے مسمار کرنے کے لیے پروگرام کا اعلان کیا گیا بجرنگ دل نامی ہندو انتہا پسند تنظیم کا فیض آباد میں سربراہ شیو پرساد تھا اس موقع پر کارسیوک کے نام سے مشترکہ آپریشن تشکیل دیا گیا بجرنگ دل کے صدر شیو پرساد کا مشن تھا کہ وہ اس مشن میں بڑھ چڑھ کر حصے لے گا تمام تنظیموں نے مشترکہ طور پر

شیو پرساد کی ذمہ داری لگائی کہ وہ بابری مسجد کو نیست و نابود کرنے والے ۴ ہزار انتہا پسند، جنونی ہندوؤں کے لشکر کی قیادت کرے گا اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے شیو پرساد نے مسجد کو مسمار کرنے کے واقعہ سے کئی روز قبل ہی چیدہ چیدہ جنونی لشکریوں کو ٹریننگ دینا شروع کردی تھی انہوں نے بتایا کہ بابری مسجد کو شہید کردینے کی کاروائی کے دوران جو لوگ سب سے پہلے مسجد کے گنبد پر چڑھے تھے وہ شیوسینا کے رکن تھے اور شیو پرساد نے ان کے دلوں میں مسجد کو تباہ کرنے کے لیے جنونی حد تک آگ لگادی تھی جب بابری مسجد کا مینار گرنے لگا تو شیو پرساد کا کہنا ہے کہ ہم نے جے رام کے زوردار نعرے لگائے اور بھجن گائے اور میں تو خوشی سے پاگل ہوگیا۔ شیو پرساد نے کہا کہ اب تو اس واقعہ کو سات برس سے زائد کا عرصہ گزر گیا ہے اور میں الحمد للہ مسلمان ہوگیا ہوں لیکن جیسے ہی مینار گرا اور جو خوشی مجھے حاصل ہوئی وہ چند دنوں بعد ہی کافور ہوگئی میرے رگ و پے میں ایک انجانے خوف کی لہر دوڑنے لگی میں ایک عجیب و غریب پریشانی کا شکار ہو گیا میرا ضمیر مجھے ملامت کرنے لگا میں ذہنی خلفشار میں مبتلا رہنے لگا انتہا پسند ہندو تنظیموں کے رہنما اور ہندو مذہب کے رہنما مجھے مبارک باد دیتے میں مبارک بادیں وصول کرتا مگر کچھ اور سوچتا رہتا۔ خلاؤں میں گھورتا اور جلد ہی مجھے اس احساس نے آن دبوچا میں نے شاید کوئی بہت بڑا گناہ کردیا ہے اس کی تلافی اب ممکن نہیں شاید میں دنیا کے کروڑوں مسلمانوں کے دل دکھانے والی کاروائی کا سبب بنا ہوں اب اگر میں کتنے ہی جنم بدل لوں کتنے ہی اشنان کرلوں میرا وجود اس گناہ سے اتنا بدبودار ہوگیا ہے کہ اب پاک ہونا میرے لیے ممکن نہیں گو کہ بابری مسجد گرادینے والی کاروائی میں میرے والد سنگ پریدار کے بھائی ' تری رانا ناتھن بھی شامل تھے اور میرا خاندان بھی شریک تھا لیکن میری حالت یہ ہوگئی کہ پھر مجھے کسی پل چین نہ آنے لگا میں نے فیصلہ کرلیا کہ اب میں ہندوستان چھوڑ دوں گا شاید یہاں

سے دور ہو کر مجھے کچھ سکون دوبارہ مل سکے بالآخر میں شارجہ پہنچ گیا یہاں مجھے جلد ہی نوکری مل گئی مگر میں جس ذہنی سکون کی تلاش میں یہاں آیا تھا وہ مجھے نہ ملا میری بے چینی، خلش اور بے قراری مزید بڑھ گئی اب حال یہ ہوا کہ میری راتوں کی نیند اڑ گئی اسی پریشانی میں جب ایک دن میں شارجہ کی ایک مسجد کے قریب سے گزر رہا تھا کہ امام مسجد کی تقریر کے ہندی لفظ میرے کانوں سے ٹکرائے۔ میں نے محسوس کیا کہ مجھے جس سکون کی تلاش ہے جس اطمینان کو میں ڈھونڈ رہا ہوں وہ مجھے اسلام کے اندر ملے گا پھر میں نے بہت غور کیا تو مجھے محسوس ہوا کہ مجھے کسی نتیجے پر پہنچنا چاہیے۔ بالآخر میں نے سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا اور پھر میرے قدم خود بخود اسی مسجد کی جانب اٹھ گئے اور میں نے اسلام قبول کر لیا گو کہ یہ فیصلہ کئے ہوئے مجھے ابھی چند دن ہی ہوئے ہیں مگر اب میرا وجود ہلکا ہو گیا ہے گناہوں کا بوجھ اب میرے سر سے اتر گیا ہے نومسلم محمد مصطفی نے بتایا کہ ماضی میں میرے طرز عمل سے اور میری کاروائی سے جو دکھ مسلمانوں کو ملا دنیا بھر کے مسلمانوں کی جو دل آزاری ہوئی میں اس پر شرمندہ ہوں نادم ہوں اللہ رب العزت سے اور مسلمانوں سے معافی اور رحمت کا طلب گار ہوں اس انٹرویو کی وساطت سے میں سابقہ مذاہب کے تمام پیروکاروں سے اور ہندو دوستوں سے اپیل کروں گا کہ وہ مسلمانوں سے تعصب کو چھوڑ دیں اسلام کی حقانیت نے میری دنیا بدل دی ہے۔

اسلام دین فطرت ہے یہ وہ انمول دولت ہے جو کسی کو تو ماں کی گود میں نصیب ہو جاتی ہے مگر بعض دین فطرت سے کوسوں دور کسی دوسرے ماحول میں پرورش پاتے ہیں یہ ایک ایسے ہی سکھ نوجوان کے قبول اسلام کی داستان ہے جو سکھ مذہب ترک کر کے بدھ مت کی کتب کا مطالعہ کرتا ہے مگر بدھ مت میں آواگون کے نظریات اس مذہب میں بھی پائے اور وہ بدھ مت سے برگشتہ ہو کر عیسائیت کی طرف مائل ہوا لیکن یہاں تثلیث تین خدا کے نظریات ایک خدائے واحد کے نظریات سے متصادم ہوئے تو بالآخر بڑی باریک بینی اور گہرا مطالعہ کرنے کے بعد اسلام سے وابستہ ہو گئے۔

فطرت کا انتخاب

اس میکدے میں بٹتی ہے روحانیت کی مئے
اس میکدے سے کوئی پیاسا نہ جائے گا

جب میں بچہ تھا تو سکھ مذہب کے متعلق بہت ہی کم جانتا تھا۔ چھ سال کی عمر سے میں اذان کو پسند کرنے لگا۔ دراصل میں اذان ہی کو نماز سمجھتا اور اس کا انداز ادائیگی میرا دل موہ لیتا۔

مجھے یقین تھا کہ خدا ہے' بلکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ یقین ہر انسان کی شخصیت کا جز لاینفک ہے اور یہ فطری یقین ہی ان عوامل میں سے ایک تھا جنہوں نے میری سوچ کو یہ معلوم کرنے پر مہمیز کیا کہ مختلف لوگ اسے مختلف انداز میں کیوں مانتے ہیں۔ بتوں کی پوجا سے مجھے بچپن ہی سے نفرت تھی۔ اگرچہ نفرت کی وجہ معلوم نہیں تھی لیکن بہرصورت یہ بات مجھے ناپسند تھی کہ انسان پتھر اور مٹی کی پرستش کرے۔ اسکول کے دنوں میں بدھ مت نے مجھے اپنی طرف راغب کیا اور اس کی روحانیت کی وجہ سے میں اسے پسند کرنے لگا۔ میں نے بدھ مت کی کتابوں کا مطالعہ کیا تو نروان اور آواگون (دوبارہ جنم لینا) کے نظریات اس مذہب میں بھی موجود پائے اور انہی نظریات نے مجھے بدھ مت سے برگشتہ کر دیا۔ میں نے بعد میں محسوس کیا کہ صوفی ازم سے خدا کو نکال دیا جائے تو بدھ مت رہ جاتا ہے۔

پھر چند دوستوں نے میرا تعارف عیسائیت سے کرایا اور میں نے عیسائیت پر مبنی لٹریچر کا خاص مطالعہ کیا۔ انہی دنوں میں اسلام کی طرف رغبت محسوس کرنے لگا' اس کے باوجود کہ عیسائیت کو جدت کا علمبردار اور اسلام تنگ نظری اور پس ماندگی کی

علامت گردانا جاتا تھا۔ (جس کا پرچار اب بھی زور وشور سے جاری ہے) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض مسلمان اور بہت سارے غیر مسلم اسلام اور مسلمان کی صحیح تصویر پیش نہیں کر رہے۔

اب تک کسی مسلمان نے مجھے اسلام کی دعوت نہیں دی تھی اور نہ اس کے متعلق کبھی کوئی بات کسی سے ہوئی۔ میں سمجھ نہیں سکا کہ ایسا کیوں تھا لیکن میرا خیال ہے کہ انہیں معلوم ہی نہیں تھا کہ اسلام کی دعوت کیسے دیں۔ اور اگر کوئی بذات خود ان سے اسلام کے متعلق کچھ بتانے کو کہتا تو وہ محض شرما کر رہ جاتے تھے۔ انہیں وجوہات کی بنا پر عیسائیت اشاعت وتبلیغ کے میدان میں آگے نکل گئی۔

میری عمر کوئی چار پانچ سال کے لگ بھگ تھی جب ہمارے قریب رہنے والی ایک کاکیشین خاتون مجھے اور میری بہن کو اتوار کے روز اپنے ساتھ چرچ لے جانے لگی جہاں ہمیں کھیلنے کو کھلونے اور کھانے پینے کی اشیاء دی جاتیں۔ پھر میں کسی حد تک کسلمندی اور کچھ عدم دلچسپی کا شکار ہو گیا اور اس عورت کے بلانے پر بھی نہ جاتا۔ البتہ اس تجربے کا عیسائیت قبول کرنے یا نہ کرنے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

بعد میں جب میں نے عیسائیت کا گہرائی سے مطالعہ کیا تو پتہ چلا کہ اس کے تثلیث (تین خدا) صلیب اور خداوند کے نظریات ایک خدائے واحد کے اس نظریئے سے متصادم ہیں جو میرے ذہن میں ہیں۔ میں نے اس بارے میں اپنے عیسائی دوستوں سے گفتگو کرنا چاہی لیکن وہ اس موضوع پر اس حد تک گفتگو کرنے پر آمادہ نہ ہوئے جس سے میری تشفی ہو سکتی۔ نتیجتاً عیسائیت میں میری دلچسپی بتدریج کم ہوتی گئی۔

انہی دنوں طب کے پیشے سے وابستہ ایک مسلمان سے میری جان پہچان ہوئی جو مجھے قرآن پاک کی تلاوت کر کے سناتا اور بتاتا کہ یہ آیات قرآن پاک کی ہیں۔ گو قرآن کی زبان میرے لئے اجنبی تھی۔ مگر مجھے یہ کلام پسند ضرور آیا۔ میں نے جب

اس سے سوال کیا کہ قرآن کیا ہے؟ تو جواب ملا یہ اللہ کی کتاب ہے۔ اس سے مجھے اسلام کے بارے میں مزید جاننے کا تجسس پیدا ہوا۔ ملائی زبان سے واقفیت کے سبب میں نے اسلام پر بنیادی نوعیت کا مطالعہ کیا۔ کچھ عرصے بعد میں نے قرآن کا ایک نسخہ خرید لیا۔ مجھے وہ دور اب بھی یاد ہے جب میں نے ملائی زبان میں قرآن کی تفسیر پہلی مرتبہ پڑھی۔ سورہ بقرہ کے مطالعہ کے دوران میرا وضو کرنے کو جی چاہا تو میں نے وضو کر لیا اسلام کے نظریہ ربوبیت جلد ہی میرے دل میں گھر کر گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ عبدیت کے اظہار کے لیے مختلف مذاہب کے ماننے والے جس کی جستجو میں ہیں وہ اللہ ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا کہ'' کیسے اس نے روح تخلیق کی اور کیسے تمام روحوں سے اپنے رب ہونے کا اقرار کروایا'' اس بات نے تو گویا میرے دل کے تاروں کو چھیڑ دیا کیونکہ میں نے خود اپنے ذاتی تجربے اور دوسروں کے مشاہدے سے محسوس کیا تھا کہ چاہے غیر شعوری طور پر ہی سہی ہر انسان میں یہ احساس ہوتا ہے کہ خدا موجود ہے۔ یقیناً یہ سوچ انسان کے تحت الشعور میں اسی اقرار کی بازگشت ہی ہوتی ہے جو ہر انسان نے عالم ارواح میں اپنے رب سے کیا تھا۔

قرآن کے مطالعہ اور دوسری کتابیں پڑھنے کے بعد مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ اسلام ہی دین حق ہے۔ اسی دوران میں نے رات کے وقت قرآن کا ترجمہ اور تفسیر پڑھی۔ خنزیر کھانے سے میں رک گیا اور ممکنہ حد تک اسلام کے مطابق زندگی گزارنے لگا۔ انہی دنوں میرے ایک دوست نے اپنی رائے کا اظہار کیا کہ میری باتیں' میرے افعال بالکل مسلمانوں جیسے ہیں تو میں نے اس پر واضح کر دیا کہ اگر میں نے کوئی مذہب قبول کیا تو وہ اسلام ہی ہوگا۔

انہی دنوں میرا تعارف دو بزرگ پاکستانی مسلمانوں سے ہوا۔ ان کی زبان وہی

تھی جو ہماری مادری زبان ہے۔ وہ میری اسلام سے قربت دیکھ کر متاثر ہوئے۔ جب مجھ سے انہوں نے سوال کیا کہ میں مسلمان کیوں نہیں ہو جاتا تو میں نے جواب دیا:

ہاں میں ایسا کرلوں گا۔

انہیں حیرت ہوئی اور کہنے لگے کہ میں خوب اچھی طرح سوچ لوں۔

بلاشبہ اب حیران ہونے کی میری باری تھی کیونکہ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ مجھے فوراً کلمہ شہادت پڑھنے کو کہیں گے جو در حقیقت میں دل ہی دل میں پڑھ چکا تھا۔

میری عمر ۲۱ سال تھی جب باقاعدہ طور پر میرے قبول اسلام کا اندراج ہوا۔ ایک بزرگ عرب دوست نے ایک پاکستانی کے گھر میں ضیافت دی۔ اس وقت تک میں سیکھ چکا تھا کہ فرض نمازیں کس طرح ادا کی جاتی ہیں۔ اب میں چاہتا تھا کہ جتنی جلدی ہو سکے عربی زبان سیکھ لوں کیونکہ قرآن اسی زبان میں نازل ہوا ہے۔ میرے لئے یہ امر پریشان کن تھا کہ میں قرآن پڑھوں تو عربی میں مگر سمجھ نہ سکوں کہ اصل معانی کیا ہیں؟ اس ضمن میں جتنی کوشش ممکن تھی میں نے کی اور الحمدللہ خاصی حد تک کامیاب رہا۔

ابھی تک گھر والوں کو میرے اسلام لانے کا علم نہیں تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ میں اسلام قبول کر سکتا ہوں گو یہ بات ان کے علم میں تھی کہ میں اسلام کے متعلق تجسس رکھتا ہوں۔ مجھے پیشکش کی گئی کہ میں اپنے چچا کے کاروبار میں ہاتھ بٹاؤں جو کہ ''بملاوی'' مسجد کے قریب ہی تھا چچا نے اس علاقے میں ہی ایک عمارت کی مرمت کا ٹھیکہ لیا ہوا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ کی طرف سے مجھے اسلام پر آزادی سے عمل کرنے کا موقع عطا ہوا تھا۔ میں نماز پڑھنے مسجد چلا جاتا جہاں پر مجھے ایک دوست نے پہچان لیا اور میرا تعارف مسجد کے امام حبیب سید حسن العطس سے کرایا جو میرے پہلے استاد اور رہبر اور ہمراز دوست بن گئے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ انہوں نے پہلی

ملاقات پر ہی مجھے چند کتابیں دیں جن میں علامہ عبداللہ یوسف علی کا انگریزی میں ترجمہ قرآن بھی تھا۔ تب سے مسجد سے میری وابستگی زیادہ تر ہوگئی۔

کچھ عرصہ بعد میرے والدین ''کام کی جگہ'' پر آ کر میرے پاس دیر تک ٹھہرنے لگے۔ ان حالات میں مجھے نماز کے لیے ایک اور فلور پر جانا پڑتا جہاں اس دوران ایک آسٹریلوی خاتون بھی آ جاتی۔ ایک دن اس نے حیرت زدہ ہو کر میرے والد سے پوچھا ''کیا سکھ بھی مسلمانوں کی طرح نماز ادا کرتے ہیں؟'' اس روز پہلی دفعہ میرے والدین نے مجھ سے سوال کیا کہ کیا میں نے اسلام قبول کر لیا ہے؟ میں نے ان کے سوال کو ٹال دیا۔ مگر انہیں شک ہو گیا جو ہر گزرتے دن کے ساتھ پختہ ہوتا گیا اور بالآخر یہ حقیقت ان پر آشکارا ہو ہی گئی۔ پھر بھی وہ امید کرتے رہے کہ میں شاید اسلام کی طرف تھوڑا راغب ہوا ہوں' مسلمان نہیں ہوا۔ مجھے وہ وقت اچھی طرح یاد ہے جب والد نے مجھے متنبہ کیا کہ اگر میں واقعی مسلمان ہو گیا تو خاندان میں بدنامی ہوگی۔

والدین کی تفتیش و سوالات کے جواب میں' میں نے کہا کہ ایسا نہیں ہے کہ میں نے کوئی جذباتی فیصلہ کیا ہو بلکہ میں نے مختلف مذاہب کے طویل مطالعے کے بعد اسلام کو صحیح اور سچا مذہب پایا ہے اور اگر آپ سمجھتے ہیں کہ یہ میری اپنے مذہب سے لاعلمی کی وجہ سے ہوا ہے تو ہم بیٹھ کر تفصیلی گفتگو کر لیتے ہیں تاکہ دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو جائے اور مجھے معلوم ہو جائے کہ میں نے کیا غلطی کی ہے۔ نیز مجھے بھی یہ وضاحت کرنے کا موقع مل جائے کہ میں نے اسلام کا انتخاب کیوں کیا ہے؟ پھر اگر ثابت ہو گیا کہ میں غلطی پر ہوں تو اسلام چھوڑ دوں گا لیکن اگر میں غلطی پر نہ ہوا تو آپ سے صرف اتنی درخواست ہے کہ مجھے بطور مسلمان کے تسلیم کر لیں۔ یہ پہلی اور آخری گفتگو تھی جو میرے اور والد کے درمیان ہوئی۔ اس کے بعد بھی والدہ یہ آس لگائے رہیں کہ شاید میں اسلام ترک کر دوں۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرا ایمان مضبوط سے مضبوط تر ہوتا گیا اور میں علانیہ اپنے دین پر عمل کرنے لگا' مسجد میں پہلے سے زیادہ فعال ہوگیا اور عربی سیکھنا شروع کردی۔ میں ذہنی طور پر تیار ہوگیا کہ اگر کوئی ناشدنی ہوئی تو مجھے مسجد ہی کا رخ کرنا ہوگا۔ رفتہ رفتہ میرے اردگرد کا ماحول بہتر ہونے لگا۔ ۱۹۸۶ء میں مجھے رابطہ عالم اسلامی کے مہمان کے طور پر حج کے لیے مدعو کیا گیا جس میں ایک اور نومسلم بھائی میرے ہمراہ تھے ان دنوں میں کسی یونیورسٹی میں داخلے کی سرتوڑ کوشش کررہا تھا جہاں عربی اور اسلامی تعلیمات سیکھ سکوں ۔ انڈیانا یونیورسٹی میں داخلے کی پیش کش ہوئی جہاں مجھے اسلامیات' عربی' عبرانی اور اسلامی تاریخ وثقافت پڑھنا تھی مگر مالی اور کچھ دیگر وجوہات کی بنا پر اس کورس میں شرکت نہ کرسکا۔ حج کے دوران میری ملاقات بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے پروفیسر ڈاکٹر انیس احمد سے ہوئی جنہوں نے اپنی یونیورسٹی سے متعارف کرایا اور میں نے اس یونیورسٹی کا انتخاب کرلیا۔ بعد میں اپنی علمی جستجو میں جامعہ الازہر مصر چلا گیا۔ جب میری واپسی ہوئی تو میرے والد ہسپتال میں داخل تھے انہیں سرطان کا مرض لاحق ہوگیا تھا جو ان کی موت پر منتج ہوا۔

آخر میں اپنے نومسلم بھائی بہنوں سے عرض کروں گا کہ اگر آپ نے اسلام قبول کیا ہے تو اللہ آپ کی مشکلات کو ضرور آسان کردے گا۔ آپ اخلاص سے فقط اس کی رضا جوئی کریں۔ کسی اور جانب نہ دیکھیں وہی آپ کے حالات کو سازگار بنا دینے والا حقیقی کارساز ہے۔

اگر آپ کی خواہش ہے کہ آپ کے اہل خاندان اور دوست احباب بھی اسلام قبول کرلیں تو انہیں دعوت دیتے رہئیے لیکن یہ ہرگز فراموش نہ کیجئے کہ ہدایت دینا صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ کو بے دینوں کی ناپسندیدگی اور نفرت کا سامنا کرنا پڑے گا مگر یہ ازل سے حق وباطل میں جاری جنگ کی روایت ہے' کوئی نئی بات نہیں۔

میں پیدائشی ہندو تھا لیکن مجھے سب سے زیادہ نفرت اپنے ہندو نظام معاشرت سے ہوئی کہنے کو تو سب ہندو کہلاتے ہیں مگر کوئی فرش پر ہے اور کوئی عرش پر کوئی برہمن ہے کوئی شودر اور کوئی کھشتری' مندر کے اندر کتا تو جا کر بیٹھ سکتا ہے مگر کوئی اچھوت جذبہ عقیدت سے اگر مندر کی چوکھٹ کو چھونے کی بھی بھول کر جرأت کر بیٹھے تو اسے سخت سزا دی جاتی ہے' میں پوجا پاٹ میں حصہ لیتا تھا لیکن سوچتا تھا کہ کن کن کی پوجا کروں جبکہ ان کی تعداد تو ۳۵ کروڑ ہے ان گنت دیوی دیوتاؤں کی بھگتی میرے لئے ایک معمہ بنا ہوا تھا۔

صنم سے صمد تک

جب خدا بن گئے پتھر کے تراشیدہ صنم
تو اٹھا تھام کے توحید ورسالت کا علم

ایک زمانہ تھا جب ہم اسلام کے معنی ومفہوم سے بھی کوسوں دور تھے۔ چونکہ پیدائش ایک ہندو خاندان میں ہوئی تھی۔ بڑھتی ہوئی عمر کی ساتھ ساتھ دل ودماغ پر پیدائشی (آبائی) مذہب کی تعلیمات کا زبردست اثر ہوا تھا۔ اسی لئے ہندوستان کی اکثریت میں شمار کئے جانے کا بڑا فخر محسوس ہوتا تھا۔ لیکن جیسے جیسے عمر نے آگے بڑھایا دل ودماغ پر بے چینی و بے زاری کے گہرے بادل منڈلانے لگے۔ سب سے زیادہ بے زاری ہندو سماج دیوستا یعنی ہندو نظام معاشرت سے ہوئی۔ پورا سماج ان گنت فرقوں اور ذاتوں میں بٹا ہوا دیکھ کر عقل حیران رہتی تھی کہ

''محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی''

نسلی طور پر کوئی بہت اونچا تو کوئی بہت نیچا مانا جاتا ہے۔ یہ دیکھ کر دل کسی گھائل پرندے کی مانند تڑپتا رہتا۔ اکثر یہ فکر سوار رہتی کہ کیا کسی ایسی فرقہ وارانہ یا برابری کا نام دہرم اور مذہب ہے؟ کہنے میں تو سب ہندو کہلاتے ہیں مگر مقام کے اعتبار سے کوئی فرش تو کوئی عرش پر، بعض دونوں کے درمیان بھی ہیں۔ آخر کیا خداوند عالم نے ہر نسل کو (کاسٹ سرٹیفکیٹ) نسلی سند دے دی ہے۔ جو تا حیات قائم رہتی ہے۔ اور جس میں کسی بھی صورت میں کوئی رد و بدل ہی نہیں ہو سکتا۔

بارہا میں نے اپنی چشم سر سے یہ مشاہدہ کیا' کہ اعلیٰ ذات والے ہندو اچھوتوں اور پسماندہ طبقات کے ساتھ جانوروں سے بھی گیا گذرا سلوک کرتے ہیں' حتیٰ کہ انہیں

اپنے کنوؤں سے پانی کا قطرہ بھی لینے نہیں دیتے۔ جب کہ پانی خدا کی وہ نعمت ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لئے بالکل عام کردی ہے۔ کہیں کہیں تو میں نے یہ مشاہدہ بھی کیا کہ مندر کے اندرونی حصے تک کتے وغیرہ جا کر بیٹھ سکتے تھے۔ لیکن جذبہ عقیدت سے مجبور ہو کر کوئی اچھوت اگر مندر کی چوکھٹ بھی چھونے کی بھول کر بیٹھے تو اسے اس جرم کی بڑی سخت سزا بھی دی جاتی' گویا وہ نام کا انسان ہے ورنہ مذہبی ٹھیکداروں کی نظر میں کتے سے بھی بدتر ہے۔ اسے تو مندر کی سیڑھیوں پر بھی سر رکھنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ بلکہ قدم رکھنے کی استطاعت بھی نہ رکھتے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر بڑی سخت کوفت ہوتی اور دل سے یہ صدا بلند ہوتی کہ کیا یہ بھی کوئی مذہب ہے؟ انسان اپنے ہم جنسوں سے جدا؟ جانور سے بھی گیا گذرا اور ہر پہلو سے قابل نفرت وملامت۔

جہاں تک عقیدے کا تعلق ہے۔ میں فطرتاً پوجا پاٹ میں بہت دلچسپی لیتا تھا۔ لیکن ان گنت دیوی دیوتاؤں کی بھگتی میرے لئے ایک معمہ بنا ہوا تھا۔

ایک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا

اکثر سوچا کرتا کہ آخر میں کن کن کی خوشنودی حاصلکروں؟ میں بیک وقت سب کو راضی تو نہیں کرسکتا' جب کہ ان کی تعداد تقریباً ۳۵ کروڑ بتائی جاتی ہے۔ ان سب کو منانے کے لئے تو تاحیات شعار نا کافی ہے۔ دل چونکہ کچھ زیادہ مذہبی تھا۔ اس لئے دماغ کی اس کشمکش کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی لو میں لگا رہتا۔ مگر ضمیر کسی قیمت پر خاموش نہ بیٹھتا۔ اور یہ سوال دل میں کروٹیں لیتا۔ کہ آخر اتنے زیادہ خداؤں کی کیا ضرورت ہے۔ اس پر مستزاد یہ کی صفات میں سب ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ کیا پتھر کو تراش لینے پر وہ خدا بن سکتا ہے؟ کیا یہ تمام نظام کائنات کو مل کر چلاتے ہیں؟ کیا حقیقت میں یہ کسی کی فریاد سن سکتے ہیں؟ کیا واقعی انہیں کوئی قدرت عمل حاصل ہے؟ اور کیا یقینی طور سے انکا وجود Existance ہے؟ جب کہ انسان خود انہیں اپنے

ہاتھوں سے تراش کر بناتا ہے کہیں انسانی دماغ کی یہ اپج تو نہیں۔

ایسے ان گنت سوالات بجلی کی مانند حاشیہ ذہن ودماغ پر تیزی سے کوندتے رہتے۔ کشمکش کے اس زبردست طوفان میں عقیدت ایک ٹوٹی کشتی کی مانند غرق ہونے لگتی۔ ضمیر سے بار بار یہ آواز اٹھتی کہ اس گھنیرے سائے سے نکل جا۔ اور اس راہ کو تلاش کر جو سیدھی اور سچی ہو اور اس خدا کو ڈھونڈ لے جو سب کا خالق ہے اور جس کی نظر میں سب تسبیح کے دانوں ہی کی طرح یکساں ہیں۔ ضمیر کی پکار پر میں نے لبیک کہا اور جستجوئے حق میں دیگر مذاہب کی خاص خاص کتابوں کا مطالعہ کرنا شروع کیا مسلسل پانچ سال تک مطالعہ کا سلسلہ دراز رہا۔ ہندو دھرم کے علاوہ عیسائی مذہب، جین دھرم اور بدھ دھرم کا پوری باریک بینی اور مکمل تحقیق کے ساتھ مطالعہ کیا پھر بھی کوئی رہنمائی نصیب نہ ہوئی

کوئی دن اور ابھی بادیہ پیمائی کر

کے مطابق دشت نوردی قسمت میں لکھی تھی۔ جس تسکین روح کے لیے بے قرار ہو کر ہر سو بھٹک رہا تھا وہ دور دور تک کہیں نظر نہ آتی تھی جس اطمینان خاطر کے لئے ہر پل بے چین تھا اس کا سایہ بھی کہیں نظر نہ آتا تھا دل کچھ اس قدر بیزار ہوا کہ ہر سمت اندھیرا ہی نظر آنے لگا روشنی کی کوئی مدھم کرن نظر آنے کا امکان تک ختم ہو گیا تھا۔ مایوسی حد سے گزر گئی اور میں یہ محسوس کرنے لگا کہ شاید جس راستے کی تلاش ہے وہ دنیا میں کہیں ہے ہی نہیں۔ لیکن قسمت نے مدد کی اور لائبریری سے اچانک ایک کتاب دستیاب ہوئی جو مراٹھی زبان میں تھی جس کے عنوان کے معانی ہیں ''پیغمبر محمد ﷺ کی سیرت واخلاق'' میں جیسے جیسے اس کتاب کو پڑھتا گیا اس طرح اس عظیم شخصیت سے متاثر ہوتا گیا۔ پیغمبر اسلام کا پورے عالم اسلام کے لیے رحمت اللعالمین ہونا میرے لیے انتہائی مسرت کی بات ہوئی اور دفعتاً ضمیر نے یہ محسوس کیا کہ اب تک جس سچائی کی ضرورت

تھی وہ یہی ہے۔

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

جس سچے اور سیدھے راستے کی اب تک جستجو تھی وہ شاید یہی ہے گویا امید کی ایسی پرنور کرن پھوٹی کہ دل کے تاریک گوشے جگمگا اٹھے اور یہیں سے میں نے اسلام کی طرف مطالعہ کے ذریعہ آگے بڑھنا شروع کیا۔

پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت پڑھنے سے اسلام کے متعلق جو بھی غلط فہمیاں اپنے اندر پاتا تھا وہ سب رفع دفع ہو گئیں۔ اب تک سینکڑوں اشخاص کی سوانح حیات پڑھ چکا تھا مگر یہ شخصیت ان سب سے اونچی ثابت ہوئی۔

قرآن شریف کا ایک انگریز مترجم ریورنڈ جی۔ ایم راڈویل لکھتا ہے اور یہ عجیب اور حیرت انگیز نمونہ ہے۔ اس قوت اور روح کا جو ایسے شخص میں ہوتی ہے جس کو خدا اور آخرت پر کامل یقین ہوتا ہے اور جو اپنی عظیم شخصیت کردار کی بنا پر ہمیشہ ان لوگوں میں گنا جائے گا جس کو نوع انسانی کے یقین اعمال پوری اور دنیوی زندگی پر اتنا مکمل اختیار حاصل ہوتا ہے جو کسی اعلٰی ترین شخص کے علاوہ کسی اور کو کبھی نہ حاصل ہوا اور نہ ہوسکتا ہے راڈویل کی طرح دنیا کے بے شمار لوگوں نے پیغمبر اسلام کی عظیم ترین شخصیت کا لوہا مانا ہے جب کہ ان لوگوں کا اسلام سے کوئی تعلق نہ تھا ان میں بعض دنیا کے مشہور فلسفی تھے تو بعض مشہور مؤرخ تھے بعض سائنسدان تھے تو بعض مشہور ادیب بھی تھے۔

رفتہ رفتہ میں اس مقدس کتاب کی طرف متوجہ ہوا جو پیغمبر اسلام پر نازل کی گئی جسے قرآن مقدس کہتے ہیں عربی اور اردو زبان سے میں چونکہ پوری طرح ناواقف تھا اس لئے انگریزی، ہندی ترجمے کو پڑھتا رہا بلاشبہ ہر آیت ایک نور بن کر دل میں اترتی گئی روح بے قرار مدت سے جن باتوں کا تقاضا لئے ہر سو بھٹک رہی تھی وہ ساری قرآن میں ملتی گئیں رب العالمین کا جو تصور ذہن میں تھا اس کا عکس صحیح صحیح قرآن پاک میں

نظر آنے لگا زندگی کے گوشے گوشے میں انسان کو قدم قدم پر جس رہنمائی کی بھی ضرورت ہو وہ قرآن پاک کے صفحات میں پائی گئی۔ بہترین اوصاف واخلاق کی کیا قدر و قیمت ہونی چاہئے اور ان کے ذریعہ ذرہ بھی کس بلندی تک پہنچ سکتا ہے۔ اس بات کو بھی قران نے واضح طور پر فرمادیا ہے۔ نسل، رنگ اور قوم و وطن کے تمام انسانی امتیازات اور بھید بھاؤ کو ختم کر کے قرآن نے سب کو ایک اللہ کا بندہ قرار دیا اور اس کی بندگی کی دعوت بھی دی میں ایک ادنیٰ سا نومسلم کیا عرض کروں۔ وہ الفاظ میسر نہیں جو قرآن شریف کا مکمل تعارف کرا سکیں۔ بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ دنیا کی کسی زبان میں بھی وہ طاقت نہیں کہ قرآن پاک کی مکمل تعریف کر سکے تو بجا ہے بلاشبہ محض ترجے کے مطالعے سے ہی میں نے دل کی گہرائی سے یہ محسوس کیا کہ یقیناً یہ اللہ کی کتاب ہے جو پیغمبر اسلام ﷺ پر نازل کی گئی ہے۔ اور پیغمبر اسلام ﷺ اللہ کے سچے نبی ہیں۔ اور اس بات کو ضمیر نے بے جھجک قبول کیا

جز تیری غلامی کے آخر نہ مفر پایا

ظلمتوں کا خاتمہ ہوا دل کے تاریک گوشے ہدایت سے منور ہوئے مدتوں سے بدن پر چھائے ہوئے پامال پرستش کے سیاہ بادل چھٹ گئے۔ اور آفتاب ہدایت کی ضیاء بار کرنیں اپنا اثر دکھانے لگیں اور بفضل تعالیٰ زندگی کی وہ سب سے زیادہ سعادتیں آ گئیں ایک لمحہ وہ بھی آیا جب میں نے جوش وخروش کے ساتھ یہ اعلان کیا ”اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمد عبده ورسوله“ جی ہاں! میں مسلمان ہو گیا ملت اسلامیہ کا ایک فرد بن گیا تمام دنیا کے مسلمانوں کا دینی بھائی بن گیا۔ اللہ کے حضور بڑے سے بڑے شخص کے ساتھ کاندھے سے کاندھا ملا کر سر تسلیم خم کر کے بندگی واطاعت کرنے والا بن گیا محسن انسانیت ﷺ کا ایک ادنیٰ پیروکار بن گیا۔ محض ایک کلمہ پڑھ لینے سے نہ صرف ظاہری واسمی تبدیلی ہوئی بلکہ دل کی دنیا

ہی بدل گئی کل تک میں دنیا و دنیا کی شان و شوکت کے سامنے سر جھکا تا تھا وہ سر آج صرف اللہ کے سامنے جھکنا جانتا ہے کسی ملک کی بادشاہت بھی مل جائے تو ٹھوکر مارنا گوارہ کر سکتا ہوں بانسبت سر جھکانے کے ہندوستان کے ان لاکھوں غریب و مسکین مسلمانوں کی طرح زندگی بسر کر رہا ہوں جنہیں ہمہ وقت روزی کی فکر ہوتی ہے پریشانیاں گھیرے رہتیں ہیں پھر بھی ایک مسلمان کی حیثیت سے اتنی خوشی ضرور ہے کہ دنیا کا بلکہ دونوں جہانوں کا قیمتی خزانہ ہمارے پاس ہے دین وایمان کی انمول اور لافانی دولت جب ہمارے پاس ہے تو ہمیں اس مٹی کی دنیا سے کیا لینا۔

جب میں مسلمان ہوا تو قصبے کے تمام ہندوؤں کے علاوہ میرے گھر والے بھی جانی دشمن ہو گئے ان کا بس نہ چلتا تھا ورنہ وہ میرا سینہ شق کر کے ایمان کھرچ ڈالتے تاہم بدنی اور روحانی اذیتیں دینے میں انہوں نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی خاص طور پر میرے والد موتھی سنگھ کا غیظ و غضب تو انتہا پر پہنچ گیا۔ ان کی محبت اور شفقت عداوت اور نفرت میں بدل گئی مجھے دیکھ کر ان کی آنکھوں میں واقعی خون اتر آتا اور وہ مجھے بے دریغ جوتوں اور ڈنڈوں سے پیٹنے لگتے، مجھ سے انہوں نے کہا کہ اگر اسلام ترک نہ کرے گا تو مارتے مارتے تجھے مار ہی ڈالوں گا، خواہ بعد میں مجھے پھانسی ہی ہو جائے۔

ناہر سنگھ سے مولانا خلیل الرحمٰن مدنیؒ تک

ہویدا آج اپنے زخم پنہاں کرکے چھوڑوں گا
لہو رو رو کے محفل کو گلستان کرکے چھوڑوں گا
دکھادوں گا جہاں کو جو مری آنکھوں نے دیکھا ہے
تجھے بھی صورت آئینہ حیراں کرکے چھوڑوں گا

آج سے ڈیڑھ سو برس پہلے کا ذکر ہے' یو پی کے مشہور و معروف قصبے رڑکی میں ایک بزرگ تشریف لائے اور قصبے کی ایک چھوٹی سی کچی مسجد میں ٹھہر گئے۔ کشیدہ قامت' سرخ وسفید چہرہ اور چہرے پر برستے ہوئے انوار۔ سرتاپا سفید لباس میں ملبوس' سن کچھ زیادہ نہ تھا' جوانی کی منزلیں طے کرکے ادھیڑ عمری کی سرحدیں قدم رکھ رہے تھے۔ مختصر سی شرعی داڑھی میں چند ہی بال چاندی ہوئے تھے تاہم شان بزرگی ان کی چال ڈھال اور لب و لہجے سے آشکارا تھی۔ گفتگو میں متانت' بشرے سے شرافت اور قول و عمل سے صداقت کا اظہار ہوتا' ابتدا میں جب تشریف لائے تو قصبے والوں نے خاص توجہ نہ دی یہی جانا مسافر ہیں' مسجد میں چند روز ٹھہر کر چلے جائیں گے۔ مگر جب کئی دن گزر چکے اور مولانا کو لوگوں نے وہیں پایا تب ان کے حالات جاننے کی جستجو ہوئی قصبے میں پڑھے لکھے افراد کی تعداد زیادہ نہ تھی تاہم مسلمانوں میں ذی علم موجود تھے۔ مسلمانوں کے علاوہ ہندوؤں برہمنوں کے کئی معزز خاندان بھی رڑکی میں آباد تھے۔ مگر مولانا نے مسجد کو نئے سرے سے آباد کیا۔ اور پھر دیکھتے دیکھتے طلبہ ان کے پاس جمع ہوئے' وہ کسی سے کچھ طلب نہ کرتے لوجہ اللہ درس دیتے' لوگوں کو شرعی مسئلے مسائل سے آگاہ کرتے' خود اذان دیتے اور پانچوں وقت کی امامت کرتے'

دیکھنے والوں نے یہ بھی دیکھا کہ وہ سخت متقی اور پرہیز گار ہیں خود اپنی ذاتی روٹی پکاتے اور صبر شکر سے کھا لیتے بلکہ مسجد میں آنے والے مسافروں کی تواضع بھی خندہ پیشانی سے فرماتے' قصبے کے بازار میں نکلتے تو ادنیٰ و اعلیٰ کو سلام کرنے میں پہل کرتے بات چیت میں منہ سے پھول جھڑتے۔ بہت جلد قصبے کا قصبہ گرویدہ ہو گیا۔ مسلمان تو خیر دیوانہ وار فدا تھے' ہندو برہمنوں کی نگاہوں میں ان کا احترام کم نہ تھا اور اکثر ہندو گھرانوں کے بچے ان سے اردو اور فارسی کا درس لینے مسجد میں آنے لگے۔

مولانا کا ارادہ رڑکی میں قیام کا تو نہ تھا محض سیاحت کے لئے ادھر آ نکلے تھے لیکن اس قصبے کا ماحول اور گردوپیش کی آب وہوا اس قدر پسند خاطر ہوئی کہ وہیں رہنے کا عزم کر لیا وہاں سے ذرا دور حضرت مخدوم علی احمد صابر کلیری علیہ الرحمتہ کا مزار مبارک ہے جہاں مسلمانوں کی ہمہ وقت حاضری ہوتی' دوسری جانب ہندوؤں کا مشہور تیرتھ ہردوار بھی قریب ہی تھا' رڑکی کو اس اعتبار سے بھی خصوصیت حاصل تھی کہ انگریز حکمرانوں نے خاصی بڑی چھاونی قصبے سے باہر بنائی تھی' پہاڑوں کے باعث قصبے کی فضا بے حد خوش گوار اور سرد تھی اور اس کا حسن اس نہر نے دوبالا کر دیا تھا جو پہاڑوں کے اندر سے نکلتی اور آبادی کے درمیان میں سے گزرتی تھی' اسے نہر گنگ کہتے تھے۔

مولانا کا نام نامی اسم گرامی عبدالسمیع تھا اور بیدل تخلص کرتے تھے شاعری میں مرزا غالب سے تلمذ تھا اور اگرچہ شعر کہنے کا ذوق باقی نہ رہا تھا۔ (تاہم مبدائے فیض کا کرم تھا کہ) جب شعر کہنے کا ذوق غالب ہوتا تو نعت کہتے' یہ حالت اس وقت سے شروع ہوئی جب شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کے دست حق پرست پر بیعت کا شرف نصیب ہوا۔ بعد میں حاجی صاحب نے خلافت عطا فرمائی اور مجاز بیعت بھی ہوئے اس کے بعد یک قلم مولانا کی ظاہری حالت تو بدلی ہی تھی' باطنی کیفیت بھی کچھ سے کچھ ہو گئی۔

مولانا کبھی کبھی حضرت مخدوم علاؤالدین صابر کلیریؒ کے مزار پر حاضر ہوتے اور خاصی دیر تک مراقبے میں رہتے ایک دن اسی عالم میں تھے کہ اپنے پیر و مرشد حضرت حاجی امداداللہ کا سراپا دکھائی دیا حاجی صاحب اس زمانے میں ہندوستان سے ہجرت کر کے مکہ معظمہ میں مستقل قیام کی نیت سے آچکے تھے مولانا عبدالسمیع نے دیکھا حاجی صاحب کے ساتھ بارہ تیرہ برس کا ایک لڑکا بھی ہے مولانا نے بصد ادب دریافت کیا حضرت! یہ بچہ کون ہے؟ فرمایا ''ہمارا بیٹا'' اس جواب پر مولانا عبدالسمیع کو بڑی حیرت ہوئی ''یہ آپ کیا فرماتے ہیں'' حاجیؒ صاحب نے جواب دیا ہاں یہ ہمارا بیٹا ہے عنقریب تم اس سے ملو گے؟ اس کا خیال رکھنا!۔

اس مراقبے کے بعد بھی مولانا عبدالسمیع کی نظروں میں اس لڑکے کی صورت مدتوں قائم رہی اکثر حیران ہو کر غور کیا کرتے کہ اس مراقبے میں حاجی صاحب نے جو کچھ فرمایا اس کا اصل مطلب کیا ہے لیکن کچھ سمجھ میں نہ آتا اس شش و پنج میں حاجی صاحب کو خط بھی بھجوایا مگر کوئی جواب نہ ملا خیال کیا کہ شاید حضرت تک خط نہ پہنچا ہوگا تاہم روز بروز روح کی الجھن بڑھتی جاتی تھی ایک روز مسجد میں بیٹھے طلبہ کو درس دے رہے تھے کہ ایک شخص مسجد کے دروازے کے قریب آیا۔ مولانا نے گردن اٹھا کر دیکھا آنے والا رڑکی کا نہایت دولت مند ہندو شخص تھا۔ مستری موتھی سنگھ کے نام سے قصبے کا کون سا ایسا فرد ہوگا جو واقف نہ تھا! مولانا بھی اسے اچھی طرح پہچانتے تھے وہ اٹھ کر دروازے پر گئے اور اب پہلی بار ان کی نظر مستری موتھی سنگھ کے پیچھے کھڑے ہوئے ایک بچے پر پڑی مولانا نے اس کی صورت دیکھی اور مبہوت رہ گئے یہ صورت تو انہوں نے کئی برس پہلے اپنے مراقبے میں دیکھی تھی انہوں نے مستری موتھی سنگھ سے پوچھا کیونکر آنا ہوا اور یہ لڑکا کون ہے؟ مستری نے ادب سے کہا یہ میرا لڑکا ناہر سنگھ ہے اسے پڑھنے لکھنے کا کوئی شوق نہیں ہر وقت کھیل کود میں دھیان رہتا ہے کئی پنڈتوں کے سپرد

کر چکا ہوں کہ اسے آدمی بنائیں مگر سب اس کی شرارتوں سے نالاں ہو کر ہاتھ جوڑ گئے اب مجبور ہو کر آپ کی خدمت میں لایا ہوں اس پر نظر کیجئے اردو اور فارسی پڑھا دیجئے' حسب مقدور نذرانہ پیش کروں گا۔

مولانا نے مسکراتے ہوئے فرمایا "فقیر کو نذرانہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں بچے کو چھوڑ جایئے خدا نے چاہا تو آپ کو شکایت نہ ہو گی!"

مستری موتی سنگھ بچے کو چھوڑ گیا مولانا نے شفقت اور محبت سے اس کا ہاتھ پکڑا اور مسجد کے اندر لے گئے ناہر سنگھ نے ابتداء میں رسیاں تڑانا چاہیں مگر بہت جلد مولانا کے حسن سلوک اور محبت نے اسے رام کر لیا ایسی شفقت اور ایسا پیار تو اسے اپنے گھر میں بھی نہ ملا تھا چند روز کے اندر اندر مولانا سے ایسا انس ہوا کہ گھر جانے کو تیار نہ ہوتا مولانا کے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ کا فرمان تھا کہ یہ میرا بیٹا ہے اس اعتبار سے ہر وقت ناہر سنگھ کی تعلیم و تربیت کا ایسا خیال رکھتے جیسے انہی کی اولاد ہے دیکھتے دیکھتے ناہر سنگھ نے فارسی کی ابتدائی کتابیں ختم کر لیں اور مولانا نے اسے قرآن مجید پڑھانا شروع کیا تاہم اتنا ضرور سمجھایا کہ ابھی اپنے گھر والوں سے اس کا ذکر نہ کرنا آہستہ آہستہ ناہر سنگھ کے ذہن میں ایک عجیب انقلاب برپا ہونے لگا مولانا اسے سیرت رسول ﷺ اور اصحابؓ رسول کے واقعات سنایا کرتے خود بہت اچھے قاری بھی تھے جب طلبہ پڑھ کر رخصت ہو جاتے تو ناہر سنگھ کو سامنے بٹھا کر قرآن کی تلاوت کرتے یہاں تک کہ ایک روز ناہر سنگھ نے روتے ہوئے ان کے قدموں پر سر رکھ دیا اور اسے کفر کی تاریکیوں سے نکال کر اسلام کے نور سے منور کرنے کی التجا کی ناہر سنگھ جب مولانا کے حلقہ تلمذ میں داخل ہوا تھا تو اس کی عمر بارہ برس تھی چھ سال کا عرصہ گزر گیا تھا۔ اب وہ اٹھارہ برس کا نوجوان تھا اور مروجہ قانون کی رو سے قطعی بالغ اور عاقل چنانچہ مولانا نے اسے دائرہ اسلام میں داخل کر لیا اور اس کا ہندوانہ نام بدل کر نیا اسلامی نام خلیل الرحمٰن

رکھا۔

ناہر سنگھ نے اپنے اسلام لانے کا واقعہ خود قلم بند کیا اسے ہم اس کے الفاظ میں یہاں درج کرتے ہیں۔

''ایک دن سبق ختم ہوا اور میں نے مولانا سے گھر جانے کی اجازت چاہی تو انہوں نے فرمایا ناہر سنگھ! یہ تو بتاؤ خدا نے ہمیں کس لئے پیدا کیا ہے؟ میں نے جواب دیا اپنی عبادت کے لئے' یہ سن کر مولانا متبسم ہوئے اور بولے عبادت سے تمہاری کیا مراد ہے؟ میں نے عرض کیا جو کچھ آپ نے تعلیم فرمایا ہے اسی کی بنا پر کہتا ہوں کہ میں اپنے دھرم کا سختی سے پابند ہوں اور یہی ہمارے گھر کا دستور ہے' میرے والد دھرم کے معاملات میں بہت احتیاط کرتے ہیں اور کسی روزعایت کے قائل نہیں ۔ میں بغیر نہائے کھانا نہیں کھاتا اور کھانا بھی ہمیشہ زمین لیپ پوت کر چوکے ہی پر کھاتا ہوں دیوی دیوتاؤں کی پوجا بھی پابندی سے کرتا ہوں ہمارے گھر میں بڑے پنڈت جی برابر آتے رہتے ہیں سارا گھرانا انہیں گرو مانتا ہے وہ جو باتیں بتاتے ہیں انہیں سننا اوران پرعمل کرنا بھی میرا کام ہے بس اس سے زیادہ میں اپنے دھرم کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔

مولانا خاموشی سے میری تقریر سنتے اور مسکراتے رہے' آخرانہوں نے دل نشین لہجے میں فرمایا بیٹا! یہ تمہاری پوجا پاٹ اور دیوی دیوتاؤں کی مورتیوں کے آگے سر جھکانا عبث ہے یہ بت تو اپنے ہاتھ سے تم نے خود بنائے ہیں ان پر اگر مکھی اور مچھر بیٹھ جائے تو یہ انہیں اڑانے کی سکت نہیں رکھتے بھلا یہ بت تمہاری کیا حاجت پوری کرسکیں گے؟ اشنان کرکے ننگے بدن کھانا پینا اور گائے کے گوبر اور پیشاب کو پاک سمجھنا دھرم کیسے ہوگیا؟ تم خوب سمجھتے ہو کہ یہ چیزیں نجس اور ناپاک ہیں تم اپنے دھرم پر جتنا غور کروگے اتنی ہی الجھنیں تمہارے سامنے آجائیں گی۔

مولانا کی یہ باتیں میں پہلے بھی سنتا رہا تھا لیکن اس روز انہوں نے جو کچھ فرمایا وہ اتنا اثر انگیز تھا کہ ایک ایک لفظ دل میں اترتا چلا گیا پہلی بار مجھے احساس ہوا کہ ہمارا دھرم اور اس کا سارا سلسلہ کس قدر خلاف عقل ہے رفتہ رفتہ میں نے دین اسلام کا گہرا مطالعہ شروع کیا مولانا کی صاف اور سیدھی سادی اسلامی زندگی میری سامنے بطور نمونہ تھی میں نے رسول اللہ ﷺ کی سیرت اقدس سے متعلق بہت سے واقعات مختلف کتابوں میں پڑھے اور اپنے محترم استاد کی زبان سے بھی سنے ان سے بھی گہرا اثر قبول کیا اور یوں ذاتی تحقیق و جستجو سے مجھے بخوبی اندازہ ہو گیا کہ میں کتنی گمراہی اور تاریکی میں گھرا ہوا ہوں روز بروز کفر سے مجھے نفرت ہوتی چلی گئی اور دائرہ ایمان میں داخل ہونے کے لئے اضطراب اور بے قراری میں اضافہ ہوتا رہا یہاں تک کہ وہ مبارک ساعت آ گئی جب مولانا نے میری طلب اور درخواست پر مجھے کلمہ طیبہ پڑھایا اور میں نے باقاعدہ اسلام قبول کر لیا لیکن مصلحت کے تحت میں نے اپنے اسلام کا اعلان باقاعدہ نہ کیا اسلام قبول کرنے کے بعد مولانا کی شفقت' محبت اور ہمدردی بہت بڑھ گئی انہوں نے مجھے قرآن کریم ناظرہ پڑھایا پھر تفسیر پڑھائی فقہ اور حدیث کی تعلیم بھی دی صوم و صلوٰۃ کا پابند کیا مگر یہ تمام امور پوشیدہ ہی سرانجام دیا کرتا ان دنوں مولانا ایک چھوٹے سے مکان میں منتقل ہو گئے تھے میں وہیں جا کر نمازیں ادا کرتا قرآن کی تلاوت میں اس قدر سرور و حظ ملتا کہ بیان سے باہر ہے لیکن سب سے زیادہ دشواری رمضان المبارک میں پیش آیا کرتی میں روزے سے ہوتا اور میرے گھر والے مجھے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلانے کی کوشش کرتے اور اس حقیقت سے بچنے کے لئے طرح طرح کی تدبیروں اور حیلے بہانوں کا سہارا لینا پڑتا تھا۔

کبھی میں نہانے میں دیر کر دیتا کبھی کہتا میرے پیٹ میں درد ہے میں کھانا نہیں کھاؤں گا کبھی بہانہ کرتا کہ اس وقت میں چاول اور روٹی نہیں کھاؤں گا حلوا پوڑی

کھانے کو جی چاہتا ہے اور میں خود جا کر بازار سے لاؤں گا کبھی یہ تدبیر کرتا کہ اس قدر سردی ہے اگر میں نہایا تو بیمار پڑ جاؤں گا اور نہائے بغیر کھانا ہمارے دھرم میں کھایا نہیں جا سکتا اس لئے آج فاقہ ہی کرلوں تو بہتر ہے ویسے بھی طبعیت ٹھیک نہیں میرا کھانا رکھ دیا جائے جب بھوک لگے گی تب کھالوں گا ان حیلوں بہانوں کے بعد بھی طوعاً کرہاً گھر والے جب مجھے کھانے کے لئے بٹھا لیتے تو میرے اضطراب اور بے چینی کی انتہا نہ رہتی معاً کوئی نہ کوئی نیا حیلہ سوجھ ہی جاتا اور میں یہ عذر کر کے اٹھ کھڑا ہوتا کہ چھوٹی بہن نے میرے کھانے کی تھالی کو ہاتھ لگا دیا ہے اب میں یہ کھانا نہیں کھا سکتا وغیرہ وغیرہ...... قصہ مختصر ہزاروں جتن کر کے اپنا روزہ بچاتا پھر بھی ایسے لمحے نمودار ہو ہی جاتے جب والد مجھے اپنے سامنے بڑی محبت سے بٹھا لیتے اور کھانا کھانے کا حکم دیتے اس وقت میرے لئے اس کے سوا اور کوئی تدبیر نہ ہوتی کہ جھوٹ موٹ منہ چلاتا رہوں اور چھوٹے چھوٹے لقمے بنا کر نہایت ہوشیاری سے والد کی نگاہ بچا کر اپنے دامن یا قریب رکھی ہوئی پانی کی گڑوی میں ڈالتا جاؤں اور جب والد کھانا کھا کر اٹھیں تو وہ گڑوی کسی جگہ خالی کر آؤں لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا یہ احساس میرے قلب وروح کو چھیدنے لگا کہ اگر میں واقعی مسلمان ہوں تو مجھے اس قسم کے کمزور سہاروں اور حیلے بہانوں سے کام نہ لینا چاہئے اپنے مسلمان ہونے کا بے خوف وخطر اعلان کر دینا چاہئے آخر ایک نہ ایک دن تو لوگوں کو پتہ چل ہی جائے گا۔

ابھی میں اسی شش و پنج میں تھا کہ ایک روز خود بخود یہ راز کھل گیا۔ میں مولانا کے مکان پر پہنچا اور ظہر کی نماز کے لیے مصلی بچھایا پھر ان کا لوٹا لے کر وضو کرنے لگا میں نماز قضا ہو جانے کے ڈر سے اتنی عجلت میں تھا کہ معمول کی احتیاطیں بھی بھول گیا اور مجھے قطعاً پتہ نہ چلا کہ یہ سب حرکتیں میرا حقیقی ماموں جواہر سنگھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے ادھر میں نے نماز کی نیت باندھی ادھر میرا ماموں مولانا کے مکان میں آ گیا اور

چپ چاپ وہیں کھڑا مجھے رکوع وسجود کرتے دیکھتا رہا جب میں نے سلام پھیرا تو اس پر نگاہ پڑی ایک لمحے کے لیے میرے قلب کی حالت دگرگوں ہوئی مگر فوراً ہی میں نے دل ہی دل میں استغفار شروع کردی ماموں نے لال پیلی آنکھیں نکال کر کہا بدمعاش! کیا تو مسلمان ہوگیا ہے؟ دیکھ تیری کیا درگت بنواتا ہوں! تجھے زندہ چھوڑ دیا تو میرا نام جواہر سنگھ نہیں کچھ اور ہے یہ کہہ کر وہ غصے میں بڑبڑاتا باہر نکل گیا اور میں دم بخود مصلّے پر بیٹھے کا بیٹھا رہ گیا۔

اس کے بعد ناہر سنگھ پر ابتلا وآزمائش کا وہ دور آیا جو کم وبیش چھ سال جاری رہا اس کے والد اور خاندان کے دوسرے لوگوں نے اس اٹھارہ سالہ نوجوان پر ظلم وستم اور تشدد کا ایسا سلسلہ شروع کیا جس کے تصور ہی سے بدن پر لرزہ طاری ہوتا ہے مولانا عبدالسمیع نے ناہر سنگھ سے کہا کہ آزمائش کے اس کٹھن وقت میں اگر عزم واستقلال اور صبر وثبات سے کام لو گے تو انشاء اللہ دشمنوں کے دل خود ایک روز نرم ہوجائیں گے ناہر سنگھ مولانا کے گھر سے رخصت ہوکر جب مکان پر پہنچا تو مستری موتھی سنگھ گھر کے دوسرے افراد سمیت اپنے بیٹے کا انتظار کررہا تھا جواہر سنگھ نے نہ جانے کیا کیا کہا تھا کہ ہر ایک کی آنکھوں میں خون اتر رہا تھا موتھی سنگھ نے زندگی میں شاید پہلی بار اپنے بیٹے کو انتہائی بے دردی سے پیٹا پہلے ہاتھوں سے اور پھر بید سے ناہر سنگھ کی ماں نے ایک دوبار اسے بچانے کی ہمت کی مگر موتھی سنگھ غصے میں اندھا ہورہا تھا اس نے ناہر سنگھ کی ماں کو بھی مارا اور کہا کہ تو نے اس کو جنا ہے اور اس نے مسلمان ہوکر پورے خاندان کی عزت آبرو خاک میں ملادی ہے اس لئے تو بھی اتنی ہی قصوروار ہے جتنا تیرا لڑکا! ناہر سنگھ پٹتا رہا اور پٹ پٹ کر لہولہان ہوگیا اس نے زبان سے اف نہ کی اذیت کے بارے میں خود ایک جگہ لکھا ہے ”اس روز میرے والد اتنے مشتعل تھے کہ میں نے پہلے انہیں اس عالم میں کبھی نہ دیکھا تھا ایسا لگتا تھا مجھے جان سے مار ڈالیں

گے تاہم جوں جوں ان کا ہاتھ چلتا گیا میں دل ہی دل میں درود شریف پڑھتا رہا بالآخر وہ مار مار کر تھک گئے اور غصے میں کانپتے ہوئے دوسرے کمرے میں جا کر چار پائی پر لیٹ گئے کئی دن میرے زخموں پر ہلدی چونا تھوپا جاتا رہا والد نے حکم دیا تھا کہ گھر کا کوئی فرد میرے قریب نہ آئے اور بات بھی نہ کرے اور نہ مجھے باہر نکلنے دیا جائے۔

آہستہ آہستہ بستی کے تمام ہندوؤں کو علم ہو گیا کہ موتھی سنگھ کے بیٹے نے اپنا دھرم چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا ہے' ایک سے دوسرے تک غل مچ گیا۔ دھرم کے بڑے بڑے بوڑھے جمع ہوئے اور گھنٹوں اس امر پر سوچ بچار ہوا کہ اس فتنے کو کیونکر روکا جائے' خدشہ یہ تھا کہ آج ناہر سنگھ مسلمان ہوا ہے کل کلاں کوئی اور ہندو لڑکا اپنا دھرم چھوڑ یگا۔

''جب میں مسلمان ہوا تو قصبے کے عام ہندوؤں کے علاوہ میرے گھر والے بھی جانی دشمن ہو گئے ۔ ان کا بس نہ چلتا تھا ورنہ وہ میرا سینہ شق کر کے ایمان کھرچ ڈالتے تاہم بدنی اور روحانی اذیتیں دینے میں انہوں نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی خاص طور پر میرے والد موتھی سنگھ کا غیظ وغضب تو انتہا پر پہنچ گیا' ان کی ساری محبت اور شفقت عداوت اور نفرت میں بدل گئی مجھے دیکھ کر ان کی آنکھوں میں واقعی خون اتر آتا اور وہ مجھے بے دریغ جوتوں اور ڈنڈوں سے پیٹنے لگتے' مجھ سے انہوں نے کہا اگر اسلام ترک نہ کرے گا تو مارتے مارتے تجھے مار ہی ڈالوں گا' خواہ بعد میں مجھے پھانسی ہی ہو جائے۔

ایک رات اپنی کال کوٹھڑی میں پڑا آنسو بہا رہا تھا' دن بھر مجھے کھانے کو کچھ نہ ملا تھا' حد یہ کہ پانی کی ایک بوند بھی میرے حلق سے نہ اتری' اسی حال میں غنودگی سی طاری ہوئی' خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک حسین وجمیل نوجوان میرے پاس آیا مجسمہ وقار اور پیکر جمال وجلال اس کی رفتار وگفتار سے شان ربی کا مظاہرہ ہو رہا تھا' میں نے حیرت سے پوچھا' آپ کون ہیں؟ نوجوان نے متبسم ہو کر کہا' میں امداد اللہ

ہوں ...... آو میرے ساتھ چلو ...... یہ کہہ کر اس نے میرا ہاتھ تھاما اور مغرب کی جانب روانہ ہوا میں حیران پریشان اس نوجوان کے ساتھ چلا جارہا تھا اور خواب ہی میں مجھے احساس ہوا کہ یہ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ ہیں جو نوجوان کی شکل میں تشریف لائے ہیں مجھے ان سے کچھ پوچھنے کی جرات ہی نہ ہوئی کہ آپ مجھے کہاں لئے جارہے ہیں چپ چاپ چلتا گیا اور میرا ہاتھ بدستور وہ اپنے دست مبارک میں تھامے رہے یکا یک خود کو ایک شہر میں پایا لوگ عربی لباس پہنے اِدھر سے اُدھر آجارہے تھے اور میری نگاہوں کے سامنے کوچہ و بازار پھیلتے چلے گئے تھے تب میں نے اپنے رہبر سے پوچھا کہ حضرت! جہاں اس وقت آپ مجھے لائے ہیں یہ کونسی جگہ ہے؟ حضرت امداد اللہ نے فرمایا خلیل الرحمٰن ذرا چشم دل کھول کر دیکھ ...... اس گھر کا مالک اور مکین زمانے کا شہنشاہ ہے ...... اتنا کہنا تھا کہ میری آنکھیں روشن ہوگئیں حجابات اٹھنے لگے' میں نے دیکھا کہ میرے سامنے تمام جمال آرائیوں اور تابانیوں کے ساتھ کعبۃ اللہ موجود ہے اس کا سیاہ ریشمی پردہ عجب بہار دکھا رہا ہے اور ہر حیثیت کے انسان اور ملائکہ مصروف طواف ہیں خواب میں کعبے کی زیارت سے میرا قلب رب العالمین کی جلوہ گاہ بن گیا اور جب دفعتاً میری آنکھ کھلی تو میرا اضطراب انتہا کو پہنچ چکا تھا' دل میں خدا اور حبیب خدا ﷺ کی محبت بڑھتی جارہی تھی اور کسی پہلو قرار نہ تھا اس کے ساتھ مستقبل میں پیش آنے والے شدائد کا تصور میرے جذبہ عشق و محبت کے لئے مہمیز ثابت ہوا اور قلب میں محبت کا ایسا شعلہ بھڑکا' جس نے باطل کا ہر رابطہ خاکستر بنا کر رکھ دیا۔

ایک روز والد نے میری والدہ سے کہا' اگر یہ لڑکا مجھے صاف صاف بتادے کہ مسلمان ہو چکا ہے اور دوبارہ اپنے سچے دھرم پر واپس آنے کے لئے تیار نہیں تو میں اسے زہر دے کر بدنامی سے نجات حاصل کرلوں میری والدہ مجھ سے بڑی محبت کرتی

تھیں اور گھر بھر میں یہی ایک ہستی ایسی تھی جس سے مجھے بھلائی کی توقع تھی، وہی مجھے چپکے سے آن کر کھانا دے جاتیں اور بار بار اس بات کی تلقین کرتیں کہ اپنے باپ کے سامنے مسلمان ہونے کا اعتراف نہ کرنا ورنہ وہ تجھے قتل کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں، میں خاموش رہتا ہاں یا نہ میں کچھ جواب نہ دیتا، جب چند روز گزر گئے تو والدہ نے میرے والد کو مشورہ دیا کہ منوہر سنگھ ابھی بچہ ہے نا سمجھ ہے اس پر اتنی سختی ٹھیک نہیں غلطی تو اپنی ہی ہے کہ اسے کیوں ایسے شخص کے پاس پڑھنے بٹھایا جس نے اس پر جادو ٹونا کر دیا ورنہ ہمارا بچہ کبھی مسلمان نہ ہوتا جونہی اس کا اثر ٹوٹے گا وہ دوبارہ اپنے دھرم میں آ جائے گا بہتر یہ ہے کہ اسے رڑکی سے باہر کسی اور جگہ بھیج دیا جائے تاکہ یہاں کے مسلمانوں سے اسے ربط ضبط کا موقع ہی نہ ملے۔ یہ بات والد کے ذہن میں بیٹھ گئی انہوں نے ہندی انگریزی اور حساب کے کئی ہندو ٹیچر میری تعلیم اور نگرانی پر مقرر کر دیئے اور میرے گھر سے باہر جانے پر پابندی لگ گئی۔

ایک دن ہندی اور سنسکرت پڑھانے والے پنڈت جی نے مجھ سے پوچھا، کیا واقعی میں مسلمان ہو گیا ہوں؟ میں نے صاف اقرار کرنا مناسب نہ جانا البتہ اتنا کہا'' میں نے اسلام کے بارے میں کتابیں پڑھی ہیں اور مجھے اس دین میں کوئی بات قابل اعتراض نظر نہیں آئی، میری باتیں سن کر پنڈت جی کو بھی دلچسپی پیدا ہوئی اور وقتاً فوقتاً میں نے انہیں اسلام کی خاص خاص باتوں اور خوبیوں سے آگاہ کرنا شروع کیا سیرت رسول ﷺ اور اصحاب رسولؓ کے کارنامے سنائے بزرگان دین کی زندگیوں اور ان کے پاکیزہ معمولات واشغال سے خبردار کیا میں نے محسوس کیا میری یہ باتیں سن کر پنڈت دھرم پرشاد جی کچھ کھو سے جاتے اور ان کا چہرہ متغیر ہونے لگتا مجھے شبہ ہوتا کہ شاید غیظ وغضب میں آن کر مجھے ادھیڑنے لگیں گے یا والد سے شکایت کریں گے کہ آپ کا بیٹا تو ہاتھ سے جاتا رہا یہ پکا مسلمان ہو چکا ہے اور اب اس کے ہندو دھرم میں

واپس آنے کا کوئی امکان نہیں لیکن ایسا نہ ہوا بلکہ ایک روز وہ مجھے اپنے ساتھ گھر سے باہر باغ میں لے گئے اور ادھر ادھر دیکھ کر کہنے لگے بیٹا! میں تیرا احسان مند ہوں کہ تو نے مجھے گمراہی اور تاریکی سے نکالا' میں جان گیا ہوں کہ اسلام ہی سچا دین اور دھرم ہے اب تو مجھے کلمہ پڑھا کر مسلمان کر لے میں مبہوت ہو کر اس کا چہرہ تکنے لگا مجھے اپنی سماعت پر یقین ہی نہ آ رہا تھا لیکن جب میں نے پنڈت جی کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تو یقین آ گیا وہیں باغ میں بنے ہوئے کنوئیں پر پنڈت جی نے غسل کیا اور میں نے انہیں کلمہ طیبہ پڑھا کر دائرہ اسلام میں داخل کر لیا پنڈت جی کے مشرف بہ اسلام ہونے سے میرے قلب کو اس قدر تقویت پہنچی اور ایسی روحانی روشنی نصیب ہوئی جو اس کے بعد زندگی میں پھر کبھی نصیب نہ ہوئی اب ہم دونوں گھر سے نکل کر باغ میں آ جاتے اور نہایت اطمینان سے نمازیں پڑھتے' میں نے پنڈت جی کو ناظرہ قرآن پڑھایا گھر میں والد کے سامنے وہ بدستور پنڈت بنے رہتے مجھے ہندی اور سنسکرت کی کتابیں پڑھاتے' رامائن اور بھوگ گیتا کا درس دیتے اور گھر سے باہر میں ان کا استاد بن جاتا۔

ہمارے گھر میں کئی نوکر تھے ان میں بہلی ہانکنے والا ایک بوڑھا دیارام بھی شامل تھا دیارام نے مجھے بچپن میں کھلایا تھا اور مجھ سے بڑی الفت رکھتا تھا ایک دن جب ہم باغ میں اپنے منتخب گوشہ تنہائی میں نماز پڑھ رہے تھے خلاف معمول دیارام ادھر آ گیا اور اس نے مجھے اور پنڈت جی کو نماز پڑھتے دیکھ لیا وہ وہیں بیٹھ گیا اور جب ہم نے سلام پھیرا تو وہ اٹھ کر پنڈت جی کے قدموں میں گر پڑا معلوم ہوا کہ وہ بھی مسلمان ہونا چاہتا ہے اور مدتوں سے یہ پاکیزہ خواہش دل میں لئے پھر رہا ہے دیارام کو بھی ہم نے مسلمان کیا اور اب ہم تین مسلمان ہو گئے نمازوں میں جو لطف آتا وہ میں بیان نہیں کر سکتا کبھی پنڈت جی امامت کرتے اور میں اور دیارام مقتدی بنتے کبھی میں امامت

کرتا اور وہ دونوں مقتدی ہوتے والد کو بھی گھر بھر کے نوکروں میں دیا رام پر سب سے زیادہ اعتماد تھا چنانچہ جب مجھے گھر سے باہر کہیں جانا ہوتا تو وہ دیا رام ہی کو میرے ساتھ بھیجتے اور یوں اللہ کی رحمت سے میرے تمام معمولات حسب مرضی پورے ہو جاتے۔

ایک دن والد صاحب نے مجھے بلایا اور محبت سے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب ہی بٹھالیا اور نرم آواز میں کہا ناہر سنگھ! مجھے بتاؤ تم کس دھرم کو بہتر اور سچا سمجھتے ہو میں نے جواب میں کہا یقین کیجئے میں اپنے ہی دھرم کو صحیح اور سچا سمجھتا ہوں میرا دھرم سچا ہے اور دوسرے تمام مذہب غلط ہیں۔ غرض میں نے اس قسم کی کئی باتیں کہیں جو غلط تھیں نہ جھوٹ والد یہ سب سن کر کچھ مطمئن دکھائی دینے لگے اور انہوں نے مجھ سے کہا بیٹا! تمہارا ہی دھرم سب دھرموں کے مقابلے میں سچا ہے اسے کبھی نہ چھوڑنا اس پر جمے رہنا!

لیکن چند ہی روز بعد ایک عجیب سانحہ ہوا جس نے والد کے دل میں پھر میری طرف سے غبار بھر دیا کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی کے دیدار کی حسرت اور اضطراب روز بروز بڑھتا جاتا اور مجھے ایک لحظہ قرار نہ تھا ایک روز تنہائی کے عالم میں طبیعت اس جذبے سے بے خود ہو گئی اور میں گردو پیش کے ماحول سے بے نیاز بلند آواز میں حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے وہ اشعار پڑھ کر زار و قطار رونے لگا جو آپ نے میدان کربلا میں پڑھے تھے۔

ان نلت یاریح الصبا یوما الی ارض الحرم
بلغ سلامی روضتا فیھا النبی المحترم

ترجمہ: یعنی اے صبح کی ہوا اگر کسی روز تو مدینہ منورہ کی طرف جائے تو روضہ رسول ﷺ پر میرا محبت بھرا سلام پہنچا دینا۔

"مجھے خبر بھی نہ ہوئی کہ میری آواز کب والد کے کانوں تک گئی اور کب انہوں

نے لاتوں اور گھونسوں سے میری پٹائی شروع کی مارتے جاتے اور کہتے جاتے بدمعاش میرے ہی گھر میں اتنی اونچی آواز سے قرآن پڑھتا ہے...... میں نے لاکھ کہا کہ میں قرآن نہیں پڑھ رہا تھا لیکن انہوں نے ایک نہ سنی اور میری ہڈی پسلی ایک کر ڈالی نتیجہ یہ کہ ایک بار پھر میرے ساتھ گھر میں اچھوتوں کا سا سلوک ہونے لگا اور والد نے میری نگرانی پہلے سے زیادہ کڑی کر دی۔ والد نے جب سے مجھے عربی زبان میں اشعار پڑھتے سنا تھا ان کا شک وشبہ پھر زندہ ہو گیا تھا اور وہ سمجھ چکے تھے کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں انہی دنوں ایک زبردست نجومی رڑکی میں آیا بہت لوگ اس سے اپنا احوال پوچھتے تھے والد نے اسے گھر میں بلایا اور مجھے بھی حاضر ہونے کا حکم دیا نجومی نے میرے چہرے پر نگاہ ڈالی اور اس کا رنگ اڑنے لگا میں نے فوراً دل میں آیت الکرسی کا ورد شروع کر دیا اور چپکے سے نجومی پر دم کر دیا دم کرنا تھا کہ اس کے ہاتھ پاؤں بری طرح لرزنے لگے اور اس کے منہ سے ایک لفظ تک نہ نکل سکا چند لمحوں بعد اس نے جانے کی اجازت چاہی اور گھر کے دروازے سے نکلتے ہی ایسا بھاگا کہ مڑ کر بھی نہ دیکھا نجومی کی اس حرکت پر سب لوگ سخت متعجب ہوئے اور ہر فرد اپنی اپنی بولی بولنے لگا اس واقعے کا والد پر گہرا اثر ہوا اور انہوں نے گھر میں والدہ سے ذکر کیا کہ مجھے اس لڑکے سے خوف آنے لگا ہے اس کے اندر کوئی زبردست شکتی ہے چنانچہ اس روز سے انہوں نے مجھے مارنا پیٹنا بہت کم کر دیا تاہم نگرانی اسی طرح رہی۔

ایک دن اپنے مکان کی ڈیوڑھی میں اداس بیٹھا تھا اور تصور بندھا ہوا تھا اپنے استاد محترم کا کہ دور سے تین پاکیزہ صورتوں والے آدمی مجھے دکھائی دیئے دل بے اختیار ان کی طرف کھنچنے لگا اتفاق سے اس وقت گھر کا کوئی فرد میری جانب متوجہ نہ تھا میں آہستہ سے باہر نکل گیا وہ تینوں بزرگ آہستہ آہستہ چلتے ایک کھیت کے قریب پہنچے اور چادر بچھا کر بیٹھ گئے میں نزدیک گیا تو اٹھ کھڑے ہوئے پھر انہوں نے باری

باری مجھے سینے سے لگایا میں نے دیکھا ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں معلوم ہوا وہ تینوں محض مجھے دیکھنے کے لیے دیوبند سے تشریف لائے ہیں اس سے پہلے میں نے انہیں دیکھا تھا نہ ان کے اسمائے گرامی سے واقف تھا۔ ان میں سے ایک بزرگ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی تھے۔ دوسرے مولانا سعادت علی اور تیسرے صاحب مولانا فیض الحسن سہارنپوری تھے۔ انہوں نے مجھے دین حق قبول کرنے پر مبارک باد دی اور نصیحت فرمائی اس راہ میں جتنی تکالیف آئیں انہیں خندہ پیشانی سے برداشت کرنا ایک دن آئے گا کہ جب یہ پریشانیاں جاتی رہیں گی اور اللہ تمہیں صبر و شکر کے عوض دین و دنیا کی بھلائی عطا فرمائے گا ان تینوں بزرگوں کی زیارت سے طبیعت بے حد مسرور و محظوظ ہوئی قلب کی طمانیت اور روح کی سرشاری کا کیا کہنا! احساس ہوا کہ راہ حق میں اب تک جتنے مصائب جھیلے حقیقت میں ان کی حیثیت پر کاہ کے برابر نہ تھی اگر اس سے بھی زیادہ آزمائشیں آئیں تو انشاء اللہ ان میں بھی پورا اتروں گا۔

یہ تینوں حضرات پورے ہندوستان میں مشہور و معروف تھے اور یہ ممکن ہی نہ تھا کہ رڑکی میں ان کی آمد کی خبر کسی کو نہ ہوئی ہو آناً فاناً سینکڑوں مسلمانوں کا ہجوم ہو گیا ادھر میں سخت محجوب کہ میرے سبب ان بزرگوں کو تکلیف ہو گی اسی اثنا میں قصبے کے ہندوؤں نے بھی مجھے ان حضرات سے ملاقات کرتے دیکھ لیا تھا اور یہ خبر والد کے کانوں تک بھی پہنچ گئی میں گھر گیا تو وہ میرے منتظر تھے اور ان کی آنکھوں میں جیسے خون اترا ہوا تھا میں سمجھا آج پھر خیر نہیں بری طرح مرمت ہو گی چنانچہ میں نے زیر لب کلمہ طیبہ کا ورد شروع کیا اور گھر کے اندر چلا گیا والد اپنی جگہ بیٹھے مجھے دیکھتے رہے اور خلاف معمول انہوں نے اس وقت کچھ سرزنش نہ کی میں سیدھا اپنے کمرے میں گیا اور چارپائی پر لیٹا رہا تھوڑی دیر بعد آہٹ سی ہوئی میں نے گردن اٹھا کر دیکھا تو والد تھے انہوں نے آتے ہی اندر سے کمرے کا دروازہ بند کر دیا اور چٹخنی چڑھا دی

میں سمجھا اب آفت ٹوٹے گی لہٰذا میں نپٹنے کے لئے تیار ہو گیا لیکن میں قطعی بھونچکا رہ گیا جب والد صاحب نے سر سے اپنی پگڑی اتاری اور میرے قدموں میں رکھ دی میں جلدی سے پیچھے ہٹ گیا اور میں نے کہا یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولے بیٹا! میری آبرو رکھ لو مجھے لوگوں میں رسوا نہ کرو تم اپنے گھر میں جو چاہو کرو مگر جب تک میں زندہ ہوں کھل کر ایسی حرکتیں نہ کرو جن کے سبب مجھے بدنامی اور شرمندگی سے دوچار ہونا پڑے یہ کہتے ہی وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے اور اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی میں دم بخود تھا کہ کچھ عقل میں نہ آتا تھا کیا کروں محبت پدری جو ایک طبعی چیز ہے میرے اندر جوش کرنے لگی اور میں نے ان سے کہا اچھا آئندہ آپ کی مرضی کے خلاف نہ کروں گا یہ سن کر وہ خوش ہوئے اور اپنے آنسو پونچھنے لگے میں نے پگڑی دوبارہ ان کے سر پر رکھ دی اگلے ہی روز وہ سورج نکلنے کے وقت میرے پاس آئے اور کہنے لگے نا ہر سنگھ تو نے وعدہ کیا تھا کہ میری مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کرے گا اور جو میں حکم دوں گا اس کی تعمیل کرے گا میں نے کہا کہ آپ کی پہلی بات کا اقرار کرتا ہوں کہ آپ کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کروں گا البتہ میں نے اس کا وعدہ نہیں کیا کہ جو حکم آپ دیں گے اس کی بھی تعمیل کروں گا خیر آپ فرمایئے انہوں نے کہا میرے ساتھ چلو اور سورج دیوتا کو ہاتھ جوڑ کر پرنام کرو تب میں جانوں کہ تمہیں میری خوشی عزیز ہے یہ سنتے ہی میں نے ان سے کہا یہ حرکت مجھ سے نہ ہو گی خواہ آپ جان سے مار ڈالیں اگر میں سورج کو پرنام نہ کروں تو اس سے آپ کا کیا بگڑتا ہے اور کونسی بدنامی ہوتی ہے؟ والد چند لمحے چپ چاپ میری صورت تکتے رہے پھر کچھ کہے بغیر واپس چلے گئے۔

آخر کار والد صاحب نے تنگ آ کر مجھے حکم دیا کہ ان کے ساتھ مہیوڑ چلوں مہیوڑ رڑکی سے دس بارہ کوس دور ایک چھوٹا سا گاؤں ہے وہاں ان کے ماتحت سینکڑوں

کاریگر کام کیا کرتے تھے والد خود تو گھوڑے پر سوار ہوئے اور مجھے اذیت دینے کے لیے پیدل چلنے کا حکم دیا میرے لئے یہ بھی راحت ہی تھی۔ مہوڑ پہنچ کر انہوں نے اپنے آدمیوں کو تاکید کی کہ یہ لڑکا دن رات تمہارے ساتھ رہے گا اور کوئی غیر شخص یا مسلمان اس کے قریب بھی بھٹکنے نہ پائے اس کا کھانا پینا بھی تمہارے ساتھ رہے گا اور تم اسے بڑھئی کا کام سکھاؤ ان لوگوں نے والد کے حکم کی تعمیل کی اور مجھے کام سکھانا شروع کر دیا ساتھ ساتھ وہ کفر و شرک کی باتیں بھی سناتے رہتے رات کو جب یہ لوگ تھک ہار کر سو جاتے تو میں نگرانی کرنے والوں سے کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے نہر پر چلا جاتا اور دن بھر کی نمازیں رو رو کر ادا کرتا اور بارگاہ الٰہی میں دعا کرتا کہ اس مصیبت سے نجات دے۔ بہت عرصہ اسی طرح گزرا پھر ایک روز اللہ نے نجات کی صورت پیدا کر دی۔

والد آصف نگر کے مقام پر کسی کام کی انجام دہی کے سلسلے میں نہر پر گھوم رہے تھے اچانک پل کے اوپر سے نیچے گر گئے چونکہ نہر میں کچھ پانی تھا اس لئے جان تو بچ گئی پھر بھی خاصے زخمی ہوئے، بے ہوشی کی حالت میں چارپائی پر ڈال کر گھر لائے گئے ہوش میں آتے ہی انہوں نے میرے بارے میں دریافت کیا اور کہا میرا بڑا لڑکا کہاں ہے؟ اسے جلدی میرے پاس لاؤ اس کی صورت تو دیکھ لوں آج کل میں نہ معلوم کس وقت میرا دم نکل جائے میں نے لڑکے کو مارا پیٹا اور قید کیا میرے ساتھ جو کچھ ہوا یہ اسی کا نتیجہ ہے ادھر تو والد کے خیالات میرے بارے میں نرم ہو رہے تھے ادھر بعض متعصب ہندو پنڈتوں نے پھر ان کے کان بھرے اور کہا اگر آپ نرم پڑیں گے تو لڑکا یقیناً مسلمان ہو جائے گا اسے ہمارے حوالے کر دیجئے چنانچہ والد نے مجھے حکم دیا کہ پنڈتوں کے پاس بلاناغہ حاضری دیا کروں ان میں ایک پنڈت جی بڑے بھاری وگیان اور جوگی تھے ان کے بارے میں مشہور تھا کہ کالا جادو بھی جانتے ہیں اور ہمزاد قبضے میں کر رکھا ہے وہ کبھی کبھار قصبے کے ہندوؤں اور مسلمانوں پر رعب بٹھانے کے

لئے شعبدے اور طرح طرح کے کرتب دکھایا کرتے تھے کبھی بے موسم کے پھل منگوا رہے ہیں کبھی جھاڑ پھونک کر کسی نا قابل علاج مریض کو ٹھیک کر رہے ہیں ہندو تو ان کے اس قدر گرویدہ تھے کہ بے تکلف پنڈت جی کو سجدہ کرتے ایک شام وہ مجھے اپنے ساتھ جنگل میں لے گئے وہاں ہو کا عالم تھا اور اندھیرا تیزی سے بڑھتا جا رہا تھا اگرچہ میں بارہا ادھر سے آ جا چکا تھا لیکن اس شام مجھے خاصا ڈر لگا میں نے دیکھا پنڈت کا رخ مرگھٹ کی طرف ہے جب زیادہ ہی خوف محسوس ہوا تو میں نے دل ہی دل میں آیت الکرسی کا ورد شروع کیا اس طرح خوف دور ہوا مرگھٹ سے ادھر ہی پنڈت رکا اور ایک جگہ بیٹھ گیا اس نے مجھے بھی سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا میں نے محض انگلی کے اشارے سے اپنے گرد دائرہ بنایا اور اس دائرے کے اندر سمٹ کر بیٹھ گیا پنڈت نے تھوڑی دیر بعد میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا اور کہا سچ بتاؤ! تمہارے اندر کون سا کمال ہے؟ اپنے دل کی بات مجھ پر واضح کرو اس کی بات سن کر میں نے پہلے تو متوکلا علی اللہ درود شریف پڑھا پھر جواب دیا پنڈت جی ہوشیار ہو جایئے میں اپنی باتیں آپ کو بتاتا ہوں سنئے! حبس دم کرتا ہوں اور خناس پر قابو پا کر اسے جلا ڈالتا ہوں پھر اپنے محبوب کے خیال میں کھو جاتا ہوں خود کو فنا کر دیتا ہوں صرف اسی کی ذات رہ جاتی ہے اور ہر سمت اسی کا جلوہ نظر آتا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اس کی باقی ذات کے سامنے ہمارے فانی وجود کی حقیقت کیا ہے ہر سانس کے ساتھ اسی کا تصور ہے اس کی یاد سے ایک لمحہ غفلت کفر سمجھتا ہوں اگر دل میں محبوب کے سوا کوئی باطل خیال آ بھی جائے تو اس کو ضربوں سے پامال کر ڈالتا ہوں میری ہستی محبوب کے لیے فنا ہو گئی اور میں نے خود کو مٹا دیا ہے۔ آؤ! ہم دونوں گردن جھکا کر بیٹھیں اور ایک دوسرے کو اپنا اپنا کرتب دکھائیں یہ کہہ کر میں نے لاحول پڑھی اور پنڈت پر دم کر دیا وہ تھر تھر کانپنے لگا اور اس کی ساری جادوگری دھری کی دھری رہ گئی جب کچھ سنبھلا تو کہنے لگا اچھا اپنے

کرتب کا نام تو بتا دو میں نے کہا ایک تو حبس دم ہے اور دوسرا پاس انفاس اور تیسری چیز محبوب کے نام کی ضرب ہے اس نے دریافت کیا ضرب میں تم کس کا نام لیتے ہو؟ میں نے کہا وہ نام تم کو کس طرح بتادوں وہ زبان سے دل میں اتر چکا ہے تم لوگ تو جوگ کے بڑے بڑے کرتب دکھاتے ہو ہمت ہے تو اپنے جوگ سے معلوم کرو کہ وہ کون ہے میری بات سن کر پنڈت حیران اور اس کا ہمزاد مضمحل ہو گیا ہمزاد نے پنڈت سے پوشیدہ طور پر کہا یہ لڑکا میرے قابو میں آنے والا نہیں اس کے کام میں بہت طاقت ہے اور اس کے مقابلے میں میرے کرتبوں اور تمہارے جادو ٹونے کی کوئی حیثیت نہیں۔

واپس آ کر وہ پنڈت میرے والد سے ملا اور کہا لڑکا دھرم تیاگ چکا ہے اور اب اس کا مرض لاعلاج ہے والد یہ سن کر رونے لگے اور انہوں نے کہا پھر تم لوگ کس لئے اتنے بڑے بڑے دعوے کرتے ہو اور خود کو بڑا مہاپرش اور شکتی مان بتاتے ہو؟ وہ پنڈت آئیں بائیں شائیں بکتا چلا گیا۔

اگلے روز میرے والد نے میرے بارے میں اپنے قریبی دوستوں سے مشورہ کیا اور کہا اس لڑکے کی بہن کا بیاہ ہونے والا ہے ہزاروں کا خرچہ ہے باہر سے برات آئے گی اگر ان کے سامنے بات کھل گئی اور براتیوں کو احساس ہو گیا کہ لڑکی کا بھائی اپنا دھرم بدل چکا ہے تو کوئی میرے ہاں کھانا کھائے گا اور نہ لڑکی کا ڈولا اٹھ سکے گا کسی نے مشورہ دیا کہ ناہر سنگھ کو بیاہ کی رسموں کے دوران میں دھنوری گاؤں بھیج دیا جائے یہ نالائق وہاں پوربیوں کی قید میں رہے گا اور جب لڑکی وداع ہو جائے تو اسے رڑکی واپس بلوا لیجئے گا والد کو یہ تدبیر بہت پسند آئی چنانچہ مجھے زبردستی دھنوری لے جا کر ایک مکان میں قید کر دیا گیا۔

جب بہن رخصت ہو گئی اور بیاہ کا ہنگامہ ختم ہوا تو قصبے کے بعض مسلمانوں کی

طرف سے انگریز مجسٹریٹ کی عدالت میں میری جانب سے اس مضمون کی عرضی داخل کرائی گئی کہ عرصہ ہوا ہے میں نے برضا و رغبت ہندو دھرم چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا ہے اس لئے میرے والد نے بطور انتقامی کارروائی مجھے دھنوری کے مقام پر سخت قید میں ڈال دیا ہے اور میرے دونوں ہاتھوں کی فصد کھول دی گئی ہے اگر جلد مجھے رہا نہ کرایا گیا تو یہ لوگ مجھے مار کر کہیں دبا دیں گے۔

یہ عرضی دیکھ کر انگریز مجسٹریٹ آگ بگولا ہو گیا اس نے فوراً پولیس کو حکم دیا کہ مستری موتھی سنگھ اور اس کے بیٹے ناہر سنگھ دونوں کو فوراً حاضر کرو اور موتھی سنگھ کو ہتھکڑی لگا کر لایا جائے پولیس نے مجھے دھنوری سے برآمد کیا اور والد کی گرفتاری کے لئے مکان پر گئی مگر انہوں تھانیدار کو رشوت دے کر خود کو ہتھکڑی سے بچایا اور تھانیدار سے کہا کہ وہ خود کسی وقت عدالت میں حاضر ہو جائیں گے' پولیس نے تب مجھے مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا' اس نے پوچھا بتاؤ تمہارے باپ نے تمہیں کیوں قید کیا تھا؟ اپنی بہن کی شادی میں تم کیوں شریک نہ ہوئے اور تمہارے جسم سے بذریعہ فصد خون نکالنے کی کوشش کیوں کی گئی اور کیا یہ عرضی تم ہی نے بھجوائی تھی؟ میں نے جواب میں کہا جناب والا! یہ عرضی میں نے نہیں لکھی اور نہ میرے ہاتھوں کی فصد کھولی گئی یہ سب باتیں کسی اور نے اپنی جانب سے لکھ دی ہیں بہن کی شادی کے موقع پر کام بہت بڑھ گیا تھا اس لئے میں انہیں کاموں کی انجام دہی کے سلسلے میں باہر چلا گیا' آنسو میری آنکھوں سے خود بخود رواں تھے' انگریز مجسٹریٹ بے حد متاثر نظر آیا' آخر کہنے لگا لڑکے مجھے سب خبر ہے تمہارے باپ نے تم پر کتنا ظلم ڈھایا اور تم پھر بھی اسے بچا رہے ہو؟ بہر حال اگر تم نہیں چاہتے تو میں تمہارے باپ کے خلاف کوئی کارروائی نہ کروں گا' آج سے تم اپنے کاموں میں آزاد ہو' تمہیں پورا اختیار ہے جس طرح چاہو زندگی گزارو اور جو مذہب پسند ہے اس میں داخل ہو جاؤ' اس کے بعد مجسٹریٹ نے والد کو طلب کیا اور سخت لہجے

میں ان سے کہا' پنڈت موتھی سنگھ! تمہارے ظلم وستم کا سب حال معلوم ہو چکا ہے تمہارا لڑکا بہت نیک ہے اس نے آج تمہاری عزت بچالی ورنہ میں تمہیں سزا دیئے بغیر نہ چھوڑتا' آئندہ اسے ستاؤ گے اور تکلیف دو گے تو سیدھا جیل بھیج دوں گا۔

اس واقعے کے ٹھیک دو ہفتے بعد میں نے قبول اسلام کا اعلان کر دیا اب ایک اور عجیب بات سنئے جس روز صبح کو میں مسلمان کی حیثیت سے ظاہر ہونے والا تھا اس رات پنڈت نیکی رام نے خواب میں دیکھا کہ لوگ جمع ہیں اور میرے ہاتھ میں ایک نورانی تختی ہے' تختی پر سنہرے حروف میں کلمہ طیبہ لکھا ہے اور کلمہ دیکھ دیکھ کر لوگ خوش ہو رہے ہیں' میں نے پنڈت سے کہا اسے آپ بھی دیکھئے پنڈت نے جواب دیا اچھی چیز ہے' گم نہ ہونے پائے۔

پنڈت جی کی آنکھ کھلی تو انہیں یہ خواب اچھی طرح سے یاد تھا اور حقیقت میں ہوش وحواس گم تھے اپنے ہندو احباب سے بھی بیان کیا اور رڑکی کی مشہور معزز شخصیت قاضی فصیح الدین کی خدمت میں بھی حاضر ہو کر کہا مجھے یقین ہے یہ لڑکا بہت جلد اپنے اسلام کا اعلان کر دے گا اور میرا خواب بس ظاہر ہی ہونے والا ہے۔ وہ رات میں نے دوستوں کے ساتھ گزاری صبح انہوں نے کہا آج ہمارے ساتھ چل کر نماز جامع مسجد میں پڑھو ہم لوگ تمہیں اپنے درمیان لے لیں گے ابھی اندھیرا ہے پہچان کون سکے گا چنانچہ میں نے سب کے ساتھ فجر کی نماز جامع مسجد میں ادا کی اور اس طرح شریک جماعت افراد پر راز ظاہر ہو ہی گیا پھر کسی نے جا کر والد سے بھی کہہ دیا کہ آپ کا بیٹا آج جامع مسجد میں تھا یہ سن کر انہوں نے مایوسی اور پریشانی کے عالم میں گھر بلوا کر سخت باز پرس کی اور کہنے لگے سچی بات بتادے ورنہ آج تیرا یہاں سے بچ کر جانا مشکل ہے' جامع مسجد میں کیا کرنے گیا تھا؟ والد بہت کچھ کہتے رہے اور خاموشی سے سب کچھ سنتا رہا آخر میں نے صرف اتنا کہا مجھے اس وقت چھوڑ دیجئے بہت تھکا ہوا ہوں شام تک

آپ کی ساری باتوں کا جواب دے دوں گا اور شام بھی بہت دور نہیں میری یہ بات سن کر وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئے میں بھی اٹھا اور نہا کر کھانا کھانے لگا' نہاتے وقت ہی میں نے نیت کر لی کہ میرا یہ غسل اسلام کے لیے ہے۔

کھانا کھا کر والد تو باہر گئے میں نے عمدہ اور نیا لباس زیب تن کیا اور اکیلا ہی سیدھا جامع مسجد رڑکی پہنچ کر باضابطہ اپنے اسلام کا اعلان کر دیا رڑکی کی جامع مسجد میں جو کلیر شریف اور حضرت علی احمد صابر رحمۃ اللہ کے زیر سایہ ہے' میرے اسلام لانے کے اعلان نے ہندوؤں کو مشتعل کر دیا اور وہ اکٹھے ہو کر مجھے مارنے کے درپے ہوئے لیکن اسی اثنا میں سینکڑوں پرجوش مسلمانوں کے ہجوم نے مجھے اپنے درمیان لے لیا اور ہندوؤں کے حملہ کرنے کی جرات ہی نہ ہوئی اس روز مجھے جو مسرت حاصل ہوئی وہ کسی شہنشاہ ہفت اقلیم کو بھی میسر نہیں آ سکتی اور ترجمانی الفاظ کے ذریعے ناممکن ہے اس روز ہاتھ میں کلام پاک اور زبان پر نعت رسول ﷺ تھی اور صرف خدا اور محبوب خدا کی باتیں تھیں۔

اسلام لانے کے بعد مولنا خلیل الرحمٰن کی شخصیت میں ایسا عظیم اور پاکیزہ انقلاب رونما ہوا کہ ان کی ظاہری و باطنی حالت دیکھ کر بڑے بڑے اکابر علماء صوفیا اولیا بھی رشک کرنے لگے صورت پر وہ نور کہ رہ چلتے لوگ دیکھتے اور ٹھٹھک کر رہ جاتے باتوں میں ایسی حلاوت اور سحر کہ ان کے اسلام لانے کے فوراً بعد رڑکی کے ہندوؤں کو خدشہ پیدا ہوا کہ ایک ایک کر کے سبھی مسلمان ہو جائیں گے چنانچہ اکثر لوگ ایمان کی دولت سے مالا مال ہوئے ...... مسلمان ہونے کے بعد آپ نے اپنے گھر والوں سے کوئی مادی تعلق بھی نہ رکھا بلکہ یہی شرط پیش کی کہ مسلمان ہو جاؤ تو تمہارا غلام ہوں ورنہ میرا اور تمہارا کوئی واسطہ نہیں' والدہ نے بصد اصرار کئی بار بلایا تو آپ ایک آدھ مرتبہ تشریف لے گئے اور جب والدہ نے کہا کہ گھر بار روپیہ پیسہ جائیداد سب تیرے لئے

موجود ہے تو آپ نے فرمایا مجھے ان کی ضرورت نہیں اسلام نے سب کچھ عطا کر دیا ہے اور میں اب اپنی زور بازو سے رزق حاصل کروں گا چنانچہ محنت مزدوری اپنا شعار بنایا اور کسی کے مرہون منت نہ ہوئے بعد ازاں رڑکی اور گرد و نواح کے مسلمانوں نے اپنے بچوں کو آپ کے پاس تعلیم و تربیت کے لئے بھیجنا شروع کیا اور مجبور کیا کہ آپ پورا وقت دینی کاموں کے لئے وقف کریں آپ نے درخواست منظور فرمائی اور متوکلا علی اللہ ایک گوشے میں بیٹھ گئے پھر ایسی فتوحات ہوئیں کہ باید و شاید فیاضی کا یہ عالم تھا کہ جب آپ حج کے لیے جاتے تو پورا قافلہ ساتھ ہوتا اور سب کا خرچ آپ ہی کے ذمے رہتا اکثر ایسا ہوا کہ کسی نے حرمین شریفین کی زیارت کا شوق ظاہر کیا اور آپ نے فوراً اسے اپنا رفیق سفر بنالیا۔

ایک مرتبہ سخت قحط پڑا اور خشک سالی سے ہر طرف کہرام مچ گیا' لوگوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کی درخواست کی' آپ نے دوسرے روز نماز استقاء کے لئے نکلنے کا اعلان کر دیا جس وقت آپ ایک جم غفیر کے ساتھ نماز ادا کرنے جا رہے تھے اس وقت ہندو آپ کا مذاق اڑاتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ مستری موتھی کا لڑکا آج پانی برسوانے جا رہا ہے لیکن انہیں لوگوں نے دیکھا کہ دعا سے قبل اگرچہ آسمان بالکل صاف اور کہیں بادل کا شائبہ تک نہ تھا تاہم دعا سے فارغ ہونے کے بعد صرف چند ہی منٹ میں ایسی موسلا دھار بارش شروع ہوئی کہ لوگ واپسی میں گھر کو جاتے ہوئے شرابور ہوئے اور بھاگ کر کہیں پناہ بھی نہ لے سکے۔

آپ کے مزاج میں حد درجہ استغنا کے ساتھ ساتھ سخاوت اور فیاضی بھی بے انتہا تھی' کسی کی درخواست اور طلب کو رد نہ فرماتے تھے جس زمانے میں سفر پور گاؤں میں بسلسلہ امامت مقیم ہوئے وہاں ہریجنوں نے آس پاس پانی نہ ہونے کی شکایت کی آپ نے ان کے لیے ایک کنواں کھدوایا' جس میں سے شیریں پانی نکلا وہ کنواں آج

بھی موجود ہے اسی طرح رسول پور کی مسجد کے لئے لوگوں نے بڑی کوشش کی کہ کنویں سے پانی نکل آئے کئی جگہ کنواں کھودا مگر پانی نہ نکلا آپ نے ایک مقام پر اللہ کا نام لے کر پانچ پھاوڑے مارے اور اللہ نے اسی جگہ ٹھنڈے اور میٹھے پانی کا چشمہ جاری کر دیا رسول پور کی گمبد والی مسجد بھی آپ نے بنوائی جو بدستور آباد ہے۔

آپ کے استاد جن کے ذریعے آپ نے اسلام کی دولت پائی مولانا عبدالسمیع میرٹھ میں تھے آپ سب سے پہلے ان کی قدم بوسی کے لئے وہاں گئے مولانا نے شاگرد کو سینے سے لگایا اور خوب روئے ان کی علمی و دینی و اخروی ترقیوں کے لئے دعا فرمائی اور کہا کہ میرا خط لے جاؤ مکہ معظمہ میں حاجی امداد اللہ تمہارے منتظر ہیں یہ سن کر مولانا خلیل الرحمٰن کی مسرت کا ٹھکانہ نہ رہا اللہ نے غیب سے حج کے اخراجات کے لیے انتظام کر دیا مکہ معظمہ پہنچے تو حاجی صاحب اپنے رفقاء کے ساتھ شہر سے باہر آپ کے استقبال کے لیے خود تشریف لائے ہوئے تھے مولانا نے خط پیش کیا حاجی صاحب نے معانقہ کیا اور بہت کچھ عطا فرمایا پھر اپنے مکان پر لے گئے مولانا خلیل الرحمٰن کو حاجی صاحبؒ سے ایسا انس ہوا کہ وہیں مستقل طور پر قیام کا ارادہ کر لیا لیکن حاجی صاحب نے فرمایا میاں! خلیل الرحمٰن ابھی تم ہندوستان واپس جاؤ اللہ کو تم سے وہاں بہت کام لینا ہے اور سنو تم بار بار انشاء اللہ حج کے لیے آؤ گے یہ سن کر آپ خوش ہوئے حاجی صاحب کا ارشاد صحیح نکلا مولانا خلیل الرحمٰن سولہ مرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت سے مشرف ہوئے اور وہ بھی طویل اقامتوں کے ساتھ اس لئے حاجی صاحب سے برابر فیض یاب ہوتے رہے حضرت نے آپ کو بیعت سے بھی سرفراز کیا اور خلافت عطا فرمائی ۱۳۱۷ھ میں حاجی امداد اللہؒ واصل بحق ہوئے مولانا خلیل الرحمٰن کو اس قدر صدمہ ہوا کہ حالت غیر ہو گئی۔

حاجی صاحب علیہ الرحمۃ کے وصال سے اگلے برس یعنی ۱۳۱۸ھ میں مولانا

عبدالسمیع بھی وفات پا گئے۔ تو دل بجھ گیا خانہ نشین ہو گئے لیکن آ کر لوگوں کی منت سماجت پر بچوں کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا وعظ و نصیحت بیعت وارشاد اور تعلیم و تلقین کا یہ اثر ہوا کہ دور دراز سے طالبان علوم کھنچے آتے بے شمار افراد کو کفر کی تاریکیوں سے نکالا اور اسلام کی روشنی میں لائے تقریباً سترہ برس کی طویل مدت اسی حالت میں گزر گئی شہر کی معزز و مقتدر مسلمان شخصیتوں کے زور دینے پر آپ نے ۱۳۰۵ء میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا تھا۔ آج رڑکی اور گردونواح میں جو کچھ علم کے آثار وانوار نظر آتے ہیں وہ اس مدرسہ رحمانیہ کے زندہ جاوید جاری فیض کا پتہ دیتے ہیں اب تک لاتعداد حفاظ' قراء' ائمہ مساجد اور علماء اس عالی شان مدرسے سے فیض یاب ہو چکے ہیں۔

۱۳۱۹ھ میں مولانا خلیل الرحمٰن دیار رحمۃ اللعالمین کی جانب ہجرت کی نیت سے عازم سفر ہوئے اور مدینہ منورہ پہنچ کر مستقل سکونت اختیار کر لی آپ کے اس سفر سے اہلیان شہر' اراکین مدرسہ اور معتقدین حد درجہ مضطرب ہوئے اسی زمانے میں مدرسہ رحمانیہ کی روداد میں اس اضطراب کا اظہار ان الفاظ میں ہوا" حضرت مولانا مولوی حافظ جی مہاجر الی اللہ جناب مخدومنا و مکرمنا خلیل الرحمٰن صاحب کا مدرسے اور اہل مدرسہ سے جدا ہو جانا سخت رنج والم کی بات ہے۔ فی الحقیقت حضرت مولانا مدرسے کے لئے باغبانی اور اہل مدرسہ کے لئے نور ایمانی کا کام فرماتے تھے اب آپ اپنے لگائے ہوئے علمی باغ کی آبیاری اپنی خلوت کی دعاؤں اور مدینۃ العلم کی ضیا پاشیوں سے فرمائیں گے۔ آپ کی زندہ و تابندہ یادگار مدرسہ عربیہ رحمانیہ رڑکی آج بھی علوم وفنون کی خزانے لٹا رہی ہے اسے من جانب اللہ ہر دور میں مخلص دیندار' صالح اور جفاکش افراد کی خدمات حاصل ہوتی رہیں اور یہ سب بانی مدرسہ حضرت مولانا خلیل الرحمٰن صاحبؒ کے اخلاص کا مظہر ہے۔

غرض جس ذاتِ اقدس کی محبت میں آپ نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا' اسی کے کوچے میں اپنے آپ کو لا کر ڈال دیا' ۱۳۲۷ھ تک مدینہ منورہ میں مقیم رہے یہاں تک کہ ۷ المحرم الحرام ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۹ء کو آپ انتقال فرما گئے۔

دیوانے گزر جائیں گے ہر منزلِ غم سے
حیرت سے زمانہ انہیں تکتا ہی رہے گا

آتی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو
گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

☆☆☆

سب جانتے ہیں کہ ہندوؤں میں ایک چیز بڑی ہی پیچیدہ ہے وہ ہے ذات پات ایک ہی مذہب کے کچھ لوگ بالاتر اور کچھ ایسے جو اپنی ہی عبادت گاہوں (مندروں) میں داخل تک نہیں ہو سکتے۔ مجھے یہ بات پسند نہ تھی جبکہ مسلمان ایک خدا ایک رسول ایک کتاب کو مانتے ہیں جن سے معاشرہ بنتا ہے۔

ہندو ڈاکٹر سے مبلغ اسلام تک

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

جیسے ہی میں مسلمان ہوا تو میں تبلیغ کے کام میں لگ گیا اور میرا اسلامی نام محمد احمد رکھا گیا۔ اور ابتدائی طور پر مجھے اسلام کی چند باتوں نے متاثر کیا۔

ہندو دھرم میں ۳۳ کروڑ دیوتا ہیں جن کی پوجا کی جاتی ہے جن میں تین خاص ہیں: برہما (خالق) وشنو (رازق) شنکر (تباہی کے دیوتا) لیکن جب کائنات کی ہم آہنگی پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ایک طاقت ہے جو ہر شئے کو ایک تسلسل اور نظام کے مطابق چلا رہی ہے اور اس سارے نظام میں کوئی رخنہ یا تعطل واقع نہیں ہوتا۔ قوانین فطرت کی پختگی اور پائیداری کے سہارے ہی انسان چاند اور مریخ کا لاکھوں، کروڑوں میل کا فاصلہ کتنے یقین و اعتماد کے ساتھ طے کرتا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ ایسی لاتعداد مثالیں اور ہیں جن کو یہاں پیش کرنا دشوار ہے۔

ہندو دھرم کے مطابق انسان مرنے کے بعد ۸۴ لاکھ قالبوں میں تبدیل ہو جاتا ہے، لیکن اسلام کا تصور آخرت پر ایمان لانا ہے۔ انسان نے جو کچھ اس زندگی میں کیا ہے اس کے نتائج اس کو لامحالہ بھگتنا ہوں گے۔ جیسا کہ باری تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "کیا ہم مسلم اور مجرم دونوں کو ایک سطح پر رکھیں گے؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے، تم یہ کیسا فیصلہ کرتے ہو؟ (سورہ قلم)

انہوں نے بتایا کہ مجھے اس تصور اور عقیدہ کا پورا یقین ہو گیا کہ ایسے کیسے ہو سکتا ہے کہ انسان جو کچھ کرے اس کا محاسبہ نہ ہو یعنی نیکی اور بدی دونوں برابر ہوں۔

محمد احمد صاحب نے بتایا کہ سب جانتے ہیں کہ ہندوؤں میں ایک چیز بڑی ہی پیچیدہ اور مستحکم ہے۔ اور وہ ہے ذات پات کی قوت کا نظام۔ ایک ہی مذہب کے لوگ لیکن کچھ بالاتر اور کچھ ایسے جو اپنی ہی عبادت گاہوں (مندروں) میں داخل تک نہیں ہو سکتے۔ اس پر ستم یہ کہ اس نظام کو مذہب کی سند حاصل ہے۔ انہوں نے کہا میں نسلاً کائستھ تھا۔ جو اعلیٰ ذات سے تعلق رکھتے ہیں لیکن مجھے یہ بات پسند نہ تھی مجھے اسلام کی یہ بات کہ

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

بہت اچھی اور معقول لگی۔ ایک خدا، ایک رسول، ایک کتاب، ایک مسجد ایک امام یہ ایسی باتیں محسوس ہوئیں جن سے ایک معاشرہ بن سکتا ہے۔

انہوں نے بتایا کہ ان کی اہلیہ بھی الحمدللہ مسلمان ہوگئی ہیں اور دعوت کے کام میں میرے ساتھ ہیں۔ ہم لوگوں کے مسلمان ہونے کے بعد اکثر بی۔ جے پی والوں کے فون آتے ہیں وہ ڈراتے دھمکاتے ہیں اور کئی طریقوں سے پوچھتے ہیں کہ کتنا مال ملا ہے۔ میں جواب میں کہتا ہوں کہ آ کر دیکھ لو کتنا مال ملا ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے اسلام سے نرمی سیکھی ہے اور میں اسی نرمی، اخلاق، ضبط و تحمل سے ان کو متاثر کرتا ہوں صبر سے کام لینا بہت ضروری ہوتا ہے۔ میں نے الحمدللہ اپنے سسرال والوں کو بھی اسلام کی دعوت دی ہے جو ہمارے یہاں آتے رہتے ہیں۔

ایک دفعہ میں اپنے خاندان کے گرو کو ساتھ لے آیا کہ آپ کی سیوا (خدمت) کرنا چاہتا ہوں۔ وہ نو دن میرے ساتھ رہے ان کو اسلام پر بہت سی کتابیں بھی دیں۔ اب وہ مجھ سے اور کتابیں مانگتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہندی زبان میں اسلامی صحافت سے خاصا فائدہ ہو رہا ہے اور اسلام کی دعوت کا کام عام آدمی تک پہنچانا ہے لیکن

ہمارے پاس وسائل کی بہت تنگی ہے۔ قرآن کا ہندی ترجمہ ہم دو آدمیوں نے مل کر" پوتر قرآن" کے نام سے دوبارہ کیا ہے۔ اصل میں پہلے کے ترجمے مسلمانوں کے لئے تھے، لیکن اب کے ترجمے ہندوؤں کی ذہنیت اور ان کے اشکال کا خیال رکھتے ہوئے کیے گئے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ انہیں کوئی انمول چیز مل گئی ہے، لیکن وہ وسائل کی عدم دستیابی کی بنا پر ہم ان تک اللہ کا پیغام کما حقہ نہیں پہنچا سکے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ ویسے تو بھارت میں سب کے لئے ہی مسائل ہیں، لیکن مسلمانوں کے مسائل کے حل کے لئے حکومت کی طرف سے کوئی اقدامات نہیں ہیں۔ حال یہ ہے کہ جو ہندو دھرم کی بات کرے اور وکالت کرے وہ قومی دھارے میں سمجھا جاتا ہے، اُنہوں نے دیگر عمومی مسائل کی طرف بھی نشان دہی کی مثلاً:

۱) مسلمانوں میں لیڈر شب کا بڑا فقدان ہے ہمیں ہندو لیڈروں پر بھروسا کرنا پڑتا ہے۔

۲) مسلمانوں کا تشخص بری طرح مجروح ہورہا ہے۔ مسلمانوں کی تمام تاریخی جگہوں کے نام تبدیل کیے جارہے ہیں۔

۳) بندے ماترم یعنی بھارت ماتا کہنا، اسکول کے تمام مسلمان اور غیر مسلمان بچوں کے لیے لازمی قرار دیا جارہا ہے۔

۴) آئین میں تبدیلی کی کوشش ہورہی ہے تاکہ غیر ہندوؤں کو دوسرے درجے کا شہری قرار دیا جاسکے۔

۵) آرڈیننس لانے کی کوشش ہورہی ہے کہ کوئی اپنا دھرم تبدیل نہ کرسکے۔

۶) ٹاڈا قانون ختم ہوا لیکن جو مسلمان اس کے تحت جیل گئے وہ ابھی تک رہا نہ ہوسکے۔

۷) مسلمانوں کو کسی بھی معاملے میں I.S.I پاکستان کا ایجنٹ قرار دے کر جیل بھیج دیا

جاتا ہے۔

۸) دھماکا خیز اشیاپر سزائے موت کا قانون لایا جارہا ہے جس کا ہدف مسلمان ہوں گے۔

۹) اسپین میں مسلمانوں کی تاریخ کا مطالعہ کیا جارہا ہے تاکہ وہاں جیسے حالات پیدا کرکے مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹایا جاسکے۔

۱۰) کامن سول کورٹ بنانے کی کوشش ہو رہی ہے تاکہ ہندوستان کے قوانین نافذ کرکے شرعی قوانین منسوخ کیے جاسکیں۔

۱۱) ذرائع ابلاغ میں بی۔ جے۔ پی کے آدمی لائے جارہے ہیں تاکہ اسلام اور مسلمانوں کی غلط تصویر پیش کی جاسکے۔

مزید انہوں نے روشن پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ بہت ساری ہندوسیکولر پارٹیوں کو مسلمانوں کی ضرورت رہتی ہے جس کی وجہ سے وہ مسلمانوں کی حمایت کرتے ہیں بہت سے ہندو سنجیدگی سے اسلام کو سمجھ رہے ہیں اور اسلام کی طرف آرہے ہیں۔ ہندو خواتین اسلام میں عورتوں کے حقوق سے متاثر ہو کر اکثر مسلمان ہونا چاہتی ہیں، لیکن ہم عملی طور پر مسلمانوں کی کمزور سیاسی اور معاشی حالت کی وجہ سے ان کو تحفظ نہیں دے پاتے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ہندی داں طبقے کی بھارت میں تعداد ۶۰ کروڑ ہے ان تک ہندی زبان میں اسلام کی دعوت پہنچانے کی اشد ضرورت ہے۔

عقیدہ تثلیث

ایک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا

عیسائیت سے تائب ہونے والے اکثر خوش نصیب نومسلم حضرات وہ ہیں جو عیسائیوں کے بنیادی عقیدے عقیدہ تثلیث سے متذبذب ہوکر دامن اسلام سے وابستہ ہوئے۔

تثلیث کا مطلب ہے تین، عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق خدا تین ہیں

۱۔ باپ ۲۔ بیٹا ۳۔ روح القدس

۲۔ باپ خود خدا کی ذات یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے والد (العیاذ باللہ)

۳۔ بیٹا بھی خدا یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام

۴۔ روح القدس بھی خدا یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام

یہ کون سا اصول ہے کہ خدا ایک ہے مگر وہ باپ بھی ہے بیٹا بھی ہے روح القدس بھی ہے تین بھی ہے اور ایک بھی

تین مختلف شخصیتوں سے ایک شخصیت کس طرح وجود میں آسکتی ہے؟ عیسائی اس خلاف عقل و ہدایت عقیدہ کو گول مول اور پیچیدہ عبارتوں سے ادا کرتے ہیں اور جب کسی کی سمجھ میں یہ عقیدہ نہیں آتا تو اسکو ماوراءالعقل حقیقت قرار دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ رازیؒ نے لکھا ہے کہ دنیا میں جتنے بھی عقیدے ہیں اُن سب میں سمجھ نہ آنے والا عقیدہ عقیدہ تثلیث ہے۔

مزید تفصیلات کے لئے مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی شہرہ آفاق کتاب اظہار الحق اور جسٹس تقی عثمانی صاحب کی بائبل سے قرآن تک کا مطالعہ کریں (از مرتب)

امرتسر میں مقیم برٹش یونٹ کی ایک مشین گن کے کمپنی کمانڈر میجر البرٹ ریمزے میسی جب انہیں جلیانوالہ باغ میں گولی چلانے کا حکم دیا گیا تو اچانک میجر میسی کو کسی غیبی طاقت نے نہتے مسلمانوں پر گولی چلانے سے روک دیا حکم عدولی پر تبدیل کر کے ساتھ انگلینڈ بھیج دیا گیا کچھ عرصہ بعد اسکی یونٹ کو اٹک قلعہ میں تعینات کیا گیا جون کے مہینے میں سخت گرمی کے اندر ایک مسلمان سپاہی کو جو پریڈ سے چند منٹ لیٹ تھا کو سکھ کپتان سزا دے رہا تھا اس مسلمان سپاہی سے میجر میسی کے چند دلچسپ سوالات و جوابات ہوئے جو میجر میسی کے اسلام لانے کا سبب بنے میجر میسی کا اسلامی نام عبدالرحمن رکھا گیا۔

انگریز میجر کا قبول اسلام

دیوانے گزر جائیں گے ہر منزل غم سے حیرت سے زمانہ انہیں تکتا ہی رہے گا
آتی رہیگی تیرے انفاس کی خوشبو گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

کرنل عبدالرحمٰن میسی کا پیدائشی نام البرٹ ریمزے میسی تھا۔ جب اُس نے اسلام قبول کیا اس کا اسلامی نام عبدالرحمٰن رکھا گیا (A-R-MESSY) کہلائے اے۔ آر۔ میسی برٹش آرمی میں میجر کے عہدے پر تعینات تھا اور اس کی برٹش یونٹ کو دو سال کے لئے ہندوستان بھیجا گیا یہ یونٹ امرتسر چھاؤنی میں رکھی گئی۔

۱۳/اپریل ۱۹۱۹ء کو امرتسر کے جلیانوالہ باغ میں آل انڈیا نیشنل کانگرس اور تحریک خلافت کا مشترکہ جلسہ منعقد ہونا قرار پایا تھا کہ ہندوستان کی دونوں قومیں ایک ہی پلیٹ فارم سے حکومت برطانیہ کے خلاف اپنے جذبات کا اظہار کریں اور متفقہ ریزولیشن پاس کریں کہ حکومت سے ہر طرح کا بائیکاٹ کیا جائے اور علم بغاوت بلند کیا جائے۔ جب اس بات کی اطلاع گورنر پنجاب سر مائیکل ایڈوائیر کو پہنچی تو اس نے لاہور ڈویژن کے جنرل آفیسر کمانڈنگ جنرل ڈائر کو حکم دیا کہ یہ جلسہ ہرگز نہ ہونے پائے اور جو لوگ جلسے میں شامل ہوں اُن پر فائر کھول دیا جائے تا کہ ہندوستانیوں کو آئندہ اس قسم کی کبھی جرات نہ ہو سکے لہٰذا اس سلسلے میں امرتسر چھاؤنی میں مقیم برٹش یونٹ کی ایک مشین گن کمپنی کا تعین کیا گیا۔ اس کا کمانڈر میجر اے۔ آر میسی مقرر ہوا۔ اسے مکمل ہدایات جاری کی گئیں۔ جب کمپنی جلیاں والے باغ پہنچی تو جلسہ شروع ہو چکا تھا اور حکومت کے خلاف نعرے بُلند ہو رہے تھے۔ کنگ جارج پنجم کا پتلا جلایا جا رہا تھا لوگ بڑے مشتعل تھے۔ جلیانوالے باغ کے گردونواح میں رہائشی

مکان تھے۔ کمپنی کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ ہر حصے نے مختلف سمت کے مکانوں کی چھتوں پر پوزیشن سنبھال لی۔ سکیم یہ تھی کہ تینوں طرف سے مشین گن کا کراس فائر کر کے تمام حاضرین کو اُڑا دیا جائے۔

میجر میسی کو اچانک کسی غیبی طاقت نے ان نہتے محکوم عوام پر اس طرح کا ظلم کرنے سے روک دیا۔ ویسے بھی وہ نہایت رحم دل انسان تھا اور اپنے اندر انسانی ہمدردی کا جذبہ رکھتا تھا۔ اُس نے تھوڑی دیر سوچا پھر کمانڈ اپنے نائب لیفٹننٹ کو دے کر خود واپس ہیڈ کوارٹر پہنچا اور اپنے کمانڈنگ آفیسر کو بتلایا کہ وہ اس قسم کا ظلم کرنے سے انکاری ہے۔ میجر میسی کو حکم عدولی کی بنا پر زیر حراست لے لیا گیا اور ایک دوسرے میجر کے سپرد یہ ڈیوٹی کی گئی۔ اس نے موقعے پر پہنچتے ہی تینوں طرف سے مشین گن کا کراس فائر کھولنے کا حکم دیا۔ آن کی آن میں سینکڑوں بے گناہوں کے سینے گولیوں سے چھلنی ہو گئے اور اُن کی لاشیں میدان میں بکھر گئیں۔ برطانوی حکومت کا یہ بدترین عمل تھا۔ اس المیے کی خبر جنگل کی آگ کی طرح سارے برصغیر ہند میں پھیل گئی۔ اس کا ردِ عمل یہ ہوا کہ جہاں کہیں بھی کوئی انگریز نظر آیا اُسے موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔ مردوں کے علاوہ انگریز عورتوں اور بچوں کو سر بازار ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ بنکوں، ڈاکخانوں اور سرکاری عمارتوں کو آگ لگا دی گئی۔ لوگوں نے ریل کی پٹریاں اکھاڑ پھینکیں۔ گوجرانوالہ کا ریلوے اسٹیشن مکمل طور پر جلا دیا۔ حکومت کو کسی ہندوستانی پر اعتماد نہ رہا۔ دوسرے روز ضلع امرتسر کے علاوہ لاہور گوجرانوالہ میں مارشل لا نافذ کر دیا گیا۔ تشدد کی اس تباہی کی خبر جب انگلینڈ پہنچی تو جنرل ڈائر کو فوراً واپس طلب کر لیا گیا۔ مقدمہ چلایا مگر معمولی سزا ملی۔ خیر یہ تو ایک علیحدہ کہانی ہے۔

آمد برسر مطلب میجر میسی کو حکم عدولی کی سزا کے طور پر میجر کے رینک سے تنزل کر کے واپس انگلینڈ بھیجا گیا اور وہاں دوسری برٹش یونٹ میں تبدیل کیا گیا۔ پورے

نوسال کے بعد اُسے دوبارہ ترقی دے کر میجر بنایا گیا اور چند ماہ کے بعد اس کی نئی یونٹ کو ہندوستان بھیجا گیا۔ یہ برٹش یونٹ اٹک کے قلعے میں تعینات کی گئی۔ اٹک کا قلعہ دریائے سندھ کے بائیں کنارے پر ایک چٹیل چٹان پر بنا ہوا ہے اور اسے مغل بادشاہ اکبر نے تعمیر کروایا تھا۔ میجر میسی کی یونٹ کو قلعے میں آئے چند ماہ ہو گئے برٹش یونٹ کے علاوہ قلعے میں انڈین آرمی کی کئی یونٹیں بھی مقیم تھیں۔

جون کا مہینہ تھا ویسے بھی یہ مہینہ شدید گرمی کا ہوتا ہے۔ پھر خاص کر قلعہ اٹک جو خشک پہاڑوں سے گھرا ہوا تھا۔ وہاں کا ٹمپریچر تو ۱۲۰ ڈگری ہو جاتا ہے۔ ایک روز کا واقعہ ہے میجر میسی اپنے دفتر میں بیٹھا کام کر رہا تھا۔ دوپہر کے دو بجے ہوں گے کیا دیکھتا ہے کہ سامنے والے پریڈ گراؤنڈ میں ایک انڈین سپاہی کو سزا کے طور پر گراؤنڈ کے گرد دوڑایا جا رہا ہے۔ اس کی پیٹھ پر اینٹوں سے بھرا پٹھو بندھا ہے اور اس تپتی دوپہر میں اُس کو لہو کے بیل کی طرح دوڑایا جا رہا ہے۔ اگر بے چارہ رفتار میں تھوڑی سُستی کرتا تو پیچھے سے سنتری اُسے کوڑا مارتا ہے تاکہ وہ پوری رفتار سے دوڑے۔

یہ سلسلہ پورے ایک گھنٹے تک جاری رہا۔ میجر میسی اس سزا یافتہ سپاہی کی ہمت پر حیران ہو رہا تھا۔ جب گھڑی نے تین بجائے تو سکھ سنتری نے اُسے ٹھہر جانے کو کہا اور صرف بیس منٹ آرام کرنے کی اجازت دی۔ میجر میسی اپنا کام چھوڑ کر یہی نظارہ دیکھتا رہا جونہی سزا یافتہ سپاہی کو چھٹی ملی وہ بڑی تیزی سے پانی کے نل پر پہنچا۔ پہلے ہاتھ دھوئے پھر تین دفعہ منہ میں پانی ڈال کر کلی کی اور پھر پانی باہر پھینک دیا۔ ایک گھونٹ بھی اُس نے حلق سے نیچے نہ گزرنے دیا۔

اس کے بعد چہرہ اور کہنیاں دھوئیں پھر پاؤں دھوئے اور آگ کی طرح جلتی زمین پر قبلہ رو کھڑا ہو کر عبادت میں مصروف ہو گیا۔ ابھی اس نے پوری نماز ادا نہ کی تھی کہ سکھ سنتری موت کے فرشتے کی طرح اُس کے سر پر آنازل ہوا اور پھر پہلے کی طرح

دوڑانا شروع کر دیا۔ میجر میسی کی حیرت کی انتہا ہوگئی وہ اپنے دفتر سے اُٹھ کر انڈین یونٹ کے دفتر پہنچا اور اپنے ہم عہدہ میجر سے دریافت کیا کہ سامنے پریڈ گراؤنڈ میں اس کی یونٹ کے ایک سپاہی کو سزا دی جارہی ہے کیا اُسنے کوئی بڑا جرم کیا ہے۔ اس کی بلند ہمتی قابل صد آفرین ہے کہ اس شدید گرمی میں بھی اس نے ایک گھونٹ پانی نہ پیا یہ تو کوئی سپر انسان ہے۔ اس نے سفارش کی کہ اب اس کی سزا معاف کر دی جائے اور اُسے یہاں دفتر میں بلوایا جائے تا کہ میجر میسی اُس سے چند باتیں دریافت کرے۔ لہذا اس سپاہی کو فوراً طلب کیا گیا اور پوچھا گیا کہ اُسے کس جرم میں سزا ملی ہے۔ اُس نے بتایا وہ صبح پی، ٹی میں دو تین منٹ دیر سے پہنچا تھا۔ اس کا کمپنی کمانڈر ایک سکھ کیپٹن ہے۔ جو بڑا متعصب ہے اور مسلمان سپاہیوں کو معمولی قصور پر شدید سزا دیتا ہے۔ میجر میسی نے دوسرا سوال کیا کہ کیا اس قیامت خیز گرمی میں اسے پیاس محسوس نہ ہوئی کہ اتنی زبردست ورزش کے بعد اُس نے منہ میں پانی ڈال کر کلی کر دی؟ سپاہی نے جواب دیا! جناب میں انسان ہوں اور میں نے پیاس کی یہ شدت صرف اس لئے برداشت کی کہ میں نے روزہ رکھا ہوا ہے۔ اس کے بعد سپاہی نے تفصیل سے روزے کا فلسفہ بیان کیا کہ یہ رمضان کا مہینہ ہے اور روزہ اسلام کے رکنوں میں تیسرا رکن ہے۔ اس ماہ میں ہر بالغ تندرست مسلمان کو صبح سے شام تک کھانا پینا منع ہے۔ میجر میسی نے سوال کیا کہ جب تمہیں کوئی دیکھ نہ رہا تھا تو کلی کے بہانے ایک گھونٹ پانی پی سکتے تھے۔ سپاہی نے جواب دیا! یہ درست ہے۔ میں ایسا کر سکتا تھا اور کوئی مجھے روک بھی نہ سکتا تھا مگر میرا خدا تو مجھے دیکھ رہا تھا جس کے حکم پر میں نے روزہ رکھا تھا۔ میرے لئے جان دے دینا کوئی بڑی بات نہیں لیکن خدائے وحدہ لاشریک کی حکم عدولی کرنا ناممکن ہے۔ مسلمان کا شیوہ ہے کہ عمر بھر اسلام کے پانچوں رکنوں پر مستعدی سے عمل کرتا رہے۔

میجر میسی نے اس سے تیسرا اور آخری سوال کیا کہ بتاؤ جب تمہیں بیس منٹ کا وقفہ آرام کرنے کا ملا تو تھوڑی دیر کے لئے کسی سائے میں تھوڑی دیر ستا لیتے تا کہ قدرے تازہ دم ہو جاتے۔

سپاہی نے جواب دیا۔ اسلام کا سب سے اہم ترین رکن نماز ہے۔ اگر میں یہ چند منٹ آرام کرنے سائے میں چلا جاتا تو وقت اتنا کم تھا کہ میری نماز قضا ہو جاتی میں نے اس لئے آرام کرنے پر نماز کا فرض پورا کرنا زیادہ اہم سمجھا۔

اس ساری بات چیت کے بعد میجر میسی کی سفارش پر سپاہی کی بقایا سزا معاف کر دی گئی لیکن سپاہی کی یہ ساری باتیں سننے سے میجر میسی پر عجیب قسم کی کیفیت طاری ہوئی۔ وہ واپس اپنے بنگلے پہنچا۔ دوپہر کا کھانا بھی بھول گیا۔ مذہب اسلام کے فلسفے پر سوچتا رہا۔ آہستہ آہستہ اُس نے شام کو کلب جانا بھی چھوڑ دیا اپنی فوجی ڈیوٹی میں دلچسپی چھوڑ دی۔ بالکل خاموش رہتا اور سب سے علیحدگی اختیار کر لی، اس کے آفیسر حیران تھے کہ میجر میسی کو کیا ہو گیا ہے ہر وقت گہرے خیالات میں مستغرق رہتا ہے ایک ہفتے کے بعد اُس نے دو ماہ کی رخصت لی اور راولپنڈی پہنچا۔ وہاں اُس نے تمام کتب فروشوں کی دوکانیں چھان ماریں۔ جہاں جہاں سے اسلام پر کوئی کتاب انگریزی زبان میں ملی، خرید لی۔ درجنوں کتابیں اور قرآن مجید کے چند پارے جو انگریزی میں ترجمہ ہو چکے تھے۔ لے کر واپس اٹک فورٹ پہنچا اور صبح و شام ان کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا۔ ایک ماہ بعد اُسے اسلام کے متعلق بہت کچھ معلوم ہو گیا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ جتنی جلدی اسلام قبول کر لے بہتر ہو گا۔ اُس نے سوچا زندگی کا کیا بھروسہ کس وقت موت آ جائے حلقہ اسلام میں داخل ہو کر وہ اپنے گذشتہ گناہوں کی تلافی چاہتا تھا اور عمر کا بقیہ حصہ اسلام کی تعلیم اور اُس کی تبلیغ کرنے میں گزارنے کا خواہش مند تھا۔ ایک روز جمعہ کے دن جب قلعے کی مسجد میں اذان ہوئی تو میجر میسی نہا دھو کر

سیدھا پہلی صف میں جا پہنچا اور امام سے مؤدبانہ التجاء کی کہ مجھے حلقۂ اسلام میں داخل کرو مجھے یقین ہو چکا ہے کہ اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جو سچا ہے اور اس کے پیروکار اپنے دین پر پوری طرح عمل پیرا ہیں اپنے اصولوں کے لئے جان کی قربانی دینا ان کے نزدیک کوئی بڑی بات نہیں۔ اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے۔

امام صاحب اور سب حاضرین برٹش یونٹ کے اس میجر کے یہ الفاظ سُن کر دنگ تھے۔ امام صاحب شش و پنج میں پڑ گئے کہ اگر انہوں نے انگریز آفیسر کو مشرف بہ اسلام کر لیا تو خدا جانے انگریز آفیسر انہیں کیا سزا دیں گے۔ کیونکہ انگریز کا راج تھا۔ اور انڈین آرمی کے ملازم تھے۔ ایسا کرنا ان کے لئے اپنی ملازمت سے ہاتھ دھونے کے برابر تھا، بلکہ انہیں اور بھی سزا دی جا سکتی تھی امام صاحب اپنے مستقبل کے بارے میں سوچ رہے تھے کہ ان پر کیا گزرے گی غرض کچھ دیر اُن پر سکتے کا عالم طاری رہا اور وہ خاموش کھڑے میجر میسی کی صورت تکتے رہے لیکن حاضرین کی طرف سے پُرزور مطالبہ کیا گیا کہ امام صاحب میجر کو کلمہ طیبہ پڑھائیں اور مسلمان کریں اگر حکومت کی طرف سے امام صاحب پر کوئی مصیبت نازل ہوئی تو تمام مسلمان فوج اُن کے ساتھ ہے اور وہ حکمرانوں کے خلاف کھلی بغاوت کر دیں گے کیونکہ مسلمان کا یہ فریضہ ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم اسلام قبول کرنے کا خواہاں ہو تو کسی کی پروہ نہ کرتے ہوئے وہ اسے حلقۂ اسلام مں داخل کرے۔ لہٰذا امام صاحب نے میجر میسی کو کلمہ پڑھا کر دائرہ اسلام میں داخل کیا۔ مسجد سے نعرۂ تکبیر بلند ہوا خوشی سے سب نے میجر میسی کے ہاتھ چومے اور اُسے باری باری گلے لگایا۔ نماز کے بعد یہ خبر سارے قلعے میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ یہ کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ تھوڑی دیر میں برٹش کیمپ میں جب یہ خبر پہنچی تو فوراً یونٹ بگلر نے آفیسر کال بجائی۔ سارا قلعہ فالن ہو گیا میجر میسی کو سب کے سامنے کھڑا کیا گیا۔ اس کی پیٹی اور بیجز آف رینک اتار کر اُسے حراست میں لے لیا

گیا۔ اس کی پیٹی کوارٹر گارڈ میں قید کر دی گئی اور اُسے بنگلے میں نظر بند کر دیا گیا۔ ایسا کرنے سے میجر میسی کو بجائے پریشانی کے بڑی خوشی ہوئی اور نہایت خندہ پیشانی سے اس بے عزتی کو قبول کیا۔ دوسرے روز اس کا کورٹ مارشل ہوا اور مذہب کی تبدیلی کے جرم میں اسے ملازمت سے برطرف کر دیا گیا۔ اُس کا تمام ساز و سامان بحق سرکار ضبط کر لیا گیا۔ بینک بیلنس منجمد کر دیا گیا اور گارڈ کی سپردگی میں اسے لاہور پہنچا دیا گیا۔ اس کے جیب میں صرف دو تین سو روپیہ تھا اور تین کپڑے کسمپرسی کی حالت میں لاہور ریلوے اسٹیشن سے باہر آیا کچھ نہیں جانتا تھا کہ کہاں جائے۔ لاہور میں کوئی واقف کار بھی نہ تھا۔ اسٹیشن کے نزدیک برگنزا ہوٹل پہنچا اور کمرہ بک کرا لیا کئی روز تک کمرے کے اندر بند رہا کھانے کے وقت ڈائنگ ہال میں جاتا کونے والی میز پر اکیلا بیٹھتا اور کھانے کے بعد سیدھا اپنے کمرے میں چلا جاتا اُسے زیادہ افسوس صرف اس بات پر تھا کہ اس کی سب کتابیں بھی ضبط کر لی گئی تھیں۔ ایک روز میجر میسی کونے والی میز پر علیحدہ بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ اس روز ڈائنگ ہال میں کوئی تقریب تھی اور خاصے لوگ جمع تھے۔ سب کی نگاہیں میجر پر جمی ہوئی تھیں۔ کھانے سے فارغ ہو کر جب وہ ہال سے باہر جانے لگا تو ایک شریف آدمی نے اس سے پوچھ ہی لیا آپ کہاں سے آئے ہیں اور کس ملک کے باشندے ہیں میجر میسی نے اپنا تھوڑا سا تعارف کرایا ایک دوسرے سے واقفیت ہوگئی اس نے میجر میسی کی امداد کا وعدہ کیا کہ وہ اسے ایک اسلامی ادارے سے روشناس کرادے گا وہ ادارہ نہ صرف ہر قسم کی امداد کرے گا بلکہ اس کے لئے ذریعہ معاش کا بندوبست بھی کرے گا اور لاہور کی مسلم جنٹری سے تعارف کرائے گا۔ اس شخص کی ہمدردانہ گفتگو سے میجر میسی کو تسلی ہوئی وہ دوسرے روز اسے ایک خاص فرقے کے دفتر میں لے گیا وہاں مذہب اسلام پر تبادلہ خیالات ہوتا رہا۔ اب روزانہ میجر میسی صبح سویرے وہاں پہنچ جاتا اور ان کی لائبریری میں کتب کا مطالعہ کرتا اسے

پہلے تو بڑی خوشی ہوئی کہ قدرت نے ایک تبلیغی ادارے سے منسلک کر دیا جہاں وہ اسلامی فلسفے پر تبادلہ خیال کر سکے گا۔ ایک روز لائبریری میں بیٹھا کتب دیکھ رہا تھا کہ اس کی نظر ایک رسالے پر پڑی۔ اُس نے پڑھنا شروع کیا جس میں مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کا ذکر تھا اور اس کی پیش گوئیوں پر بحث کی گئی تھی میجر کو بڑی حیرانی ہوئی کہ اس کو جو کچھ اسلام اور پیغمبر اسلامؑ کے متعلق بتلایا گیا مرزا غلام احمد قادیانی اس کی نفی کرتا ہے اور سرور کائنات کو آخری نبی ماننے کے بعد یہ شخص اپنے آپ کو بھی نبی کہتا ہے۔ یہ بات میجر میسی کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ اُس نے اس کے متعلق لائبریری کے انچارج سے وضاحت چاہی وہ خود عالم نہ تھا میجر کو مطمئن نہ کر سکا۔ دوسرے روز جمعہ تھا وہ میجر کو قادیانیوں کی عبادت گاہ میں لے گیا جہاں اُسے قادیانی مبلغوں نے گھیر لیا اور دلائل سے قائل کرنے کی کوشش کی لیکن میجر میسی کوئی عام آدمی نہ تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو عقل دی تھی اور اتنے عرصے میں جو کچھ اس نے اسلام اور پیغمبر اسلام کی بابت مطالعہ کیا تھا اس سے یقین ہو گیا تھا کہ حضور سرور کائنات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ آخری نبی ہیں اور آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور نہ کسی پر وحی نازل ہو گی۔ قادیانی علماء اسے مرزا غلام احمد کی نبوت کا قائل نہ کر سکے۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی اور عالم سے اس کے متعلق دریافت کرے۔ لیکن وہ کسی کو نہ جانتا تھا۔ اتفاق سے اُس نے لاہور سے نکلنے والا ایک مسلم انگریزی اخبار ''ایسٹرن ٹائمز'' پڑھا جس میں ایک مضمون قادیانی مذہب پر شائع ہوا تھا۔ اس مضمون کے لکھنے والے علامہ عبد اللہ یوسف علی پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور تھے۔ میجر میسی ان کے نام سے بخوبی واقف تھا کیونکہ اس نے علامہ کے عربی سے انگریزی میں ترجمہ کئے ہوئے پہلے چند پارے پڑھے تھے اسے جب یہ معلوم ہوا کہ علامہ اسی لاہور میں مقیم ہیں تو اُسی روز اخبار کے پتے کے مطابق وہ اسلامیہ کالج پہنچا اور علامہ سے انٹرویو کے لئے وقت مانگا۔ علامہ نے فوراً

اندر بلالیا۔ میجر عیسی نے اپنی پوری داستان انہیں سنائی، علامہ نے اس کو تسلی دی اور فرمایا۔ واقعی تمہاری پریشانی بجا ہے اچھا ہوا کہ میرے پاس آ گئے چند ہی دنوں میں علامہ عبداللہ یوسف علی نے اس کا تعارف علمائے دین سے کرایا جنہوں نے اُسے صحیح اسلام کی تعلیم دی علامہ خود بھی عربی پر بڑا عبور رکھتے تھے اور قرآن مجید کا ترجمہ اور تفسیر لکھ رہے تھے میجر عیسی نے ان کی صحبت میں رہ کر بڑا علمی فائدہ اُٹھایا۔

جوں جوں وقت گزرتا گیا علمائے دین سے اس کی واقفیت کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ اب وہ لاہور کی مسلم جنتری میں ایک نمایاں حیثیت سے دیکھا جانے لگا۔ اتنے عرصے میں اس کے پاس جتنا روپیہ تھا وہ سب خرچ ہو چکا تو اسے آئندہ کی فکر لاحق ہوئی۔ اس نے علامہ عبداللہ یوسف علی کو کھلے طور پر بتلایا کہ وہ چاہتا ہے اسے کوئی روزگار مل جائے جس کی آمدن سے وہ اپنے اخراجات پورے کر سکے۔ علامہ صاحب نے انجمن حمایت اسلام کے اس وقت کے صدر شیخ سر عبدالقادر سے ذکر کیا۔ انہوں نے اس بات کی حامی بھری لیکن انجمن کا بجٹ چونکہ حکومت پورا کرتی تھی اس لئے انجمن کے کسی ادارے میں اس کو ملازمت نہیں دی جاسکتی تھی۔ شیخ عبدالقادر کے دماغ میں ایک اور اسکیم آئی اسی سال ماہ دسمبر کے آخری ہفتے میں انجمن حمایت اسلام کا سالانہ جلسہ منعقد ہونے والا تھا اور جلسے کی صدارت کے لئے ہز ہائی نس نواب سر صادق محمد خاں خامس عباسی فرمانروا ریاست بہاولپور کو مدعو کیا گیا تھا۔ شیخ عبدالقادر نے سوچا کہ نواب صاحب سے میجر عیسی کا تعارف کرایا جائے اور ان سے درخواست کی جائے کہ وہ اس نومسلم کی امداد کریں اُمید ہے کہ نواب صاحب حسب منشا کچھ بندوبست کر دیں گے۔

۲۹ دسمبر ۱۹۳۱ء کو انجمن کا سالانہ جلسہ منعقد ہُوا۔ جس میں تمام برصغیر سے علمائے دین شامل ہوئے۔ انجمن کے سالانہ جلسے کے موقعے پر ہمیشہ ایک یا دو مشہور و معروف نومسلموں کو بھی مدعو کیا جاتا تھا تاکہ وہ بتلائیں کہ انہوں نے اسلام کیوں قبول کیا۔ اس

مرتبہ میسی سے درخواست کی گئی کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار کریں۔ میجر میسی نے اپنی ساری سرگزشت سُنائی۔ صدر جلسہ نوابصاحب بھی بڑے متاثر ہوئے۔ میجر کی تقریر کے بعد انہوں نے اس سے ہاتھ ملایا اور اس کی جرأت اور حُبِ اسلام کی داد دی۔ بہر حال انجمن کا جلسہ ختم ہوا تو اسی رات شیخ سر عبد القادر نے نواب صاحب کے اعزاز میں اپنی کوٹھی واقع ٹمپل روڈ پر دعوت کی جس میں پنجاب بھر کے تمام سرکردہ مسلمان رہنما شامل ہوئے۔

میجر میسی کو بھی مدعو کیا گیا۔ کھانے کے خاتمے پر عبد القادر نے باری باری تمام حاضرین کا نواب صاحب سے تعارف کرایا۔ سب سے آخر میں میجر میسی کو بلایا گیا۔ نواب صاحب نے اس سے بڑے تپاک سے ہاتھ ملایا اور اپنے ساتھ صوفے پر بٹھایا۔ سر عبد القادر نے یہ موقع غنیمت سمجھا اور نواب صاحب سے التجا کی کہ میجر میسی کے ذریعہ معاش کا اگر ریاست انتظام کر سکے تو یہ بڑی بات ہوگی۔ اس طرح ایک تو اسلامی ریاست میں اسلامی معاشرے میں رہ کر اسلام کی اصلی رُوح پہچانے گا اور اس کے ساتھ ساتھ کسی کا محتاج نہ ہوگا۔ یہ سنتے ہی نواب صاحب بہت خوش ہوئے اور میجر میسی کو مخاطب کر کے کہاں کیوں میجر صاحب آپ دوبارہ فوجی زندگی میں واپس جانا پسند کریں گے؟ میں چاہتا ہوں آپ کو بہاولپور اسٹیٹ فورسز میں میجری کے رینک سے ترقی دے کر لیفٹیننٹ کرنل کے رینک پر تعینات کیا جائے۔

میجر میسی یہ بات سن کر خوش تو ہوا، لیکن کہنے لگا، نواب صاحب ایسا نہ ہو کہ میری وجہ سے حکومت ہند کا پولیٹیکل محکمہ آپ سے ناراض ہو جائے۔"

نواب صاحب نے جواب دیا آپ اس بات کی ذرا پروہ نہ کریں۔ وہ میری اپنی ذمہ داری ہوگی۔ آپ پر انشاء اللہ تعالیٰ کوئی حرف نہ آئے گا۔ میجر میسی نے اپنی رضامندی کا اظہار کیا تو نواب صاحب نے اپنے پرائیوٹ سیکرٹری کو حکم دیا کہ بہاولپور

پہنچ کر آرمی منسٹر سے میجر میسی کے نام حکم جاری کرائے جس میں اس کی تعیناتی کے علاوہ پروموشن یعنی میجر سے لیفٹیننٹ کرنل کے عہدے پر ترقی کا ذکر ہو۔ ابھی چار ہی روز گزرے تھے کہ میجر میسی کے نام آرمی منسٹر اور جنرل آفیسر کمانڈنگ بہاولپور اسٹیٹ فورسز کی طرف سے خط پہنچا کہ فوراً ڈیرہ نواب پہنچو۔ جس کا دوسرا نام صادق گڑھ پیلس ہے اور حاضری کی اطلاع دو کرنل میسی نے تیاری کی اور بذریعہ تار ملٹری سیکرٹری کو اپنی آمد سے مطلع کیا۔ جب ٹرین ڈیرہ نواب پہنچی تو کرنل میسی کی پیشوائی کیلئے ملٹری سیکٹری موجود تھا۔ وہ اسے ساتھ لے کر شاہی مہمان خانہ پہنچا جہاں اس کی رہائش کا بندوبست کیا گیا تھا۔ دوسرے روز ملٹری سیکرٹری اپنے ساتھ لے کر آرمی ہیڈ کوارٹر پہنچا وہاں آرمی منسٹر اور جنرل آفیسر کمانڈنگ بہاولپور اسٹیٹ فورسز جنرل صاحبزادہ دلاور خاں اپنے ہمراہ لے کر شاہی محل پہنچا۔ ریاست میں یہ طریقہ رائج تھا کہ جب کوئی پہلی دفعہ نواب صاحب سے ملاقات کے لئے محل پر پہنچتا تو اسے اپنے ہمراہ پھلوں کی چند ٹوکریاں بطور نذرانہ پیش کرنی پڑتی تھیں۔ شاہی گیٹ پر خاص خادم اس ڈیوٹی پر متعین تھے۔ وہ سروں پر ٹوکری اٹھا کر ملاقاتی کے پیچھے پیچھے چلتے۔ اس کے علاوہ ہر ملاقاتی اپنی حیثیت کے مطابق نقد نذرانہ پیش کرتا۔ جب ملاقاتی شاہی گیٹ پر پہنچتا تو اسے بتایا جاتا کہ گیٹ پر درجنوں ترکی ٹوپیاں رکھی گئیں ہیں، تاکہ ہر ملاقاتی اپنے سائز کی ٹوپی پہن لے۔ نواب صاحب کا یہ حکم ہر ملاقاتی کے لئے ضروری تھا۔ خواہ وہ انگریز ہو ہندو، کوئی بھی ہو اس حکم کی تعمیل ضروری تھی البتہ اس سے وائسرائے ہند، گورنر پنجاب اور دیگر ہندوستانی ریاستوں کے راجے مہاراجے مستثنیٰ تھے۔ کرنل میسی نے وہاں ترکی ٹوپی پہنی اور آئینے میں اپنے آپ کو اسلامی لباس میں دیکھ کر حد درجہ خوش ہوا۔ غرض جنرل دلاور خاں کے ساتھ نواب صاحب کے حضور پیش ہو کر رواج کے مطابق نذرانہ پیش کیا۔ نواب صاحب نے کرنل میسی کو خاندان عباسیہ کی طرف سے طلائی دستے کی

تلوار عطا کی۔ اس کے بعد دفتر میں لے گئے وہاں پر حکومت ہند کی طرف سے جاری کیے گئے احکام دکھلائے کہ جن لائنوں پر اسٹیٹ فورسز کو چلانا ہے اسی سال سے انڈین اسٹیٹ فورسز کو نئے طریقے پر تشکیل کیا گیا تھا۔ دو حصوں میں فورسز بانٹی گئی تھیں۔ ایک امپریل ٹروپس کہلاتے تھے دوسرا سیکورٹی فورسز بہاولپور ریاست کی فرسٹ بہاولپور انفنٹری امپریل ٹروپس مین شمار ہوتی تھی۔ کرنل میسی کو اس کی کمانڈ دی گئی۔ ایک سال کے قلیل عرصے میں کرنل نے یونٹ کی سکھلائی ڈسپلن کا معیار انڈین آرمی تک پہنچا دیا۔ دوسرے سال جب آرمی ہیڈ کوارٹر دہلی سے انڈین اسٹیٹ فورسز کا ملٹری ایڈوائزر انچیف سالانہ معائنے کے لئے آیا تو اس نے نواب صاحب کو مبارک باد دی کہ آپ کی فورسز باقی سب انڈین اسٹیٹ فورسز سے اعلیٰ ہیں۔ نواب صاحب نے کرنل میسی کی شادی کا بھی بندوبست کر دیا۔ ایک معزز خاندان کی بیوہ سے اس کا نکاح پڑھا دیا تاکہ اُسے خانگی زندگی کا آرام میسر ہو۔

جون ۱۹۳۴ء میں کرنل میسی چند روز بیماری کے بعد وفات پا گئے اور انہیں پورے فوجی اعزاز سے دفنایا گیا۔ ان کی قبر ڈیرہ نواب سے بہاولپور جانے والی سڑک پر لب سڑک بنائی گئی تاکہ جب کبھی نواب صاحب بہاولپور جائیں تو راستے میں کرنل میسی کی قبر پر کار سے اُتر کر فاتحہ پڑھ سکیں اور سڑک سے گزرتے ہوئے فوجی دستے قبر کو سلامی دے کر گزریں۔

دیوانے گزر جائیں گے ہر منزل غم سے
حسرت سے زمانہ اُنہیں تکتا ہی رہیگا
آتی رہیگی تیری نفاس کی نفاس کی خوشبو
گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

مجھے قید کے دوران ایک گوریلا کمانڈر کے حوالے کر دیا گیا ہے جس نے میرے مقدر کا فیصلہ کرنا تھا کمانڈر نے عجلت میں مجھے گولی مارنے کا حکم دیا مگر ماتحت مسلمان فوجیوں نے گولی چلانے سے انکار کر دیا یہ سب کچھ میرے سامنے ہوا، چونکہ میں عربی زبان سے واقف نہ تھا اس لئے مجھے اپنی زندگی بچ جانے کی خوشی سے زیادہ یہ سوچ کھائے جارہی تھی آخر کیا اسباب تھے جنکی وجہ سے مجھے گولی مارنے سے انکار کیا گیا بھلا ہو اُس الجزائری ترجمان کا جو مسلمان تھا اُس نے مجھے وہ حقیقت بتائی جو آج تک میرے کانوں میں گونج رہی ہے کہ

''اسلام نہتے پر ہاتھ نہیں اُٹھاتا''

ایک جملے نے مسلمان بنا دیا!

یہی مقصود فطرت ہے یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی

رجا گارودی (سابق کمیونسٹ اور کیتھولک) فرانسیسی مفکر بڑے ہی حساس اور منطقی آدمی ہیں۔ قدرت نے ان کو بڑی تیز قوت مشاہدہ سے نوازا ہے جس کے نتائج کو وہ اپنی عقل کی مدد سے خلق تک پہنچاتے ہیں۔ انہوں نے عالمی ثقافت کو بڑی عمیق نگاہ سے دیکھا ہے اور خصوصاً مغربی ثقافت پر تو کمال کی دسترس رکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ مغربی ثقافت حقیقت میں اپنے معنی کھو چکی ہے۔ اس میں اب زندگی کی کوئی رمق باقی دکھائی نہیں دیتی۔ اہل مغرب کے ہاں علم برائے علم، فن برائے فن، اور ٹیکنالوجی محض ٹیکنالوجی رہ گئی ہے۔ اور زندگی ایسی آوارہ روح بن چکی ہے جس کا کوئی مصرف نہیں ایک بے مصرف پتھر کی مانند، ایک آوارہ مصرع کی طرح، مغربی نظریات انسان کو انسانیت سے دور کرتے ہیں۔ اجتماعی زندگی کے قاتل ہیں۔ یہی نظریات آگے چل کر سرمایہ داری جیسی لعنت کا سبب بنتے ہیں۔ جس کی بدولت ہوس ملک گیری، محکومیت کا رواج، باہمی جنگ وجدل، اندرونی و بیرونی خلفشار جیسے عفریتوں نے پورے عالم کو گھیر رکھا ہے۔ اشتراکیت بھی انہی مغربی نظریات کا پھل ہے۔ جس نے آج بھی اپنے حواریوں کو غلامی میں جکڑ رکھا ہے۔ اور وہ آج بھی پتھر کے زمانے کا عذاب جھیل رہے ہیں۔ پھر اپنے ملک سے نکل کر تیسری دنیا پر غلبے کی تگ وتاز اور اسلحے کی دوڑ میں اول آنے والے کی یہ کوشش یہ سب کچھ اشتراکیت ہی کا فساد ہے۔

اسی مختصر سی تمہید نے آپ کے ذہن میں گارودی کی شخصیت کو اجاگر کر دیا ہوگا۔

دراصل ان کی اس دانش مندانہ سوچ کے پیچھے تجربات کا بڑا ہاتھ ہے وہ بات بڑے ناپ تول انداز میں کرتے ہیں۔ یہ تمام تر نتائج انہوں نے اپنی زندگی کو داؤ پر لگا کر حاصل کیے۔ اور انہی تجربات نے صراط مستقیم کی طرف ان کی رہنمائی کی۔ اسلام کی طرف رغبت کے بارے میں انہوں نے بتاتے ہوئے کہا: میرے کیتھولک نظریئے سے فرار اور اسلام کی طرف رغبت کی سب سے اہم وجہ ارضِ فلسطین کے بارے میں کلیسا کیتھولک کا وہ موقف ہے جس کے مطابق ''ارض المیعاد والعشب المختار'' یعنی ارض فلسطین ہی وہ مقدس سرزمین ہے جس کا وعدہ ہمارے اللہ نے ہم سے کیا تھا۔ اور بے شک ہم ہی (یہودی) اللہ کے پسند دیدہ بندے ہیں۔

مشہور عالمی مفکر نے کہا: الحاد سے ایمان کی طرف کا سفر ۱۹۳۳ء سے ہی شروع ہو چکا تھا جب میں فلسطینی فرانسیسی کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کونسل کا ممبر تھا۔ اور نفس الوقت ''کیتھولک مسیحی نوجوانوں کی تنظیم'' کا چیرمین بھی تھا۔ اور یہ بات اس کی دلیل ہے کہ کمیونزم اصل میں عیسائیت (نصرانیت) کی وہ اصطلاح ہے جو اقتصادی مسائل کے حل کے لئے استعمال کی گئی ہے۔

۱۹۳۳ء سے ۱۹۳۶ء کا زمانہ یورپ کے لئے انتہائی انتشار اور بدامنی کا زمانہ تھا ہٹلر کا وجود پوری دنیا کے لئے خطرے کا باعث تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کے بعد قیامت نام کی کوئی اور چیز نہیں ہوسکتی۔ میرے طالب علمی کے دور نے بھی مجھے اپنی عاقبت سنوارنے کی طرف اکسایا۔ اور میں چاہتا تھا کہ میری موت ایک دیندار شخص کی ہو۔ سو یہ دور میرے نصرانی بننے کا باعث بن گیا اور پھر ہٹلر کے مدمقابل اگر کوئی مضبوط محاذ نظر آتا تھا تو وہ یہی تھا۔ اس وقت فرانس کے تمام ادیب، شاعر مصور اور جامعات کے اساتذہ نوبل انعام یافتہ شخصیتیں یا تو کمیونسٹ پارٹی کے ممبر تھے یا پھر ان کے رفقاء کار تھے۔

میرا یہ مؤقف میرے لئے وبال جان ثابت ہوا اور مجھے گرفتار کر لیا گیا اور ۱۹۴۰ء میں مجھے تین سال کے لئے جیل بھیج دیا گیا۔ دوسری جنگ عظیم کے خاتمے تک میں جیل میں رہا۔ اسی دوران وہ واقعہ پیش آیا جس نے مجھے اسلام کی طرف دلی طور پر مائل کیا مجھے قید کے دوران ایک گوریلا کمانڈر کے حوالے کر دیا گیا تھا جس نے میرے مقدر کا فیصلہ کرنا تھا۔ یہ الجزائر کے صحرائی علاقے ''جلف'' کی بات ہے جہاں پر مجھے قید رکھا گیا۔ کمانڈر نے مجھ سے نجات حاصل کرنے کی خاطر عجلت میں مجھے گولی مار دینے کا حکم دیا تعمیل کے لئے الجزائر کے وہ فوجی مسلمان تھے جو اس کمانڈر کے زیر حکم تھے۔ انہوں نے مجھ پر گولی چلانے سے انکار کر دیا یہ سب کچھ میرے سامنے ہوا چونکہ میں عربی زبان سے، واقف نہ تھا اس لئے مجھے وجوہات سمجھ نہ آسکیں۔ اس وقت مجھے اپنی زندگی بچ جانے کی خوشی سے زیادہ یہ سوچ کھائے جا رہی تھی کہ آخر وہ کیا اسباب ہیں جن کی بدولت مجھے گولی مارنے سے انکار کیا گیا ہے بھلا ہو اس الجزائری ترجمان کا جو مسلمان تھا اس نے مجھے وہ حقیقت بتائی جو آج تک میرے کانوں میں گونج رہی ہے کہ ''اسلام نہتے پر ہاتھ نہیں اُٹھاتا''

یہ وہ پہلا واقعہ ہے جس نے میرے ذہن کو ہلا کر رکھ دیا میرے اندر اسلام کو سمجھنے کی شدید خواہش پیدا ہوئی جس کے نتیجے میں میں نے اسلامی اخلاقیات کو دس سال 'جامع سوربون'' میں پڑھا۔

اس دوران میں جب میں دوبارہ الجزائر گیا تو میری ملاقات الجزائری علماء کی تنظیم کے چیئرمین سے ہوئی ان کی شخصیت میں مجھے اسلام عملی طور پر نظر آیا انہی کی بدولت الجزائر کے قومی ہیرو ''عبد القادر الجزائری'' کے حالات زندگی اور وطن کی آزادی کی خاطر کوششوں کا علم ہوا۔

اس کے بعد جب یونیسکو کے زیر اہتمام ثقافت کے بارے میں عالمی مذاکرہ ہوا تو

وہاں مین نے غیر مغربی ملکوں کا دنیا کی ثقافت میں کردار کے موضوع پر ایک مدلل اور سیر حاصل گفتگو کی۔ اس دوران کانفرنس میں اہل مغرب کو یہ بتایا کہ مغربی ثقافت انسان کو نہ صرف انسانیت سے دور کرتی ہے بلکہ اس نے روح جیسی مقدس چیز کا بھی مذاق اُڑایا ہے۔ میں نے اس ضمن میں دو کتابیں مرتب کیں۔ جن میں سے ایک کا نام ''اسلام کی بشارتیں'' اور دوسری کا نام ''اسلام ہماری تہذیب ہے'' میری ان تمام کاوشوں سے آپ پر واضح ہو گیا ہو گا کہ میں اسلام کے کسی قدر قریب رہا۔

اسلام کے بارے میں عظیم مفکر نے اپنے تاثرات کچھ اس طرح بیان کیے۔

میری تلاش نے مجھے اس حقیقت سے آگاہ کیا کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو عقلی اور وجدانی دونوں کیفیتوں میں خدا کی وحدانیت کا ثبوت مہیا کرتا ہے۔ اور قرآن کریم کائنات اور بشریت کو ایک وحدت میں باندھتا ہے نماز ہمیں ایک مرکزیت کی دعوت دیتی ہے۔ جس میں ہماری اصل وجودیت ہے۔

قرآن کریم تمام اوامر اور اشیاء کا اکتشاف کرتا ہے اور یہ تمام تر حقائق اللہ خالق کل اور اس فطری نظام زندگی کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس میں انسانی معاشرہ اور بشریت کی رمز بھی ہے۔

اس فطری دین کی اساس نظم ونسق اور خالق حقیقی کی طرف لوٹ کر جانے والی حقیقتوں پر استوار ہے اور انسان کا اس دنیا میں قیام مقاصد الٰہی کی تکمیل ہے

دریائے نیل کے کنارے میں ایک شخص کو دیکھا جو پانی کی طرف رُخ کر کے گتے کے ایک ٹکڑے پر نماز اداء کر رہا تھا اُسکی حالت سے اُسکی غریبی اور مفلوک الحالی ظاہر ہو رہی تھی میں نے اُسکے سامنے سے گزرنا چاہا لیکن اس وجہ سے رُک گیا کہ اُس کی توجہ میں مداخلت نہ ہو لیکن وہ نماز میں اسقدر گم تھا اور اپنے رب کے ساتھ اُسکی توجہ اتنی گہری تھی کہ وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر نظر آرہا تھا میں نے ایسی توجہ اور ایسا تعلق کبھی کسی پادری کا خدا سے قائم ہوتے نہیں دیکھا تھا۔

اللہ کی توفیق کے بغیر حق نہیں ملتا

انداز راز نیاز ہوں ایسے کہ دنیا ومافیہا سے بے خبر ہوجا
دیکھے کوئی تو کہہ دے کہ یہ سوکھا ہوا شجر ہوگا!

میرا نام نوح ہامیم کیلر ہے۔ میں شمال مغربی ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے دیہاتی علاقے میں ۱۹۵۴ء میں پیدا ہوا۔ اور بطور رومن کیتھولک ایک مذہبی گھرانے میں پلا بڑھا۔ میرے بچپن کے زمانے میں چرچ نے میری تمام روحانی ضرورتوں کو پورا کیا۔ میں نے جب کیتھولک یونیورسٹی میں داخلہ لیا تو مذہبی مطالعے میں اضافے کے ساتھ ساتھ اپنے عقیدے کے بارے میں سوالات میرے ذہن میں پیدا ہونا شروع ہوئے۔

سن ۱۹۶۳ء کی سیکنڈ ویٹیکن کونسل کے مطابق چرچ کے کوئی مقررہ معیارات نہیں ہیں اور یہی وجہ ہے کہ کیتھولک کلیسائی عبادات اور رسوم میں بھی تبدیلیاں آتی رہی ہیں۔ چرچ کے پادری کلیسائی قواعد میں نرمی اور لچک کے قائل ہیں تاہم انہوں نے عام کیتھولک عوام کو اندھیرے میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ اللہ کی کتاب انجیل مقدس کے عبرانی سے لاطینی اور لاطینی سے انگریزی میں ترجمہ ہوتے ہوتے بہت کچھ بدل گیا۔ وحی الٰہی کے الفاظ کی جگہ مختلف زمانوں میں انسانوں نے اپنی سہولت اور آسانی کے مطابق تبدیلیاں کر ڈالیں یہاں تک کہ اللہ کے کلام کو گٹار اور کلاسیکی موسیقی کا محتاج بنا دیا گیا۔

کلیسائی عبادتوں میں تبدیلی کی ایک اور وجہ عقیدے اور نظریات کی مشکلات بھی تھیں۔ مثال کے طور پر تثلیث کا نظریہ جس کی وضاحت دنیا کی تاریخ میں کوئی شخص

نہیں کرسکا۔ نہ کوئی پادری اور نہ عام آدمی متاثر کن انداز میں اس کی توضیح کرنے میں کامیاب ہوسکا۔ عقیدہ تثلیث کے مطابق اللہ تعالیٰ جنت سے دنیا پر حکمرانی کررہا تھا اور زمین پر اس کا بیٹا عیسیٰؑ جس نے انسانیت کو بچایا اور مقدس فرشتہ جبرائیل علیہ السلام نے جس کو ایک سفید فاختہ کے روپ میں پیش کیا جاتا ہے، نسبتاً ایک معمولی کردار ادا کیا۔ مجھے یاد ہے کہ جب بھی میں کسی پریشانی میں مبتلا ہوتا تھا تو میں یہ فیصلہ نہیں کرسکتا تھا کہ ان تین میں سے کس سے مدد کی درخواست کروں۔ بالآخر اس نتیجے پر پہنچا کہ اللہ تعالیٰ کو باقی دونوں پر غالب اور حاکم ہونا چاہئے۔ میں جب تک عیسائی رہا ان تینوں کے اختیارات میں مساوات کا تصور میرے ذہن میں کبھی نہیں آیا۔ کیونکہ یہ مساوات میرے کیتھولک عقائد میں ہمیشہ ایک رکاوٹ اور سقم پیدا کردیتی تھی۔

چرچ کے بارے میں میری بے اعتقادی کی ایک اور وجہ اس کا اسٹاکس اور ٹریڈنگ میں ملوث ہونا بنا۔ بائبل کا میں نے جب بھی مطالعہ کیا اس کے تضادات نے سوائے پریشان خیالی کے مجھے کچھ نہ دیا۔ بعد میں جب میں نے عیسائیت کے دوسرے فرقوں مثلاً پروٹیسٹنٹ کا مطالعہ کیا تو میری سمجھ میں یہ بات آئی کہ عیسائیت کی اس کمی کو کیسے پورا کیا گیا۔ پروٹیسٹنٹ نے اپنا علیحدہ مذہب تخلیق دے لیا۔ ہر فرقے نے اپنے مطلب کے عقائد پر زور دیا اور باقی کو چھوڑ دیا کیتھولکس نے سوائے مذہبی رسومات کے تمام چیزوں کو چھوڑ دیا۔ ظاہر ہے کہ بائبل میں کہیں بھی پوری زندگی کے لئے ہدایات موجود نہیں تھیں اور جو کچھ بھی تھا وہ باہم متضاد تھا۔

جب میں نے کیتھولک یونیورسٹی میں عیسائیت کا گہرا مطالعہ شروع کیا تو میرے علم میں آیا کہ نئے عہدنامے اور پرانے عہدنامے کے تضادات نے اصل کتاب کی حقانیت کو ہی شک وشبہ میں ڈال دیا ہے۔ خود عیسائیت کے ماننے والے محققین نے جب اس بارے میں تحقیقات شروع کیں تو سوائے تشکیک کے اور کچھ حاصل نہیں

ہوا۔ میں نے جو اکم جرمیاس کی کتاب ''دی پرابلم آف ہسٹاریکل جیس'' کا مطالعہ کیا جس کا ترجمہ نارمن پیرن نے کیا ہے۔ جرمیاس اس صدی میں نئے عہد نامے پر بنیادی اسکالر کا درجہ رکھتا ہے۔ وہ انجیل مقدس کی اصل زبانوں کا عالم اور ماہر تھا اور اسنے بالآخر اسکالر روڈلف بلٹ مین کے اس مقولے سے اتفاق کیا کہ نئے عہد نامے کی بنیاد پر حضرت عیسیٰؑ کی کوئی قابل اعتماد اور قابل اعتبار سوانح تحریر نہیں کی جا سکتی۔ جب عیسائیت کا ایک دوست اسے تسلیم کرلیتا ہے تو عیسائیت کے مخالفین کو جواب دینے کے لئے عیسائیوں کے پاس کون سی دلیل رہ جاتی ہے۔

بائبل اس کے سوا اور کیا ہے کہ اس میں سچ اور حق کو یعنی اللہ تعالیٰ کی وحی کو انسانوں اور کہانیوں کے ساتھ اس طرح ملا دیا گیا ہے کہ افسانہ اور داستان طرازی سچ کے اوپر غالب آ گئی ہے اور کوئی شخص بھی کہانی کو حقیقت سے علیٰحدہ نہیں کر سکتا۔ جب جرمیاس جیسا شخص بھی بائبل کی اس کمی کو تسلیم کرتا ہے تو ایک عام عیسائی کے پاس باقی کیا رہ جاتا ہے؟ اس دوران میں نے آرتھر شوپن ہار کا مطالعہ بھی کیا اور فریڈرک نطشے کا بھی، اور ان میں سے کوئی بھی عیسائیت کے بارے مین میری بے اطمینانی کا علاج نہ کر سکا۔ جب میں نے یونیورسٹی آف گلاسکو میں داخلہ لیا تو فلسفہ میرے مطالعے کا محور بن گیا۔ میں نے جین پال سارترے، ہیزل ہاریس، کارل مارکس، اینجلز، ایمائل درکھائم، جرمی شاپیرو، جرگن ہیبر، ماس، ہیگل اور دوسرے فلسفیوں کا مطالعہ کیا۔

اس دوران اسلام کے بارے میں بھی متعدد کتابیں میں نے پڑھ ڈالیں۔ ان میں وہ تصانیف بھی شامل تھیں جن کے مصنف مغربی آدمی کے ماحول اور مسائل سے بخوبی آگاہ تھے۔ ایسے مصنفین نے اس چیز پر زور دیا کہ جدید انسان کے لئے سارے مسئلے پیدا ہی اس لئے ہوئے کہ اس نے دنیا سے فطرت میں بطور انسان اپنے مقام کو اپنے خالق کے بتائے ہوئے رہنما اصولوں اور وحی الٰہی کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش

نہیں کی۔

انتہا یہ ہے کہ عیسائیوں کے تمام مذہبی ادارے یعنی چرچ بھی محض ایک کمرشل اور تجارتی ادارے بن کر رہ گئے۔ میں نے امام غزالی کی ایک تصنیف کا ڈبلیو منگمری کا کیا ہوا ترجمہ بھی پڑھا جس سے زندگی کے معاملات میں روشنی ملی۔ اس کتاب میں ہیگل کے تصور کے مطابق ایک ایسے عقل مند اور باشعور شخص کا تذکرہ ہے جو حق اور باطل میں تمیز کا پورا اختیار اور تمیز رکھتا ہے۔ میں نے قرآن مجید کا اے جے آربیریز کا ترجمہ بھی پڑھا۔

اگرچہ یہ ترجمہ ایک عیسائی کا کیا ہوا ہے، لیکن اس کی ہر سطر سے بائبل کے مقابلے میں قرآن مجید کے اللہ تعالیٰ کا کلام ہونے کا ثبوت ملتا ہے اور قرآن کی بالادستی ثابت ہوتی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے بطور قادر مطلق اور انسان کے بطور ایک بندے کے ان کے باہمی رشتے کی نمایاں توضیح ملتی ہے۔

ایک وقت یہ آیا کہ میں نے شکاگو یونیورسٹی میں عربی زبان سیکھنی شروع کی۔ صرف قواعد اور صرف ونحو پر عبور حاصل کرنے میں مجھے ایک سال کا عرصہ لگ گیا۔ عربی پر پورا عبور حاصل کرنے کے لئے میں نے قاہرہ جانے کا فیصلہ کیا تا کہ نجی طور پر یہ زبان سیکھ سکوں۔ مصر میں مجھے ایسے تجربات ہوئے جن کی وجہ سے میرا اسلام پر یقین اور پختہ ہو گیا۔ مصر میں میری اچھے اور برے ہر طرح کے مسلمانوں سے ملاقات ہوئی، لیکن میں نے ان پر قرآن کا وہ گہرا اثر دیکھا جو مجھے پوری عیسائی دنیا میں عیسائیوں پر بائبل کا کہیں نظر نہیں آتا۔

دریائے نیل کے کنارے میناس گارڈنز میں چہل قدمی کرتے ہوئے میں نے ایک شخص کو دیکھا جو پانی کی طرف رخ کر کے گتے کے ایک ٹکڑے پر نماز ادا کر رہا تھا۔ اس کی حالت سے اس کی غریبی اور مفلوک الحالی ظاہر ہو رہی تھی۔ میں اس کے

سامنے سے گذرنا چاہتا تھا، لیکن اس وجہ سے رک گیا کہ اس کی توجہ میں مداخلت نہ ہو۔ لیکن وہ نماز میں اس قدر گم تھا اور اپنے رب کے ساتھ اس کی توجہ اتنی گہری تھی کہ وہ دنیا ومافیہا سے بے خبر نظر آ رہا تھا۔ ایسی توجہ اور ایسا ادراک میں نے کبھی اپنی زندگی میں نہیں دیکھا تھا۔ میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ انسان اپنے خالق اور اپنے مالک سے ایسا گہرا تعلق پیدا کر سکتا ہے۔ میں نے ایسی توجہ اور ایسا تعلق کبھی کسی پادری کا خدا سے قائم ہوتے نہیں دیکھا تھا۔

میں نے خان الخلیلی کے قریب سیکنڈری اسکول کے ایک کمسن لڑکے کو دیکھا۔ وہ تھوڑی سی انگریزی بول لیتا تھا اور مجھے تھوڑی سی عربی آتی تھی، اس لئے ہم ایک دوسرے سے بات چیت کرنے لگے۔ وہ گیزا تک میرے ساتھ پیدل گیا جو کئی میل دور تھا۔ جب ہم ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو وہ یہ دعا کر رہا تھا کہ میں اسلام قبول کرلوں۔ شاید یہ اس کے سچے دل کی دعا تھی کہ جس نے مجھے دین حق کی طرف مائل کیا ورنہ تو بہت سے اسکالر اور عالم جنہوں نے اسلام پر بڑے بڑے تھیس لکھے تھے، مسلمان ہوئے بغیر مر گئے۔ اور جنہیں اللہ نے توفیق دی انہوں نے صراط مستقیم کا انتخاب کرلیا۔

قاہرہ میں میری ملاقات ایک یمنی مسلمان سے ہوئی جس نے عربی زبان سیکھنے میں مدد کے لئے مجھے قرآن مجید کا ایک نسخہ دیا۔ میرے کمرے میں کوئی میز نہیں تھی اور میں اپنی کتابیں فرش پر رکھا کرتا تھا۔ چنانچہ میں نے قرآن مجید کا یہ نسخہ بھی ان ہی کتابوں کے ساتھ فرش پر رکھ دیا۔ میرے یمنی دوست نے عجلت میں اس نسخے کو فرش سے اوپر اُٹھالیا اور اس وقت تک اسے اوپر اُٹھائے رہا جب تک میں نے اس سے وعدہ نہیں کرلیا کہ میں اسے فرش پر رکھنے کے بجائے اپنے بستر پر سرہانے رکھوں گا تا کہ اس کی بے ادبی نہ ہو۔ اللہ کے کلام کے لئے اس کی عقیدت اور محبت سے میں بے

حد متاثر ہوا حالانکہ وہ کوئی مذہبی آدمی یا اسکالر نہیں تھا، لیکن اس کے باوجود اس کی عقیدت انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔

میں ایک مرتبہ دریائے نیل کے کنارے ایک کچی سڑک پر جا رہا تھا کہ مخالف سمت سے معمولی کپڑوں میں ملبوس ایک بوڑھی عورت آئی۔ اس نے خود کو سر سے پیر تک سیاہ چادر میں چھپایا ہوا تھا۔ وہ جب میرے قریب سے گزری تو اس نے ایک لفظ کہے بغیر ایک سکہ میری طرف پھینکا اور اسی خاموشی سے آگے چلی گئی۔ میں اس کے ایثار پر حیران رہ گیا۔ اسے محسوس ہوا کہ میں ایک غیر ملکی اور ضرورت مند ہوں اور غیر مسلم ہونے کے باوجود اس نے میری مدد کرنا ضروری سمجھا۔ یہ اس کے اللہ کے درمیان مضبوط تعلق کی شہادت تھی۔ ان مختلف تجربات نے مجھے اسلام کے بارے میں زیادہ پڑھنے اور سوچنے پر مجبور کر دیا۔

اپنی پوری زندگی میں میں نے کسی مذہب کے عام انسانوں پر ایسے گہرے اثرات نہیں دیکھے جیسے قاہرہ میں قیام کے دوران عام مسلمانوں پر اسلام کے اثرات نظر آئے۔ عیسائیت میں یقیناً بہت سی اچھی باتیں ہیں، لیکن ان تمام اچھائیوں پر نظریاتی خلفشار اور تضادات کا غلبہ ہے۔ یہ تضادات اور خلفشار قرآن مجید میں کہیں بھی نظر نہیں آتے۔ ہر بات کھلی اور واضح ہے۔ ہر حکم دلیل اور منطق کے ساتھ ہے۔ قرآن مجید میں حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک ہر پیغمبر کا تذکرہ انتہائی احترام کے ساتھ ہے۔ جس طرح عیسائی، پیغمبر اسلام ﷺ اور شعائر اسلام کی بے حرمتی کرتے ہیں اس طرح مسلمان حضرت عیسیٰؑ یا ان کے حواریوں کی بے حرمتی نہیں کرتے بلکہ انہیں بھی دین اسلام اور حق پر تصور کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے لئے تو انجیل مقدس بھی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے لیکن اب وہ اپنی اصل شکل میں موجود نہیں ہے کیونکہ اس میں انسانوں نے کہانیاں اور افسانے شامل کر دیئے ہیں۔ اسلام کا پہلا سبق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سرتاپا

محبت ہے اور انسان کو اس کی تعریف اور توصیف اپنے اندر پیدا کرنے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

ایک دن قاہرہ میں میرے ایک دوست نے مجھ سے کہا: تم مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے؟

اس کی بات تیر کی طرح میرے دل میں پیوست ہوگئی۔ درحقیقت سلامتی کا راستہ تو وہی اختیار کرتا ہے جسے اللہ تعالیٰ توفیق دے، لیکن انسان میں خود بھی تو اس راستے کی جستجو ہو۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

''کیا ایمان لانے والوں کے لئے ابھی ...... وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے پگھلیں اور اس کے نازل کردہ حق کے آگے جھکیں اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں پہلے کتاب دی گئی تھی، پھر ایک لمبی مدت گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے اور آج ان میں اکثر فاسق بنے ہوئے ہیں۔ خوب جان لو کہ اللہ زمین کو اس کی موت کے بعد زندگی بخشتا ہے۔ ہم نے نشانیاں تم کو صاف صاف دکھا دی ہیں، شاید کہ تم عقل سے کام لو۔'' (۵۷،۱۶،۱۷)

بالآخر میں نے قاہرہ میں ۱۹۷۷ء میں اسلام قبول کیا۔

اور تب سے اب تک میں اسلام کے بارے میں کئی کتب تحریر اور کچھ کتابوں کے ترجمے کر چکا ہوں۔

میرے گھر میں مسلمانوں سے سخت نفرت کی جاتی تھی جب میں نے ہوش سنبھالا تو عیسائیت کے بارے میں چند سوالات میرے ذہن میں پیدا ہوئے لیکن گھر میں کوئی ان سوالات کے جوابات دینے کو تیار نہ تھا رفتہ رفتہ اسلام سے میری دلچسپی بڑھتی گئی اس دوران میں ایک عجیب وغریب تجربہ سے دوچار ہوا ایک صبح اچانک نیند سے بیدار ہوکر بیٹھ گیا ٹھیک اسی وقت مسجد سے اذان کی آواز بلند ہوئی اگرچہ میں اذان کی آواز کئی روز سے سنا کرتا تھا لیکن آج اذان کا ایک ایک لفظ میرے جسم میں اتر کر رگ و پے میں حرکت کرتا محسوس ہورہا تھا اور میرے جسم کا رواں رواں ایک عجیب جذبے سے سرشار ہورہا تھا۔

اذان میرے روحانی سفر کا آغاز

ناگاہ فضا بانگ اذاں سے ہوئی لبریز
وہ نعرہ کہ ہل جاتا ہے جس سے دل کہسار

میں ایک کیتھولک عیسائی خاندان میں پیدا ہوا میرے والد کے خاندان کے لوگ زیادہ تر پادری تھے جب کہ میری والدہ ایک نواب خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ میں اپنے گھر میں سب سے چھوٹا اور اولاد نرینہ تھا۔ بچپن ہی سے میرے ساتھ کھیلنے والا کوئی نہیں تھا۔ میری بہنیں مجھ سے کافی بڑی تھیں اور وہ ہر وقت اپنے اسکول کی پڑھائی میں مصروف رہتی تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں اپنا زیادہ تر وقت اپنی آیا کے ساتھ گذارتا تھا یا پھر کھیلنے کے لئے گھر سے باہر چلا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے، کہ میری زیادہ تر دوستیاں گھر سے باہر ہوئیں۔ میرے دوستوں میں اکثریت مسلمانوں کی تھی جو اتفاق سے بہت بڑی تعداد میں میرے گھر کے آس پاس آباد تھے۔ میرے گھر میں مسلمانوں سے نفرت کی جاتی تھی اور اسلامی کلچر کو سخت ناپسند کیا جاتا تھا۔ مقامی ٹیلی ویژن سے ہر جمعرات کو مسلمانوں کے لئے اسلامی پروگرام نشر ہوتا تو فوراً ٹیلی ویژن بند کر دیا جاتا میرے والدین نے مجھے ایک کیتھولک اسکول میں داخل کرایا جہاں میری دوسری بہنیں بھی پڑھتی رہی تھیں۔ تاہم ابتدائی عمر ہی سے میری دوستی عیسائی لڑکوں کے بجائے مسلمان لڑکوں سے زیادہ رہی۔

بچپن کی زندگی میں جو منفی عکس اپنے خاندان سے میں نے قبول کیا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مجھے ایک انتہائی شریر اور تنگ کرنے ولا بچہ سمجھا جانے لگا۔ گھر میں ہونے والی ہر ٹوٹ پھوٹ اور خرابی کا ذمہ دار مجھے تصور کیا جاتا خواہ میں نے وہ کام کیا ہوتا یا نہ کیا

ہوتا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں اپنا زیادہ تر وقت گھر سے باہر گزارنے لگا اور گھر کے ماحول سے مجھے نفرت ہونے لگی گھر سے توجہ نہ ملنے کی بناء پر میرا تعلیمی ریکارڈ ماسوا انگریزی زبان کے زیادہ اچھا نہیں تھا۔ جب میں نے ہوش سنبھالا تو اپنے مذہبی عقائد یعنی عیسائیت کے بارے میں جو سوالات میرے ذہن میں پیدا ہونے شروع ہوئے ان کا جواب گھر میں کوئی بھی مجھے دینے کو تیار نہیں تھا۔ سچی بات یہ ہے کہ میرے سوالات کو کبھی سنجیدگی سے لیا ہی نہیں گیا اور میں مجبور ہو کر ان سوالوں کا جواب کتابوں میں تلاش کرنے لگا یا دوستوں سے ان موضوعات پر بحث کرنے لگا جو زیادہ تر مسلمان تھے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عیسائیت کے بارے میں منفی تاثر میرے ذہن میں جڑ پکڑتا چلا گیا۔ میرے مسلمان دوستوں کے پاس میرے ہر اعتراض کا جواب موجود تھا جو دل میں تیر کی طرح جا کر لگتا تھا لیکن عیسائیت کے بارے میں انکے سوالوں کا میں کوئی تسلی بخش جواب نہیں دے سکتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں عیسائیت اور اسلام دونوں مذاہب کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے لگا۔ اگرچہ عیسائی ہونے کے ناطے مجھے مسلمانوں سے دور ہو جانا چاہئے تھا لیکن میرے ان مسلمان دوستوں کا اخلاص اور محبت ایسی تھی کہ جو مقناطیس کی طرح مجھے اپنی طرف کھینچے رکھتی تھی۔ انہوں نے کبھی ایسی بات نہیں کی جس سے میرے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچتی اور نہ انہوں نے کبھی میرے مذہب کا مذاق اڑایا۔ وہ حضرت عیسیٰؑ کو نہ صرف پیغمبر مانتے تھے بلکہ اتنا ہی احترام اور عزت دیتے تھے جتنی میں خود دیتا تھا۔

جب میرا کالج میں داخلہ ہوا تو اتفاق سے وہاں بھی مسلمان طلبہ کافی تعداد میں موجود تھے۔ آہستہ آہستہ میں ان کی مذہبی سرگرمیوں میں بھی شامل ہونے لگا۔ گھر سے دوری اور اپنے سگے رشتہ داروں کی بے التفاتی بھی میرے لئے سخت جذباتی صدمہ کا سبب بنی ہوئی تھی اور میں غیروں میں محبت تلاش کرنے پر مجبور تھا۔ اس دوران سچ کی

تلاش کا عمل بھی جاری تھا کہ میں ایک انتہائی عجیب وغریب روحانی تجربے سے دوچار ہوا ایک صبح جس کی صحیح تاریخ مجھے یاد نہیں لیکن سال یقیناً ۱۹۹۳ء تھا میں نیند سے اچانک بیدار ہوا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ غیر ارادی طور پر میں اپنی جگہ سے اٹھا اپنا چہرہ ہاتھ اور پاؤں دھوئے اور آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا ٹھیک اسی وقت قریبی مسجد سے اذان کی آواز بلند ہوئی۔ اگرچہ میں اذان کی یہ آواز روز ہی سنا کرتا تھا لیکن آج اذان کا ایک ایک لفظ میرے کانوں سے میرے جسم میں اتر کر رگ و پے میں حرکت کرتا محسوس ہو رہا تھا اور میرے جسم کا رواں رواں ایک عجیب جذبے سے سرشار ہو رہا تھا۔ سرشاری اور جذبات کی یہ کیفیت میرے لئے بالکل نئی تھی۔ میں اس سرشاری کو کبھی کوئی نام نہ دے سکا لیکن اس کی شدت کو اس کی لمس کو میرا رواں رواں محسوس کر رہا تھا۔

اذان نہ جانے کس وقت ختم ہوئی مجھے خبر نہ ہوئی لیکن یہ اذان سرشاری اور جذبات کی ایسی جوت میرے احساسات میں جگا گئی کہ میری زندگی کا رخ بدل گیا۔ اگرچہ میں نے زبان سے اپنے مسلمان ہونے کا اقرار نہیں کیا لیکن اپنے ایمان اور یقین کو مزید پختہ کرنے کے لئے میں نے ایک مسلمان دوست سے رہنمائی حاصل کرنا شروع کی۔ اس نے مجھے پڑھنے کے لئے کئی کتابیں دیں اور بڑے تحمل سے میرے ہر سوال کا جواب دیا۔

میرے اس روحانی انقلاب میں سب سے بڑی رکاوٹ میری ماں بن رہی تھی۔ میرا اس سے ماں بیٹے کا جو نازک رشتہ تھا وہ بار بار دیوار بن کر میرے اور اسلام کے درمیان آجاتا تھا۔ ماں اور اسلام میں سے کسی ایک کا انتخاب میری زندگی کا مشکل ترین امتحان تھا۔ بار بار میرا ایمان ڈگمگانے لگتا تھا۔ درست فیصلے تک پہنچنے میں مجھے کئی ماہ کا عرصہ لگا۔ بالآخر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ مجھے دونوں میں کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑے گا۔

اور میں نے اسلام کی خاطر اپنی ماں سے قطع تعلق کر لیا۱۹۹۴ء کے شروع میں میں نے مسجد میں نماز مغرب کے بعد اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا یہ میری زندگی کا ایک انتہائی جذباتی اعلان تھا۔ میرے اساتذہ اور میرے ساتھی طلبہ مجھ سے چمٹ گئے اور اس طرح ٹوٹ کر محبت کا اظہار کرنے لگے کہ میں رو دیا۔

جب میں نے شادی کرنے کا فیصلہ کیا تو ایک مرتبہ پھر میرے خاندان نے میری سخت مخالفت کی۔ اپنے خاندان کی نظر میں تو میں کافر ہو چکا تھا اور یہاں کوئی نہیں تھا جو میری شادی کی تجویز لے کر لڑکی والوں کے پاس جاتا۔ تاہم میرے مسلمان دوست پھر میرے کام آئے میری شادی بے حد سادگی اور خوشی سے انجام پائی۔

جب میری ماں کا انتقال ہوا تو بدقسمتی سے میں اسے دیکھنے کے لئے نہ جا سکا۔ مرتے دم تک اس کی خواہش یہ رہی کہ اس کا بیٹا کسی طرح پرانے عقیدے پر لوٹ آئے۔ میں ایسا کبھی نہیں کر سکتا تھا۔ جو حق کو پالے اور پھر اسے گم کر دے تو اس سے بڑھ کر بدقسمت کون ہو سکتا ہے۔

بوسنیا جا کر مجھے جیتے جاگتے چلتے پھرتے مسلمانوں کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، رات کا وقت تھا مدہم برقی روشنی سڑکوں پر پڑ رہی تھی میں ایک روایتی قہوہ خانہ میں داخل ہوا جہاں چند بوسنیائی فوجی قہوہ کا لطف اُٹھا رہے تھے انہوں نے میری طرف متجسس نگاہوں سے دیکھا میری رگوں میں خون منجمد ہو کر رہ گیا اور مسلمانوں کے متشدد ہونے کے سارے قصے جو کتابوں میں پڑھ رکھے تھے تازہ ہو گئے مجھے ڈر لگنے لگا کہیں یہ لوگ مجھے قتل نہ کر دیں میں نے نکل جانے کا ارادہ کیا مگر اُٹھنے کی سکت باقی نہیں رہی تھی۔ اچانک وہ میرے قریب آئے اُن میں سے ایک نے سگار پیش کیا اُن کے اس شریفانہ برتاؤ سے مجھے محسوس ہونے لگا کہ اس فوجی لباس کے اندر انتہائی خلیق اور متواضع روح پوشیدہ ہے۔

ظلمت سے نور کی طرف

یہی مقصودِ فطرت ہے یہی رمزِ مسلمانی اخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی

میں اپنے عنفوان شباب کے زمانے میں برسات کی خوشگوار سہ پہر کو ایک مصور رسالہ پڑھ رہا تھا۔ اس کے صفحات پر عصر حاضر کے مباحث کے ساتھ ساتھ دلچسپ افسانے اور دور دراز ملکوں کے حالات پھیلے ہوئے تھے۔ میں رسالے کے ورق الٹ پلٹ رہا تھا کہ نگاہ ایک تصویر پر ٹھٹکی۔ یہ تصویر کچھ چھت اور مکانوں کی تھی۔ جا بجا گنبد اور مینار آسمان کی طرف بلند ہو رہے تھے اور بہت سے آدمی زرق برق لباس پہنے سیدھی صفوں میں دوزانوں بیٹھے ہوئے تھے۔

تصویر کا منظر ہمارے مغربی مناظر سے بالکل مختلف تھا، اس لئے میری توجہ اس میں جذب ہو کر رہ گئی۔ ایک نامعلوم سی بے چینی پیدا ہوئی کہ اس تصویر کا اصل مفہوم معلوم کیا جائے۔

میں نے ترکی پڑھنا شروع کی۔ مجھے بہت جلد یہ معلوم ہو گیا کہ ترکی ادب میں اس کے اپنے الفاظ بہت کم ہیں۔ اس کی نثر میں فارسی اور نظم میں عربی عنصر غالب ہے۔ اب میں نے ترکی کے ساتھ عربی اور فارسی کی تحصیل بھی شروع کر دی۔ میرے سامنے یہ مقصد تھا کہ ان زبانوں کے ذریعے سے اپنے آپ کو اس روحانی دنیا میں داخل ہونے کے قابل بنا سکوں جس کی تابناکیوں نے انسانیت کو جگمگا دیا ہے۔

خوش قسمتی سے ایک مرتبہ موسم گرما کی تعطیلات میں مجھے بوسنیا کے سفر کا اتفاق ہوا۔ یہ ایشیائی ملکوں میں ہمارا سب سے قریبی پڑوسی ملک ہے۔ وہاں میں نے ایک ہوٹل میں قیام کیا اور جیتے جاگتے، چلتے پھرتے مسلمانوں کو قریب سے دیکھنے لگا۔

رات کا وقت تھا۔ مدھم برقی روشنی سڑکوں پر پڑ رہی تھی۔ میں ایک کم حیثیت کیفے میں داخل ہوا۔ اندر معمولی اسٹولوں پر بیٹھے دو بوسنیی قہوے کا لطف اُٹھا رہے تھے۔ وہ ترکوں کے روایتی گھیرے دار پائجامے پہنے ہوئے تھے جو کمر پر سے پٹیوں کے ذریعے بندھے ہوئے تھے۔ ہر ایک کی پیٹی میں خنجر لٹکا ہوا تھا۔ پوشاک اور وضع قطع سے وہ فوجی معلوم ہوتے تھے۔ میں دھڑکتے دل کے ساتھ ان سے کچھ دور ایک اسٹول پر دبک کر بیٹھ گیا۔

دونوں نے میری طرف متجسس نگاہوں سے دیکھا۔ میری رگوں میں خون منجمد ہو کر رہ گیا وہ تمام قصے ذہن میں تازہ ہو گئے جو میں نے کتابوں میں مسلمانوں کے متعصبانہ تشدد اور عدم رواداری کی بابت پڑھ چکا تھا۔ وہ دونوں آپس میں کچھ سرگوشی کر رہے تھے اور جہاں تک میں سمجھ سکا، موضوعِ سخن کیفے میں اس وقت میری غیر متوقع موجودگی تھی۔ مجھے ڈر لگنے لگا کہ کہیں وہ مجھے قتل نہ کر دیں۔ اس خطرناک ماحول سے میں نے نکل جانے کا ارادہ کیا، لیکن مجھ میں اُٹھنے کی سکت باقی نہیں رہی تھی۔

میں اسی پریشانی میں مبتلا تھا کہ ہوٹل کے ملازم نے خوشبودار قہوے کی ایک پیالی لا کر میرے سامنے رکھ دی اور اُن خوفناک آدمیوں کی طرف اشارہ کیا کہ یہ انہوں نے بھیجی ہے۔ میں نے ان آدمیوں پر گہری نگاہ ڈالی۔ اس پر ان میں سے ایک نے متبسم چہرے کے ساتھ نرم اور شیریں آواز میں مجھے سلام کیا۔ میں نے بادل ناخواستہ مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ سلام کا جواب دیا۔ میرے دونوں مفروضہ دشمن اپنی جگہ سے اُٹھ کر میرے قریب آ گئے۔ مجھ کو یقین ہو گیا کہ وہ کم از کم مجھے کیفے سے نکال باہر کریں گے۔ لیکن انہوں نے پہلے سے بھی زیادہ شیریں لہجے میں دوبارہ سلام کیا اور میری چھوٹی میز کے سامنے بیٹھ گئے۔ ایک نے تپاک کے ساتھ سگار پیش کیا۔ ان کے اس شریفانہ برتاؤ سے مجھے محسوس ہونے لگا کہ اس فوجی لباس کے اندر خلیق اور متواضع

روح پوشیدہ ہے۔

انہوں نے سلسلہ گفتگو شروع کیا۔ میں قدیم ترکی زبان میں ان کی باتوں کا جواب دیتا رہا۔ یہ بات چیت بڑے کام کی ثابت ہوئی۔ انہوں نے بڑے خلوص سے مجھے اپنے یہاں مدعو کیا۔ مسلمانوں سے ذاتی طور پر یہ میری پہلی ملاقات تھی۔

دن، مہینے، برس گوناگوں واقعات وحادثات اپنے دامن میں لے کر آتے اور گزرتے گئے۔ علم کا ہر مسئلہ اور زمانے کا ہر واقعہ مجھے ایک نئے تجربے سے دوچار کرتا رہا۔ میں نے یورپ کے تمام ملکوں کی سیاحت کی۔ قسطنطنیہ یونیورسٹی میں تعلیم پائی۔ ایشیائے کوچک اور شام کی تاریخی یادگاروں اور قدرتی مناظر کی رعنائیوں کا مشاہدہ کیا اور عربی، فارسی اور ترکی میں فارغ التحصیل ہو کر یونیورسٹی بوڈاپسٹ میں شعبہ اسلامیات کا صدر مقرر ہو گیا۔

میں نے علم کے خشک وتر ذخیرے کا بڑا حصہ حاصل کر لیا جو صدیوں سے جمع ہوتا چلا آرہا تھا۔ ہزار ہا کتابوں کی ورق گردانی کر ڈالی، لیکن کتابی معلومات کا یہ سرمایہ مجھے قلب کی تسکین کا سامان نہ دے سکا۔ دماغ سیراب تھا، مگر روح تشنہ تھی۔ میری دلی تمنا تھی کہ جو کچھ میں نے اب تک پڑھا ہے، اسے یکسر فراموش کر کے دل کی داخلی کیفیات میں کھو جاؤں۔ میری روح مقدس مذہب کے سدا بہار چمن سے مشک بیز ہونا چاہتی تھی۔ میں چاہتا تھا کہ جس طرح لوہار کچھ لوہے کو آگ میں تپا کر اسے فولاد کی شکل دے دیتا ہے، اسی طرح میرا علم روحانیت کے سوز سے زیادہ کارآمد اور بیش بہار بن جائے۔

ایک رات میں نے پیغمبر اسلام ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ آپ کی ریش مبارک حنا شدہ تھی (حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ریش مبارک کا قدرتی رنگ حنا شدہ بالوں کی طرح تھا) لباس سادہ اور پاکیزہ تھا اور اس میں سے ایک عجیب روح پرور خوشبو مہک

رہی تھی۔ آپ نے نہایت دلپذیر لہجے میں ارشاد فرمایا: ''تم اتنے پریشان کیوں ہورہے ہو؟ سیدھا راستہ تمہارے سامنے کھلا ہوا ہے۔ یقین اور ایمان کی قوت سے اس پر گامزن ہو جاؤ۔''

میں نے ہمت کر کے عرض کیا۔ ''آپ جیسی عظیم ہستی کے لئے یہ بات بہت آسان تھی جسے خداوند تعالیٰ نے مافوق الفطرت طاقت عطا کی تھی، جس نے منصب نبوت پر فائز ہو کر تائید غیبی سے اپنے دشمنوں پر فتح کامل حاصل کی اور جس کی مساعی پر خدائے قدوس نے عظمت وجلال کا تاج رکھ دیا۔''

آپ نے ذرا تیز نگاہ سے میری طرف دیکھا۔ پھر کچھ تامل کے بعد ارشاد فرمایا۔ آپ کی عربی اس قدر فصیح اور پرشکوہ تھی کہ اس کا ہر لفظ خوشگوار بانگ درا کی مانند میرے کانوں میں پڑ رہا تھا۔ کلام الٰہی جو آپ کی پیغمبرانہ زبان سے ادا ہو رہا تھا۔ وہ میرے سینے پر ایک بھاری بوجھ ڈالے دیتا تھا۔

الم نجعل الارض مهدا. والجبال اوتادا
وخلقنا كم ازواجا. وجعلنا نومكم سباتاً

کیا ہم نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا اور تم کو جوڑے کر کے پیدا کیا اور ہم ہی نے تمہارے سونے کو راحت کی چیز بنایا۔

اس کے بعد اچانک میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے کراہتے ہوئے کہا: اب مجھے نیند نہیں آسکتی۔ میں اس راز کو نہیں سمجھ سکتا جو ان پردوں میں نہاں ہے۔ میرے منہ سے خوفناک چیخ نکل گئی۔ بے چینی سے کروٹیں بدلتا رہا۔ حضرت

پیغمبر اسلام ﷺ کی خشمگیں نگاہ سے میرے دل میں دہشت پیدا ہو گئی۔ پھر ایسا محسوس ہوا کہ مجھ پر گہری نیند طاری ہو گئی ہے۔ میں اچانک جاگ اُٹھا۔ رگوں میں دوران خون تیز ہو گیا تھا۔ سارا جسم پسینے پسینے ہو رہا تھا۔ جوڑ جوڑ میں درد تھا۔ زبان

کنگ ہورہی تھی۔ بے حد اضمحلال اور تنہائی کا احساس ہورہا تھا۔

دوسرے جمعے کو جامع مسجد دہلی میں ایک دوسرا منظر آنکھوں کے سامنے تھا۔ بھورے بالوں اور زرد چہرے کا ایک اجنبی چند محترم ہستیوں کے ساتھ مجمع میں سے اپنا راستہ بناتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ میں ہندوستانی کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ سر پر رام پوری ٹوپی تھی۔ سینے پر سابق سلاطین ترکی کے عطا کردہ نشانات امتیاز آویزاں تھے۔ ایک مختصر سی جماعت، مجھے اپنے ہمراہ لئے سیدھی منبر کے سامنے پہنچی۔ یہاں علماء اور بزرگان ملت بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے بلند آواز سے "السلام علیکم" کہہ کر میرا استقبال کیا۔ میں منبر کے قریب بیٹھ گیا۔ میری آنکھیں بلا ارادہ اٹھ کر تھوڑی دیر کے لئے مسجد کی تعمیری صنعت کاری اور محراب و در کی زیب و زینت کی طرف جم گئیں۔ درمیان کی بلند محراب پر شہد کی مکھیوں نے چھتے لگا رکھے تھے جن کے گروہ مجمع سے بے پرواہو کر چکر لگا رہی تھیں۔

یکا یک اذان کی صدا بلند ہوئی جسے دور سے مکبروں نے جو دوسرے مناسب مقامات پر استادہ تھے، اپنی صداؤں سے مسجد کے گوشے گوشے میں پہنچا دیا۔ اس الٰہی حکم پر تقریباً چار ہزار مسلمان فوجی سپاہیوں کی طرح ایک دم اُٹھ کھڑے ہوئے اور ایک دوسرے کے پیچھے قریب قریب صفیں جما کر بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا کی۔ یہ بڑا پر کیف و حسین نظارہ تھا۔ نماز پڑھنے والوں میں ایک میں بھی تھا۔

اس کے بعد عبدالحئی ہاتھ پکڑ کر مجھے منبر کے قریب لے گئے۔ زینے پر میرے قدم رکھتے ہی مجمع میں ایک حرکت پیدا ہوئی۔ پگڑیوں سے آراستہ ہزاروں سر لہلہاتے چمن زار کی طرح جنبش میں آگئے، سفید ریش علماء نے میرے گرد حلقہ سا بنالیا۔ ان کی پر شوق نگاہیں اور شگفتہ نورانی چہرے ہر ساعت میری ہمت بڑھا رہے تھے۔ میرے اندر جرات اور امنگ پیدا ہوگئی تھی۔ کسی جھجک کے بغیر میں نے ممبر کے ساتویں زینے

پر قدم رکھا۔

میں نے اچٹتی نگاہ سے مجمع کا جائزہ لیا جو مسجد کے آخری سرے تک بحر موج کی طرح نظر آتا تھا۔ پچھلی صفوں کے لوگ گردن اُٹھا اُٹھا کر مجھے دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ معلوم ہوتا تھا جیسے انسانوں کے اس سمندر میں ہلکا سا تلاطم برپا ہو گیا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر بعض لوگوں کے منہ سے بے ساختہ ماشاء اللہ نکل گیا۔ میں نے اپنی تقریر عربی میں ان الفاظ میں شروع کی: "ایھا السادات الکرام! میں ایک دور دراز ملک سے سفر کر کے یہاں اُس علم کی طلب میں آیا ہوں جو مجھے اپنے وطن میں حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ میں آپ کے پاس روحانی فیضان حاصل کرنے آیا تھا اور خدا کا شکر ہے کہ آپ نے مجھے اس سے مستفید فرمایا۔"

اس کے بعد میں تقریر کے اصل موضوع کی طرف آیا اور تقوے کی زندگی اور گناہ وطغیان کے خلاف جہاد کرنے پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ تقریر کے دوران میں اللہ اکبر کے وجد آفرین نعروں سے فضا گونج اُٹھتی تھی۔ بیان ختم کر کے میں وہیں منبر پر بیٹھ گیا۔ میرے دل میں جذبات کا طوفان اس طرح موجزن تھا کہ اس وقت کی کوئی اور بات سوائے اس کے یاد نہیں رہی کہ اسلم نے ہاتھ کے سہارے مجھے منبر سے نیچے اتارا اور مسجد سے باہر لے چلے۔

میں نے پوچھا کہ آخر اتنی جلدی کیوں ہے؟ لیکن ذرا ہی دیر میں اس کا سبب معلوم ہو گیا۔ باہر بے شمار لوگ بڑی بے تابی سے میرا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے بڑی گرمجوشی کے ساتھ مجھ سے مصافحہ اور معانقہ کیا۔ ناتواں اور عمر رسیدہ لوگ جو مجھ تک نہ پہنچ سکتے تھے، بڑی محبت کی نگاہوں سے میری جانب دیکھ رہے تھے۔ ہر شخص اپنے لئے دعا کا خواستگار اور میرے ہاتھوں اور سر کو بوسہ دینے کے لئے بے قرار ہو رہا تھا۔ میں نے پوری قوت سے گھٹی ہوئی آواز میں کہا: "اے اللہ کے نیک بندو! آپ

مجھے اپنے اوپر اتنی ترجیح کیوں دے رہے ہیں۔ بے شمار حشرات الارض میں میرا بھی شمار ہے۔ میری مثال اس ایک پتنگے کی سی ہے جو روشنی کی طرف بڑھ رہا ہے۔'' اپنے ساتھ اللہ کے ان مخلص بندوں کی عقیدت و محبت دیکھ کر میرا دل عجز و ندامت سے پانی پانی ہوا جا رہا تھا۔

میرے دادا اگرچہ مسلمان تھے لیکن اُنہوں نے ایک عیسائی خاتون سے شادی کر لی یوں ہمارے سارے گھرانے پر عیسائیت غالب آ گئی میرے داد بیمار ہوئے تو اُنہوں نے ایک وصیت نامہ سر بمہر کر کے میرے لئے رکھا اور وصیت کی کہ میری وفات کے بعد مجھے دے دیا جائے میں سمجھا کہ شاید جائیداد کی وصیت ہوگی اور میں مزید مالدار ہو جاؤں گا لیکن جب میں نے لفافہ کھولا تو یہ دیکھ کر میری حیرت اور افسوس کی انتہا نہ رہی یہ ایک سادہ کاغذ تھا جس پہ وصیت نامہ کی بجائے صرف یہ کلمہ لکھا ہوا تھا۔

اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمد اعبدہ و رسولہ

مجھے یہ پرچہ دیکھ کر اتنا صدمہ ہوا کہ میں نے اس کے دو ٹکڑے کر کے اُسے ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا جسٹس مفتی تقی عثمانی صاحب کے سفرنامہ آسٹریلیا سے ماخوذ ایک روح پر داستان

نومسلم آسٹریلوی تاجر کی عبرت انگیز داستان

نہ گُل اُسکا خوشہ چین نکلا　　　　آسمان بھی وہاں زمین نکلا
عقل پہنچی نہ اُسکے جلووں تک　　　　ہاں جنوں اُسکا ہمنشیں نکلا

کوئی سڈنی سے ۱۰۰ کلومیٹر کے فاصلے پر ایک شہر وایونگ تک جانے والی ہائی وے اتنی صاف ہے کہ یہ فاصلہ گھنٹے سوا گھنٹے میں طے ہو جاتا ہے وایونگ شہر میں ہماری قیام گاہ سے تقریباً پانچ سات کلومیٹر کے فاصلے پر ایک مسجد بنی ہوئی ہے عشاء کی نماز ہم نے اس مسجد میں اداء کی۔

یہ مسجد جن صاحب نے تعمیر کی ہے، وہ ایک انڈونیشی مسلمان ہیں جنہیں یہاں لوگ رضوان صاحب کے نام سے جانتے ہیں اور اس وقت وہ متعدد فیکٹریوں کے مالک اور بڑے دولتمند انسان ہیں، عشاء کے بعد وہ ملاقات کے لئے قیام گاہ پر آگئے۔ باتوں باتوں میں ایک صاحب نے ذکر کیا کہ وہ نومسلم ہیں اور ان کا اصل نام رابرٹ واجو تھا۔ پھر انہوں نے بتایا کہ وہ تقریباً دس سال پہلے مسلمان ہوئے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے مسلمان ہونے کی داستان سنائی وہ بڑی ایمان افروز ہے۔ اور یہاں ذکر کئے بغیر میرے اس سفر کا تذکرہ نامکمل رہے گا۔

انہوں نے بتایا کہ میرے دادا اگر چہ مسلمان تھے، لیکن انہوں نے عیسائی خاتون سے شادی کر لی تھی، ان عیسائی خاتون نے (جو رضوان صاحب کی دادی تھیں) اپنی ساری اولاد کو عیسائی بنالیا جن میں میرے والد صاحب بھی شامل تھے، ان کے زیر اثر میں بھی عیسائی تھا۔ میں اپنے لڑکپن میں ایک خطرناک حد تک آوارہ لڑکا تھا جو شراب وشباب سے لے کر قتل وغارت گری تک ہر برائی میں مبتلا تھا۔ اگر چہ اپنے جیسے آوارہ

لڑکوں کے ساتھ رہ کر یہ ساری برائیاں میرے لئے روزمرہ کی عادت بن گئی تھیں، لیکن کبھی کبھی میرے دل میں سویا ہوا ضمیر جاگتا اور مجھے احساس ہوتا کہ میں سنگین گناہوں کا ارتکاب کر رہا ہوں، ایسے موقع پر میں کبھی کبھی چرچ جاتا اور پادری صاحب سے اپنے گناہوں کا ذکر کرتا پادری صاحب میری بخشش کی دعا کر کے مجھے مطمئن کر دیتے۔ دوسری طرف میں جس تعلیمی ادارے میں پڑھتا تھا، وہاں میری ایک خاتون استانی تھیں جو مسلمان تھیں اور مجھے ان کی باتیں اچھی لگتی تھیں اس لئے میں کبھی کبھی ان کے پاس چلا جاتا اور ان سے بھی اپنی حالت کا ذکر کرتا تو وہ مجھے ان حرکتوں سے باز رہنے کی تلقین کرتیں اور بتاتیں کہ ان کاموں کا انجام دنیا میں بھی برا ہے اور آخرت میں بھی۔ میرے والد نے جو فوج کے بڑے اونچے عہدے پر فائز تھے، مجھے ایک بی ایم ڈبلیو گاڑی خرید کر دی ہوئی تھی اور اس کیلئے ایک ڈرائیور رکھا ہوا تھا۔ یہ مسلمان ڈرائیور بھی کبھی کبھی باتوں باتوں میں میرے سامنے اسلام کی خوبیاں بیان کیا کرتا تھا۔

اسی دوران میرے مسلمان دادا بیمار ہوئے، اور مجھے پتہ چلا کہ انہوں نے میرے لئے ایک وصیت نامہ سربمہر کر کے رکھا ہوا ہے اور یہ وصیت کی ہے کہ یہ تحریر انکی وفات کے بعد مجھے دی جائے۔ مجھے یقین تھا کہ میرے دادا نے اس تحریر میں اپنی جائیداد وغیرہ مجھے دینے کی وصیت کی ہوگی، کچھ عرصہ کے بعد جب میرے دادا کی وفات ہوئی تو انکی وصیت کے مطابق یہ سربمہر لفافہ میرے حوالہ کیا گیا۔ میں خوش تھا کہ اس وصیت نامے کے نتیجے میں مزید مال دار ہو جاؤں گا، لیکن جب میں نے لفافہ کھول کر دیکھا تو میری حیرت اور افسوس کی انتہا نہ رہی۔ یہ ایک سادہ کاغذ تھا جس پر کسی وصیت نامے کے بجائے صرف یہ کلمہ لکھا ہوا تھا کہ:

"أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ"

مجھے یہ پرچہ دیکھ کر اتنا صدمہ ہوا کہ میں نے اس کے دو ٹکڑے کر کے اسے ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا، اور سیدھا اپنی مسلمان استانی کے پاس پہنچا، اور ان سے جا کر یہ واقعہ سنایا۔ وہ میرے ساتھ میرے گھر آئیں، پرچہ دیکھا، اور مجھے سمجھانے کی کوشش کی کہ تمہارے دادا نے تمہیں دنیا کے مال و دولت سے کہیں بڑی نعمت دینے کی وصیت کی ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ، مگر میں نے ان کی بات نہ مانی، اور پھر اپنی انہی بداعمالیوں میں مصروف ہو گیا۔

وہ کہتے ہیں کہ ایک عرصے کے بعد ایک مرتبہ میرے ضمیر کے کچوکے مجھے چرچ لے گئے، اور میں نے پادری صاحب سے کہا میں بار بار آپ کے پاس آتا ہوں، اور آپ مجھے مغفرت کی بشارت سنا کر واپس بھیج دیتے ہیں، لیکن میری زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں آتی ہے پھر بے دھڑک وہی کام کرنے لگتا ہوں۔ پادری صاحب نے پھر وہی بات دھرائی کہ جب میں تمہارے لئے مغفرت کی دعا کر دیتا ہوں تو پھر تمہیں کس بات کی فکر ہے۔ مجھے پادری صاحب کی اس بات پر غصہ آ گیا، میں نے جیب سے پستول نکالا اور ان پر اس طرح فائر کر دیا کہ وہ زخمی ہو جائیں، مگر زندہ رہے۔

کہتے ہیں کہ یہ واردات کر کے میں باہر نکلا تو میرے اندر کی بے چینی میں اور اضافہ ہو گیا، قدرتی طور پر مجھے اس واقعے کے بعد فرار ہونا تھا، لیکن میں نے اپنی بے چینی کا تذکرہ اپنے مسلمان ڈرائیور سے کیا، ڈرائیور نے ایک مرحلے پر کہا کہ میں آپ کو ایک ایسی جگہ لیجاتا ہوں جہاں شاید آپ کی بے چینی میں کمی آ جائے۔ میں نے رضامندی ظاہر کی تو وہ مجھے ایک ایسے حلقے میں لے گیا جہاں بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کا ذکر کر رہے تھے۔ میں جب اس حلقے میں پہنچا تو میرے جسم کا رُواں رُواں کھڑا تھا، مجھ پر ایک ناقابل بیان کیفیت طاری ہوئی، ذکر کرنے والوں کی آواز" لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ "میری رگ و پے میں سرایت کر گئی اور مجھ پر اس

ذکر نے کچھ ایسا طلسماتی اثر کیا کہ میرا سارا وجود لرز اٹھا، اور مجھے محسوس ہوا کہ میں سر سے لے کر پاؤں تک بدل چکا ہوں میں جلدی سے باہر نکلا اور اپنی مسلمان استانی کے پاس پہنچا، انہیں سارا واقعہ سنایا، اس پر وہ اُٹھیں اور تھوڑی دیر میں وہ پھٹا ہوا پرچہ اٹھا لائیں جو میرے دادا نے میرے لئے چھوڑا تھا اور میں نے اسے پھاڑ دیا تھا، میری استانی نے ٹکڑوں کو جوڑ کر مجھے وہ پرچہ دکھایا جس پر لکھا تھا:

" اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ"

میری استانی نے کہا کہ تمہارے دادا کے وصیت پر عمل کرنے کا وقت آ گیا ہے، اب تم اس کلمے پر ایمان لا کر مسلمان ہو جاؤ۔ میری زندگی میں پہلے ہی انقلاب آ چکا تھا اور اس کلمے کی حقانیت میرے دل میں اتر گئی تھی، میں نے بلا تاخیر اسلام قبول کر لیا۔

اسلام قبول کرنے کے بعد میں اپنے عیسائی والد کے پاس پہنچا اور انہیں بتایا کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں۔ میرے والد غصے سے آگ بگولہ ہو گئے، انہوں نے مجھے گھر سے نکال دیا، میری بی ایم ڈبلیو واپس لے لی اور اپنی ساری دولت سے مجھے محروم کر دیا۔ مگر اسلام میرے دل میں گھر کر چکا تھا، میں چند دن کچھ مسلمان درویشوں کے پاس رہا، اور میرے دل میں یہ بات سما گئی کہ "ذکر" ہی سب کچھ ہے، چنانچہ کچھ عرصے بعد میں نے شہر سے باہر ایک جھونپڑی بنالی اور وہاں دن رات لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کے ذکر میں مشغول ہو گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ اس ذکر نے میری گناہوں کی زندگی کو دھو دیا ہے اور میرا ہر کام اسی ذکر کی بدولت بنتا ہے میں اس وقت نماز، روزے اور دوسرے احکام اسلام سے بھی بے بہرہ تھا اور صرف ذکر پر قناعت کئے ہوئے تھا بھوک پیاس دور کرنے کیلئے تھوڑا سا کام کرتا پھر اپنے جھونپڑے میں آ کر ذکر میں مشغول ہو جاتا۔ جب اسی حالت میں کچھ عرصہ گذر گیا تو ایک روز میں نے خواب میں ایک بزرگ کو دیکھا، انہوں نے فرمایا کہ میں (شیخ) عبدالقادر جیلانیؒ ہوں اور جو

طریقہ تم نے اختیار کیا ہے وہ صحیح نہیں اسلام کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ انسان دنیا کو چھوڑ کر جنگل میں جا بیٹھے اور صرف ذکر کرتا رہے۔ اسلام میں ذکر کے علاوہ فرض عبادتیں بھی ہیں جن میں نماز سرفہرست ہے اور اسلام ہی کا یہ حکم بھی ہے کہ انسان سنت کے مطابق انسانوں کے ساتھ زندگی گذارے، اس لئے اب جنگل چھوڑ کر شہر واپس جاؤ اسلام کی صحیح تعلیم حاصل کر کے اس کے مطابق زندگی بسر کرو۔

اس خواب کے بعد میں دوبارہ شہر میں آیا، اپنی مسلمان استانی سے دین کی تعلیمات حاصل کیں، اس دوران میرے والد کا غصہ بھی ٹھنڈا ہو چکا تھا، میں ان کا بیٹا تھا اور مجھے گم کر کے وہ پریشان تھے، جب میں دوبارہ شہر میں آیا تو انہوں نے مجھ سے پھر بیٹے جیسا سلوک شروع کر دیا اور جو سہولتیں مجھ سے چھینی تھیں وہ بڑی حد تک مجھے واپس دیدیں۔ میری والدہ آسٹریلیا میں رہتی تھیں، وہ بھی انڈونیشیا آ کر میری گمشدگی پر پریشان تھیں، میری واپسی کے بعد وہ مجھے ملنے آئیں اور مجھے اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی، مگر میں نے ان سے صاف کہہ دیا کہ اسلام چھوڑنا میرے لئے ناقابل تصور ہے۔ اسی دوران ایک اور عجیب واقعہ پیش آیا جس نے میری زندگی پر مزید گہرے اثرات مرتب کئے۔ میرے والد کے ایک مسلمان دوست فوج میں جنرل تھے، وہ مجھ سے بڑی محبت کرتے تھے اور میں دیکھتا تھا کہ وہ مسجدوں کی تعمیر ہسپتالوں کے قیام اور دوسرے خیراتی کاموں میں بڑا حصہ لیا کرتے تھے۔ ان کا انتقال ہو گیا تو میں ان کے جنازے میں شریک ہوا۔ جب انہیں قبر میں اتارنے کا وقت آیا تو ان سے اپنے قلبی لگاؤ کی وجہ سے میں نے قبر میں میت اتاری، قبر پر مٹی ڈال دی گئی مگر جب میں واپس جانے لگا اور وقت دیکھنے کے لئے گھڑی دیکھنی چاہی تو کلائی سے گھڑی غائب تھی۔ یہ گھڑی بہت قیمتی تھی اور مجھے یقین ہو گیا کہ یہ قبر میں رہ گئی ہے۔ اس وقت میں نے کسی سے کچھ ذکر نہ کیا لیکن رات کے وقت مرحوم کے رشتہ داروں سے اس وا

واقعے کا ذکر کیا، گھڑی چونکہ بہت قیمتی تھی اس لئے ان رشتہ داروں نے پیشکش کی کہ صبح قبر کھود کر گھڑی نکال لی جائے۔ کچھ تردد کے بعد میں بھی راضی ہو گیا۔ چنانچہ صبح کو قبر کھودی گئی تو وہاں ایک ایسا بھیانک منظر نظر آیا جو آج بھی میری نگاہوں سے نہیں ہٹتا۔ جن جنرل صاحب کو ہم دفن کر کے آئے تھے وہ قبر میں نیم اکڑوں حالت میں بیٹھے تھے، ان کا منہ خوفناک انداز میں کھلا ہوا تھا، ان کی کہنیوں سے خون بہہ رہا تھا، سینے اور ہاتھ پاؤں پر نیلے نیلے نشان تھے۔ ہم نے گذشتہ دن چار بجے شام کے قریب انہیں دفن کیا تھا، اور یہ اگلے دن صبح آٹھ، نو بجے کا وقت تھا، یعنی تدفین کو سولہ سترہ گھنٹے سے زیادہ نہیں گذرے تھے، اتنی سی دیر میں ان کی لاش کا یہ حشر دیکھ کر ہم سب پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ آج بھی وہ ہیبت ناک منظر نگاہوں سے نہیں ہٹتا۔

میں نے اس واقعے کا ذکر اپنی استانی سے کیا، اور ان سے پوچھا کہ یہ جنرل صاحب تو خیراتی کاموں میں بہت حصہ لیا کرتے تھے، اس کے باوجود ان کے ساتھ ایسا معاملہ کیوں ہوا؟ میری استانی نے کہا کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے اندرونی حالات سے باخبر نہیں ہو سکتا۔ اور اگر خیراتی کاموں میں اخلاص نہ ہو، بلکہ وہ شہرت اور نام و نمود کے لئے کئے جائیں تو اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کی کوئی قیمت نہیں۔

اس واقعے کے بعد مجھے ہر وقت اپنی قبر یاد رہنے لگی، میں نے اور زیادہ اہتمام کے ساتھ اپنے حالات درست کرنے کی فکر شروع کر دی، اور بالآخر میں نے فیصلہ کیا میں اپنے غیر مسلم والد کے ساتھ رہنے کے بجائے اپنا کوئی اور ذریعہ معاش تلاش کروں۔ چنانچہ میں آسٹریلیا چلا آیا۔ شروع کا زمانہ میں نے بڑی غربت میں گذارا، اور سڑکوں پر چھوٹے چھوٹے کام کر کے پیٹ پالا۔ (جس وقت رضوان صاحب یہ واقعہ سنا رہے تھے، ان کے ساتھ ایک اور انڈونیشی مسلمان بیٹھا تھا، ان کی طرف اشارہ کر کے رضوان صاحب نے کہا "ان سے پوچھیئے، یہ میرے اس وقت کے دوست

ہیں" ان صاحب نے تصدیق کی، اور بتایا کہ واقعتاً یہ اس وقت بڑی غربت کی حالت میں آسٹریلیا میں رہ رہے تھے) لیکن میں نے اپنی پچھلی زندگی سے دو سبق حاصل کئے تھے، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ سے مضبوط تعلق قائم رکھا جائے اور اس کے احکام پر عمل کیا جائے، دوسرے جو کام کیا جائے، اخلاص اور محبت کے ساتھ کیا جائے، انہی دو اصولوں پر کاربند رہتے ہوئے میں ہر بات اللہ تعالیٰ سے مانگتا، کثرت سے ذکر کرتا، اپنی قبر ہر وقت میرے سامنے رہتی، یہاں تک کہ میرے لئے رزق کے دروازے کھلتے چلتے گئے، اور الحمدللہ، آج میں متعدد فیکٹریوں کا مالک ہوں۔

رضوان صاحب نے یہ طویل داستان ختم کی تو حاضرین میں سے ان حضرات نے جو انہیں مدت سے جانتے تھے، یہ بتایا کہ اس سے پہلے انہیں بھی ان کے اس پورے واقعے کا علم نہیں تھا۔ اور آج پہلی بار انہوں نے یہ واقعات تفصیل کے ساتھ سنائے ہیں واضح رہے کہ یہ رضوان صاحب انڈونیشیا کے موجودہ صدر کے سسرالی رشتہ دار ہیں۔ (انہوں نے اس وقت اپنا جو رشتہ بھی بتایا تھا وہ اب مجھے یاد نہیں رہا) اور اس بناء پر صدر انڈونیشیا سے انکے بے تکلفانہ تعلقات ہیں انکی اس داستان میں بعض پہلو عجیب ضرور ہیں لیکن مجھے انکی شخصیت میں غلط بیانی یا مبالغہ آمیزی کا کوئی امکان نظر نہیں آیا۔ سنٹرل کوسٹ کے احباب نے بتایا کہ رضوان صاحب اس وقت مسلمانوں کے اجتماعی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں وایونگ میں ایک خوبصورت مسجد میں ہم نے عشاء کی نماز پڑھی تھی اُنہی کی تعمیر کردہ ہے جسکا نام اُنہوں نے مسجد القہار اس لئے رکھا ہے کہ اُنکی استانی جنکی بدولت اُنہیں اسلام کی دولت نصیب ہوئی انڈونیشیا میں جس مدرسہ میں پڑھاتی تھی اُسکا نام القہار تھا اسکے علاوہ اُنہوں نے ایک اور مُصلّٰی اپنی ایک فیکٹری کے ساتھ بنایا ہوا ہے وہاں بھی پنج وقتہ نماز ہوتی ہے اور اگلی صبح ہم نے نماز فجر اسی مُصلّٰی میں ادا کی۔

خواب میں میں نے ایک غیبی آواز سُنی کہ ''اے خالد اپنے دل سے کفر نکال دے'' بس اس کے بعد جب صبح میری آنکھ کھلی تو اس دن کے بعد سے لیکر کافی دن تک میں پریشان رہا کہ یہ کیسا خواب ہے۔ والدہ محترمہ سے ذکر کیا تو والدہ نے کہا کہ '' چھوڑو بیٹا! خواب خواب ہوتا ہے بھول جاؤ لیکن میں کافی دن تک نہ بھول پایا اور سوچنے لگا کہ آیا جس مذہب پر میں ہوں وہ صحیح نہیں یا میں خود ٹھیک نہیں!

یوئیل کندن سے خالد محمود تک

برق ایمن میرے سینہ پہ پڑی روتی ہے!
دیکھنے والی ہے جو آنکھ کہاں سوتی ہے؟

۱۹۸۵ء کی بات ہے کہ میں اور میری والدہ محترمہ کراچی کے ایک علاقے کلفٹن (خیابان شجاعت) پر ایک فرانسیسی اسکول کے استاد مسٹر مورل جو کہ خود بھی فرانس کے باشندے تھے، اس کے بنگلے میں کام کیا کرتے تھے۔ یہ فرانسیسی استاد اپنے بیوی بچوں کے ساتھ یہاں پاکستان آئے ہوئے تھے۔

والدہ ان کے بچوں کی دیکھ بھال یعنی ''آیا'' کا کام کرتی تھیں اور میں ان کے گھر میں چوکیدار ہونے کے ساتھ ساتھ گھر کا سودا سلف بھی لایا کرتا تھا۔ نوکری کے ساتھ ساتھ ہماری رہائش بھی انہی کے یہاں تھی۔ یعنی میں، میری والدہ اور میرا چھوٹا بھائی ''اسلم'' ان کے بنگلہ کے اوپر والی منزل میں سرونٹ کوارٹر میں رہتے تھے۔ عیسائی ہوتے ہوئے میرا اور خود میری والدہ اور میرے چھوٹے بھائی کا چرچ (گرجا گھر) جانے کا اتفاق بہت کم ہوا۔ مگر گھر میں کبھی کبھی سونے سے پہلے اپنے عیسائیت کے طریقے پر دعا وغیرہ کرلیا کرتا تھا۔

۱۹۸۵ء ہی کو ایک رات میں سو رہا تھا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ بہت زبردست سمندری طوفان آگیا ہے۔ خواب میں یہ طوفان میں اس جگہ دیکھ رہا ہوں، جہاں ہم اس بنگلے سے پہلے کرائے کے مکان میں رہتے تھے۔ ہمارا مکان گھاس پھونس کا جھونپڑی نما ہے۔ اور ہمارے اس پڑوس میں جو مکانات ہیں وہ پختہ ہی خواب ہی میں دیکھ رہا ہوں کہ اس سمندری طوفان سے ہمارے اس پڑوس کے پختہ مکانات تو گر رہے

ہیں۔مگر ہمارا کچا گھاس پھونس سے بنا ہوا جھونپڑی نما مکان صحیح سلامت کھڑا ہوا ہے۔ اور میں اس جھونپڑی نما مکان کے دروازے سے گردن باہر نکال کر آسمان کی طرف دیکھتا ہوں اور کہتا ہوں کہ یا اللہ! یہ لوگوں کے پکے مکانات گر رہے ہیں، ہمارا جھونپڑی نما مکان اب تک کیوں نہیں گرا۔خواب میں یہ بات کہنے کے فوراً بعد میں اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ سمندر کے کنارے کنارے چلا جا رہا ہوں اور آسمان سے غیبی آواز آتی ہے ''اے خالد اپنے دل سے کفر نکال دو۔''

یہاں خیال رہے کہ میرا شروع سے نام خالد نہ تھا۔ بلکہ یوئیل کندن تھا۔خالد نام میں نے اپنے لئے اس وقت پسند کیا تھا۔ جب ہماری والدہ محترمہ ہمارے والد صاحب کے عتاب سے تنگ آ کر علیحدگی کے بعد لاہور سے کراچی آ گئی تھیں میری پیدائش ۱۹۶۸ء میں کندیاں ضلع میانوالی میں ہوئی۔ پھر میرے والدین گوجرانوالہ بمقام پھر آئی یا چھچھر والی میں چند سال رہائش پذیر رہے۔اس کے بعد میرے والدین لاہور کوٹ لکھپت میں مستقل رہائش پذیر ہو گئے تھے۔

میرے والد سے علیحدگی کے بعد میری والدہ صاحبہ ۱۹۷۹ء میں مجھے اور میرے چھوٹے بھائی کو لیکر کراچی آ گئیں تھیں۔اور جب سے اب تک ہم لوگ کراچی میں رہائش پذیر ہیں۔کراچی آ کر والدہ محترمہ نے سب سے پہلے جن لوگوں کے گھر کام کیا تھا وہ لوگ عرب کے رہنے والے میاں بیوی تھے۔ان کے سب سے بڑے لڑکے کا نام خالد تھا۔لہٰذا مجھے یہ نام بہت پسند آیا۔خیر میں نے بھی والدہ سے یہ کہنا شروع کر دیا کہ مجھے بھی خالد نام سے پکارا جائے،سو میں نے خود اپنا نام خالد رکھا۔یہ بچپن کی بات تھی مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ نام میرے لئے خوش قسمتی کا ستارہ بن جائے گا۔

خیر بات ہو رہی تھی خواب کی کہ میں نے ایک غیبی آواز سُنی کہ ''اے خالد اپنے دل سے کفر نکال دو۔''بس اس کے بعد میری آنکھ جب صبح کو کھلی تو اس دن کے بعد

سے لے کر کافی دن تک میں پریشان رہا کہ یہ کیسا خواب تھا۔ والدہ محترمہ سے ذکر کیا تو والدہ نے کہا ''چھوڑ دو بیٹا! خواب خواب ہوتا ہے بھول جاؤ۔''

لیکن میں کافی دن تک نہ بھول پایا اور سوچنے لگا کہ کیا جس مذہب پر میں ہوں وہ صحیح نہیں یا میں خود ٹھیک نہیں، یعنی اس دوران مجھے مختلف خیالات نے گھیر رکھا تھا۔

ادھر ہم نے ان فرانسیسیوں کے گھر سے کام چھوڑ کر ۱۹۸۶ء میں ڈیفنس کے ساتھ ایک محلہ ہے گذری ویلیج کے نام سے، وہاں پر ایک مکان کرائے پر لے کر رہنے لگے۔ جس جگہ ہم نے یہ مکان لیا تھا اس مکان کے بالکل قریب ہی ایک مسجد تھی ''مسجد عباسؓ '' وہاں پر اکثر اوقات تبلیغی جماعتیں بھی آیا کرتی تھیں۔ ایک دن ایسا ہوا کہ میں اس مسجد کے قریب ہی کھڑا تھا کہ تبلیغی جماعت کے حضرات اس محلے میں گشت کیلئے نکلے۔ وہ حضرات مجھے دیکھ کر میری طرف بڑھ آئے اور کہنے لگے کہ مسجد میں اللہ رسول کی بات ہو رہی ہے، آپ بھی ہمارے ساتھ مسجد میں چلیں۔ میں نے بجائے یہ کہنے کے کہ میں عیسائی ہوں کہہ دیا کہ اچھا ابھی گھر سے ہو کر آتا ہوں۔ بس جان چھڑانے والی بات تھی گھر کا بہانہ بنا کر گھر چلا گیا۔ لیکن میں ان کی محبت بھری دعوت کو بھول نہ پایا۔

آگے رمضان المبارک کی آمد تھی۔ دن گزرتے رہے یہاں تک کہ رمضان سے ایک دن پہلے میرے دل میں خود بخود ایک خیال پیدا ہوا وہ یہ کہ ہم عیسائی لوگ بھی روزہ رکھتے ہیں۔ چلو ایک روزہ مسلمانوں والا بھی رکھ کر دیکھوں، بھلا کیا ہوتا ہے۔ مسلمانوں والے ماحول میں رہتے رہتے یہ تو معلوم ہی تھا کہ کب اُٹھ کر روزہ رکھتے ہیں اور کب کھولتے ہیں۔ خیر پہلا روزہ رکھا اور دل میں یہ ارادہ کر لیا کہ آج کوئی غلط بات منہ سے نہیں نکالنی اور منکرات سے بچنا ہے۔ صبح تیار ہو کر اسکول چلا گیا اور کسی سے یہ ذکر نہیں کیا میں روزہ رکھ کر آیا ہوں دوپہر کو اسکول سے گھر آ کر گھر میں کسی بات

کا ذکر نہیں کیا۔ البتہ اس کے بعد پھر میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ روزہ تو رکھ لیا اب نماز بھی پڑھنی ہے۔ خیر نماز وغیرہ کہاں آتی تھی اسی لئے نماز پڑھنے ابھی مسجد نہیں گیا تھا مگر میں نے خود بخود ہی ''کلمہ طیبہ'' پڑھ لیا۔ اور دل میں سچے جذبے کے ساتھ یہ بات پکی کر لی کہ میں آج سے مسلمان ہوں۔ اس کے بعد نماز ظہر اسی قریبی مسجد میں امام صاحب کے پیچھے جا کر الٹی سیدھی ادا کی اور گھر واپس آ گیا۔ نماز ادا کرنے کے بعد بہت سکون اور حلاوت محسوس ہوئی کہ جس کو الفاظ میں بیان کرنا میرے لئے مشکل ہے۔ نیز یہ کہ اس محلے میں ہم لوگ نئے نئے آئے تھے۔ اس لئے بہت کم لوگ اس بات سے واقف تھے کہ ہم لوگ عیسائی ہیں۔ اسی بناء پر میرے مسجد جانے پر کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔

دوسرے دن بھی روزہ رکھا اور اسکول جانے سے پہلے نماز کا ایک کتابچہ'' آسان نماز'' خرید لیا تا کہ وہاں اپنے دوستوں سے نماز وغیرہ سیکھ لوں۔ اسکول میں اکبر نامی ایک لڑکا میرا دوست تھا میں نے اس سے آہستہ آہستہ اور خاموشی سے نماز سیکھ لی۔ اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم ہوا اور میں نے پابندی کے ساتھ پورے روزے رکھے اور پانچ وقت کی نماز ادا کی۔ بس یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسی ان دیکھی قوت اور مدد تھی کہ میں چپ چاپ بلا سوچے سمجھے نماز روزے کی بجا آوری اور اسلام کے دیگر احکامات کی معلومات میں لگا ہوا تھا۔

ادھر میری والدہ اور میرا چھوٹا بھائی بھی میری اس تبدیلی پر سخت ناراض تھے۔ اور اس عرصے میں ہمارے چھوٹے ماموں امانت مسیح جو کہ ضلع سانگھڑ میں رہتے ہیں۔ وہ بھی میری اس تبدیلی کو دیکھ چکے تھے کیونکہ ان دنوں وہ بھی ہم سے کراچی ملنے آئے ہوئے تھے اور واپس ضلع سانگھڑ جا کر انہوں نے بھی ہمارے دیگر رشتے داروں میں اس بات کا خوب چرچا کیا کہ بڑی باجی (یعنی میری والدہ صاحبہ) کا بڑا لڑکا مسلمان

ہو گیا ہے۔ ادھر میری والدہ کے چھوٹے بھائی یعنی میرے ماموں (سسر) نے کہا کہ میں یہ بات اس وقت تک تسلیم نہیں کروں گا جب تک خود نہ دیکھ لوں کہ لڑکا مسلمان ہوا ہے یا نہیں۔ کیونکہ میرے اس ماموں کی بڑی لڑکی سے میری منگنی عیسائی ہوتے ہوئے ۱۹۸۵ء میں ہو چکی تھی۔

ادھر مسلمان ہونے کے بعد میں اپنی منگیتر اور منگنی کے سلسلے میں بھی پریشان تھا۔ اور دل میں سوچ لیا تھا کہ میں خود اپنی منگیتر سے اپنے بارے میں بات چیت کروں گا اور اسے اپنے مسلمان ہونے کی ساری تفصیل بتا کر فیصلہ اس پر چھوڑ دوں گا۔ پھر اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک دفعہ پھر ۱۹۸۷ء میں ہمیں وہ محلہ چھوڑنا پڑا۔ اس دفعہ ڈیفنس میں کورنگی روڈ کے قریب ایک بنگلے پر والدہ محترمہ کو کھانا پکانے کا کام مل گیا اور ساتھ ہی ساتھ رہائش کے لئے صاحب لوگوں نے مکان بھی دیدیا۔ یہ لوگ پاکستانی تھے۔ اس دفعہ مجھے والدہ محترمہ کے ساتھ کام تو نہ ملا۔ لیکن اسکول سے واپسی کے بعد میں ایک درزی کی دکان پر کام کرنے لگا۔ ٹیلر ماسٹر محمد حیات صاحب کے پاس میں بہت پہلے بھی کام کر چکا تھا۔ اس لئے مجھ سے واقف تھے۔ جب ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ میں اسلام قبول کر چکا ہوں تو یہ لوگ بھی بہت خوش ہوئے۔ مگر ماسٹر محمد حیات صاحب اور ان کے ایک دوست مولانا عبدالغفور صاحب نے کہا کہ یہ تو ٹھیک ہے تم مسلمان ہو گئے ہو، مگر اپنے مسلمان ہو جانے کے ثبوت کے طور پر تمہارے پاس ''سند اسلام'' تو ہونی چاہئے۔ میں نے ان سے کہا کہ مجھے تو اس بارے میں کچھ علم نہیں۔ آپ ہی لوگ میری رہنمائی فرمائیں۔

اور پھر ایک دن ۹ رجب المرجب ۱۴۰۸ ہجری مطابق ۹ مارچ ۱۹۸۸ء کو ماسٹر محمد حیات صاحب، مولانا عبدالغفور صاحب اور ان کے دو شاگردوں کے ساتھ دارالافتاء مدرسہ عربیہ اسلامیہ، نیو ٹاؤن کراچی میں حاضر ہو کر ایک عالم دین اور مفتی صاحب

کے ہاتھ پر دین اسلام قبول کیا۔ گواہوں کی جگہ بھی ماسٹر محمد حیات صاحب اور مولانا عبدالغفور صاحب نے دستخط کئے۔ اور یوں مجھے دین اسلام قبول کرنے پر ثبوت کے طور پر ''سند اسلام'' مل گئی۔ یہ دن میرے لئے بہت بڑی خوشی کا دن تھا، اسی دوران مجھے ضلع سانگھڑ اپنی منگیتر کے پاس جانے کا اتفاق ہوا۔ لیکن وہاں پر میں نے کسی پر اس کا خصوصی اظہار نہیں ہونے دیا کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں۔ بس جب نماز کا وقت ہوتا اس سے کچھ پہلے گھر سے نکل جاتا اور کہیں دور جا کر نماز ادا کرنے کے بعد واپس آجاتا۔

اپنی منگیتر سے جب بات چیت ہوئی اور اپنے مسلمان ہونے کے بارے میں بتایا تو وہ بہت حیران ہوئی اور سوچ میں پڑ گئی۔ لیکن کیونکہ منگنی ہو جانے کے بعد لڑکے لڑکی میں ایک طرح کی محبت قائم ہو جاتی ہے۔ اس لئے میری منگیتر کیلئے جلدی ہی کوئی فیصلہ کرنا مشکل تھا۔ اس لئے دو تین بار کی ''ہاں'' اور ''نہ'' کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ ماموں اور ممانی ایسے تو کبھی بھی نہیں مانیں گے لہٰذا ایک ہی راستہ ہے اور وہ کورٹ میرج۔

بس پھر یہ کہ یہاں کراچی آکر میں نے اور میری منگیتر نے کورٹ میرج کر لی۔ اور اس طرح میری منگیتر جو کہ اب میری بیوی ہے۔ اسی دن مسلمان بھی ہو گئی۔ یہ تمام کاروائی بھی ۱۹۸۸ء ہی کو عمل میں آئی۔ میرے مسلمان ہونے اور کورٹ میرج کی شادی نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ اور گھر میں والدہ اور بھائی کی مخالفت کے ساتھ ساتھ دیگر رشتہ دار میرے سخت ترین دشمن بن گئے جس کے بعد مجھے کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ والدہ اور بھائی کی مخالفت تو آہستہ آہستہ ایک جگہ رہتے رہتے ختم ہو گئی۔ مگر رشتے دار دشمن رہے۔ آخر تین چار سال کی مخالفت کے بعد سب سے پہلے میری بیوی کے چھوٹے بھائی ہم سے کراچی ملنے کیلئے آئے۔ یہی موقع تھا کہ میں نے کھل کر اپنی

بیوی کے بھائی کو بتایا کہ میں اور تمہاری بہن اب مسلمان ہو چکے ہیں۔ لہٰذا میرے سامنے کبھی یہ کوشش نہ کرنا کہ تم ''اسلام'' کے خلاف کوئی بات کرو۔

اللہ کے فضل و کرم سے اس نے کوئی ایسی بات نہ کی اور یوں اس کے دو تین بار ہمارے پاس آنے کی وجہ سے دیگر خاندان والے بھی کچھ ٹھنڈے پڑ گئے خاص کر میرے ماموں (سسر) اور ممانی (ساس) صاحبہ بھی ٹھیک ہو گئیں۔

ادھر کرائے کے مکانوں میں اور بنگلے کے سروینٹ کوارٹروں میں تیرہ، چودہ سال سے زندگی گزار گزار کر ہم لوگ بھی تنگ آ چکے تھے۔ والدہ محترمہ نے اپنی کمائی سے پیسے جوڑ جوڑ کر ۸۳۔۱۹۸۶ء میں اورنگی ٹاؤن کرسچن کالونی میں دو پلاٹ کچی آبادی میں لے چھوڑے تھے۔ مگر تعمیری خرچ نہ ہونے کی وجہ سے ہم لوگ کبھی کرائے کے مکانوں میں رہتے اور کبھی سروینٹ کوارٹروں میں رہتے۔

زندگی نے ایک دفعہ پھر پلٹا کھایا اور جس جگہ والدہ محترمہ کام کر رہی تھیں وہاں ان بیگم صاحبہ کا مزاج کچھ گرم تھا جس کی وجہ سے والدہ کو وہ نوکری چھوڑنی پڑی اور اس عرصہ میں ایک عدد کمرہ والدہ محترمہ اس پلاٹ پر بنوا چکی تھیں۔ اس لئے وہاں سے نوکری چھوڑنے کے بعد ہم لوگ سیدھے اورنگی ٹاؤن کرسچن آبادی میں چلے آئے۔ جیسے تیسے کر کے ایک کمرہ اور بنوایا اور ہماری جان ان کرائے کے مکانوں سے چھوٹی۔ لیکن یہاں آ کر معلوم ہوا کہ ہم لوگ آسمان سے گرے اور کھجور میں اٹکے کا مصداق بن گئے ہیں خاص کر میری ذات یہاں کے عیسائی حضرات کیلئے تکلیف دہ بن گئی۔

یہاں کرسچن کالونی میں والدہ کو جو لوگ پہلے سے جانتے تھے اور جو لوگ بعد میں واقف کار بنے۔ انہوں نے میری والدہ کو میرے خلاف خوب بھڑکایا۔ نیز محلے کے لڑکے میرے چھوٹے بھائی کو ''طعنہ'' دیتے کہ تمہارا بھائی تو مسلمان ہے۔ یہ ہے اور وہ ہے۔ غرض بہت سی باتیں کرتے جس سے والدہ اور بھائی وغیرہ آہستہ آہستہ پھر

میرے خلاف ہونا شروع ہو گئے۔ والدہ محترمہ نے آخر یہ کہنا شروع کر دیا کہ بیٹا خالد کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ تم دوبارہ عیسائیت اختیار کرلو۔

اس پر میں نے کہا ''امی یہ کبھی نہیں ہوسکتا چاہے کچھ ہو جائے۔'' میرے اس جواب پر بات بڑھتے بڑھتے بہت بڑھ گئی یہاں تک کہ میں نے والدہ سے صاف کہہ دیا کہ آپ لوگوں کو تو چھوڑ سکتا ہوں مگر ''دین اسلام'' نہیں چھوڑ سکتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۹۱ء کے شروع میں اپنے بیوی بچوں کو لے کر والدہ اور بھائی سے علیحدہ ہو گیا اور قیوم آباد کے علاقہ میں تین سو روپے کرایہ کے ایک مکان میں رہنے لگا۔

اس کرایے کے مکان میں ابھی ایک ماہ بھی رہتے ہوئے نہ ہوا تھا کہ والدہ محترمہ مجھے منا کر پھر اپنے ساتھ اورنگی ٹاؤن کرسچن کالونی میں لے آئیں۔ زندگی پھر معمول پر آ گئی اب والدہ مذہب چھوڑنے کو تو نہ کہتیں البتہ جو میں نے داڑھی رکھی ہوئی ہے اس کو ختم کروانے کے لئے کہتیں۔ میں نے کہا ''امی! یہ بھی نہیں ہوسکتا ہے'' والدہ کہنے لگیں کہ بیٹا زندگی پڑی ہوئی ہے داڑھی رکھنے کیلئے ابھی سے تو کم از کم نہ رکھو۔ اس پر والدہ کو جواب تو بہت سے دیئے جاسکتے تھے مگر میں نے جواب گول مول کر دیا۔ حالانکہ خود بائبل میں داڑھی منڈوانے کی سخت ممانعت آئی ہے۔ چنانچہ بائبل کی کتاب ''احبار'' باب ۱۹ آیت ۲۷ میں ہے کہ: ''تم اپنے سر کے بال گول طرح سے نہ کاٹو اور نہ تم اپنی داڑھی منڈواؤ''۔

یہ سب تبلیغی جماعت میں کچھ وقت لگانے کی برکت تھی کہ میں نے داڑھی رکھ لی تھی۔

انہی دنوں یہاں عیسائی بستی میں میری جن لوگوں سے واقفیت ہوئی تھی۔ ان میں سے میرے بالکل سامنے والے گھر میں جو تین بھائی عیسائی رہتے ہیں انہوں نے مجھ سے یہ معلوم کرنے کے بہانے کہ میں عیسائی سے مسلمان کیوں ہوا تھا، مذہبی بحث

شروع کر دی۔ میں ان دنوں صرف اور صرف اسلامی معلومات کی کتابیں پڑھ رہا تھا۔ مذہبی بحث کے دوران جو سوالات ان لوگوں نے اسلام کے خلاف کئے اور تثلیث پرستی کے حق میں کئے تھوڑی بہت معلومات کے تحت میں نے ان سوالات کے جوابات دیئے اللہ کا کرم ایسا ہوا کہ انہی دنوں میں کسی اسلامی کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا کہ اس کتاب کے آخر میں چند کتابوں کی فہرست چھپی ہوئی نظر سے گذری۔ اس فہرست میں موجود حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کی ایک کتاب ''عیسائیت کیا ہے'' تھی۔ اسی کتاب کے مطالعے سے پتہ چلا کہ ردعیسائیت پر ایک تین جلدوں والی کتاب ''اظہار الحق'' (بائبل سے قرآن تک) حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی مرحوم ومغفور کی لازوال اور بے مثال کتاب بھی ہے۔ لیکن اس وقت میرے پاس ان تین جلدوں والی کتاب کو خریدنے کی گنجائش نہ تھی مگر ''صدیقی ٹرسٹ'' جو کہ لسبیلہ چوک پر واقع ہے وہاں جا کر محترم جناب احمد دیدات صاحب کے پاکستان میں شائع ہونے والے انٹرویو اور مناظرہ کے چند ایک کتابچے خرید لئے جن سے مجھے بہت فائدہ ہوا۔ ''عیسائیت کیا ہے'' اور احمد دیدات صاحب کے چند ایک کتابچے پڑھنے کے بعد میں اس قابل ہو گیا کہ اب کسی بھی عیسائی سے کچھ بات چیت ہو سکتی تھی۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے جس نے بھی یہاں کرسچن کالونی میں میرے ساتھ عیسائیت پر بات کی اس کا منہ توڑ جواب محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دیا۔

بائبل، قرآن اور سائنس'' فرانسیسی مصنف موریس بوکائیے کی ایک کتاب ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ اردو میں یہاں پاکستان میں بھی دستیاب ہے۔ جو کہ ردعیسائیت پر اور اسلام کی حقانیت پر ایک بہترین کتاب ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ نے بھی میری معلومات میں خوب اضافہ کیا اور موجودہ بائبل کی تضاد بیانیوں کو خوب سے خوب بیان کیا۔ اس عرصہ میں میری یہاں کی عیسائیوں سے ''تثلیث پرستی'' پر کافی بحث اور بات

چیت ہوئی۔

مگر پہل ہمیشہ مذہبی بحث میں یہاں کے عیسائیوں نے ہی کی، مثلاً جن کے ساتھ میری عیسائیت پر بات چیت چل رہی تھی صرف وہی لوگ مناظرے میں پہل کرتے تھے۔

شروع شروع میں بہت ڈر بھی لگتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اسلام ﷺ کے متعلق کوئی ایسا سوال کر دیں جس کی وجہ سے میں کوئی جواب نہ دے پاؤں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل وکرم رہا کہ اسلام کے بارے میں انہوں نے جو اعتراض کیا اس کا جواب اوپر مذکورہ کتابوں سے بڑی حد تک دیا۔

۱۹۹۲ء میں اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک کے ماہ میں میرے لئے گنجائش پیدا فرمائی اور مجھے توفیق عطا ہوئی اور میں نے حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی مرحوم ومغفور کی کتاب ''اظہار الحق'' (بائبل سے قرآن تک) لے لی۔ اس کتاب نے مجھے ردعیسائیت کی دیگر کتب سے بے نیاز کر ڈالا۔ حضرت مولانا نے ایسے ایسے دلائل اس کتاب میں ردعیسائیت پر جمع فرمائے ہیں کہ عقل حیران رہ گئی۔

میں یہاں اس حقیقت کا بھی اعتراف کرتا چلوں کہ عیسائی ہوتے ہوئے مجھے خود بھی عیسائیت کا واجبی سا علم تھا، لیکن جب میں نے ''دین اسلام'' قبول کیا اور عیسائی برادری نے میرے قبول اسلام کے حوالے سے جب ''اسلام'' پر اعتراضات کئے تو مجھے تجسس پیدا ہوا کہ میں نہ صرف عیسائی برادری کے اعتراضات کے جوابات دوں بلکہ ان کے عقائد باطلہ کی نفی بھی کروں۔ چنانچہ اہل اسلام کی جانب سے ردعیسائیت کی کتب کی تلاش نے مجھے مناظرِ اسلام حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی مرحوم ومغفور کی کتاب ''اظہار الحق'' اور ''اعجاز عیسوی'' سے جا ملایا۔ یہ وہی رحمت اللہ کیرانوی مرحوم ومغفور ہیں کہ جن کی تصانیف کے بارے میں حضرت مولانا سید انور شاہ

صاحب کشمیریؒ فرمایا کرتے تھے کہ: "اللہ مولوی رحمت اللہ کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ ان کی کتابیں عقائد اسلامیہ کے تحفظ میں اپنی مثال آپ ہیں۔ خدانخواستہ وقت پڑنے پر ہمارے علماء کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" اور عیسائی پادری کی جانب سے اسلام پر کیے گئے اعتراضات کے وہ جوابات دیئے کہ اللہ جانتا ہے۔ میرا ایمان دین اسلام پر اور زیادہ سے زیادہ مضبوط ہو گیا اس لئے اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اللہ والے واقعی اللہ والے ہوتے ہیں موجودہ بائبل میں تضاد بیانیوں، فحش کلاموں تحریف، عقیدہ تثلیث اور اسلام کی حقانیت پر وہ بحث حقائق کی روشنی میں کی ہے کہ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی مرحوم و مغفور کے لیے جتنی بھی دعائے خیر کی جائے وہ کم ہے۔

اس کتاب کے مطالعہ کے بعد سے آج تک میرا یہ دعویٰ ہے کہ اگر پوری عیسائی دنیا بھی لگ جائے تو حضرت مولاناؒ کی کتاب "اظہار الحق" کا کوئی ایک جواب بھی یہ نہیں دے سکتے۔ ایک صدی سے زیادہ وقت اس کتاب کی اشاعت کو ہو چکا ہے مگر میرے علم میں نہیں کہ کسی عیسائی یا خود کسی پادری نے اس کتاب کا جواب دیا ہو یا لکھا ہو۔ نیز حضرت مولانا کیرانویؒ کی کتاب "اعجاز عیسوی" بھی عیسائیت پر بے مثال کتاب ہے چنانچہ عیسائی مذہب کے حوالے سے اگر مسلمان علمی معلومات اور اس کے رد پر کچھ جاننا چاہتے ہیں تو انہیں چاہئے کہ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی صاحبؒ کی کتاب کی جانب رجوع کریں۔ اور اگر کوئی عیسائی برادری کا فرد حقیقت پسندی کے ساتھ عیسائیت کے خود ساختہ نظریات اور دین اسلام کی حقیقی تعلیم کو سمجھنا چاہتا ہے تو انہیں بھی چاہئے کہ وہ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی صاحبؒ کی کتب کی جانب رجوع کریں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ایسا فرد یا افراد ضرور حق (اسلام) کی جانب پلٹیں گے۔ باقی توفیق عمل تو اللہ تعالیٰ ہی کی ذات عالی کے ہاتھ میں ہے۔

اپنے مسلمان ہونے کے حالات کے تحت جو کچھ میں نے مناسب سمجھا یہاں صرف وہی کچھ عرض کیا ہے۔ اپنے مسلمان ہونے سے پہلے یا بعد میں جو باتیں تلخ حقائق رکھتی ہیں یا مناسب معلوم نہیں ہوتیں ان کا ذکر میں نے یہاں نہیں کیا۔ اس لئے میرے مسلمان ہونے کے حالات پڑھتے ہوئے جو بھی بات ادھوری یا اشکال شدہ نظر آئے اسے میرے اوپر والے بیان پر قیاس کیا جائے۔

آخر میں آپ سے گزارش ہے کہ میرے لئے میرے بیوی بچوں کیلئے دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو دین اسلام پر قائم رکھے اور ایمان پر خاتمہ فرمائے۔ نیز والدہ اور بھائی کیلئے بھی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو بھی سچے دل کے ساتھ دین اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائیں آمین ثم آمین۔ (یہ مضمون اُنہی کی اجازت سے شامل اشاعت ہے) موصوف اس وقت دارالعلوم کراچی کورنگی میں مقیم اور مدرسہ کے کسی شعبہ سے منسلک ہیں نیز اُنہوں نے ردِ عیسائیت پر ایک لاجواب کتاب بھی لکھی ہے بعنوان اسلام عیسائیت اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام، (ادارہ اسلامیات) لاہور نے شائع کی ہے۔

جب میں نے اسلام قبول کرنے کی اطلاع فون پر والدہ کو دی تو میری والدہ نے مجھے فون پر کہا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم بیمار تو نہیں ہو، تمہارے دماغ پر اثر تو نہیں ہوا؟ میں نے کہا: میں صرف اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں، والدہ نے کہا کہ تمہارا مستقبل تباہ ہو جائے گا نہ تم جرمن رہو گے نہ ترکی اور نہ ہی پاکستانی بالآخر والدہ نے کہا ''دیکھو بیٹا دو چیزوں میں سے ایک کو اختیار کر لو، یا اپنی والدہ کو یا خدا کو؟ میں نے بلا تامل اور بغیر جھجکے فوراً جواب دیا ''خدا تعالیٰ تم سے بڑے ہیں''۔

ذیل کا یہ واقعہ مولانا مفتی محمد زبیر صاحب و محمد شکیل فاروق ڈیوزبری (برطانیہ) اور راقم الحروف نے نومسلم سے ملاقات کے بعد مرتب کیا ہے۔

جرمنی کے نومسلم دینی طالب علم کی داستان

تیرے عشق کی انتہا چاہتا ہوں　　　میری سادگی کو دیکھ کیا چاہتا ہوں
بھری بزم میں راز کی بات کہدی　　　بڑا بے ادب ہوں سزا چاہتا ہوں

میں ایسٹ جرمنی میں پیدا ہوا۔ میرے والدین تقریباً دہریے تھے، یعنی خدا کے نہ ماننے والے ۱۹ سال کی عمر میں میں ویسٹ جرمنی منتقل ہوا۔ وہاں میرا اپنا گھر تھا۔ وہاں میں گاڑیوں کی فیکٹری میں کام کرتا تھا۔ پہلے مجھے مسلمانوں کے بارے اسلام، خدا اور نبیؐ کے بارے میں کچھ پتہ نہیں تھا۔ بلکہ ہمارے گھر میں اسلام کے بارے میں یہ نظریہ تھا۔ کہ یہ گندہ مذہب ہے تلوار اور دہشت گردی اور جہاد وغیرہ کے ذریعے وجود میں آیا ہے۔ اور یہ کہ مسلمان ڈاکو قاتل، دہشت گرد ہوتے ہیں، ویسٹ جرمنی میں منتقل ہو کر فیکٹری میں پہلی مرتبہ مسلمان کو دیکھا ان سے بات چیت کا موقع ملا۔ فیکٹری میں ایک مسلمان ترکی دوست سے میری دوستی ہوئی۔ وہ اگر چہ مسلمان تھا لیکن اعمال وغیرہ کے اعتبار سے زیادہ بہتر نہیں تھا ایک دن وہ دوست مجھے اپنے گھر لے گیا وہاں میں نے ان کے گھر کا فیملی نظام دیکھا جو مجھے بہت پسند آیا میں یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ وہ دوست اپنے گھر میں میرا بہت اکرام کر رہا تھا، کبھی کوئی چیز کھانے کیلئے پیش کرتا کبھی کوئی چیز بہر حال مجھے انکا فیملی سسٹم بہت پسند آیا۔ اس فیکٹری میں میرا ایک اور غیر مسلم دوست بھی تھا۔ میں جب مسلمانوں کے فیملی نظام اور مذہب سے متاثر ہوا تو میں نے ایک مرتبہ غیر مسلم دوست سے کہا ہو سکتا ہے کہ میں مسلمان ہو جاؤں وہ غیر مسلم میری اس بات سے چونکا! اور مجھے کہا نہیں' کہ یہ تو غلط مذہب ہے تمہیں اس سے بہت نقصان ہوگا۔ بہر حال اس کے بعد اسلام سے میری بہت جستجو رہی میرا مسلم دوست

ایک بار آیا، اور اس نے کہا کہ اب رمضان کا مہینہ آ گیا ہے اب ہم سگریٹ وغیرہ نہیں پئیں گے اور نہ کھانا کھائیں گے بلکہ ہم روزہ رکھیں گے میں نے دیکھا کہ وہ سارا دن نہ کچھ کھاتے تھے اور نہ پیتے تھے بلکہ وہ روزہ رکھتے ایک دن میں نے سوچا کہ ان کی نقالی میں شام تک میں بھی کچھ نہیں کھاؤں گا میں نے اگرچہ ناشتہ کیا لیکن اس کے بعد شام ہونے تک کچھ نہیں کھایا۔ افطاری کے ٹائم میں نے کھانا کھایا، تو میں نے سوچا کہ کیا صرف یہی روزہ ہے یہ تو زیادہ مشکل نہیں ہے۔ جب رمضان کا آخری عشرہ شروع ہوا، تو میں نے ٹی وی پر مسلم ممالک کے خصوصاً ترکی کا چینل دیکھا جس میں مسلمان نماز پڑھ رہے تھے اور تراویح وغیرہ پڑھتے ہوئے مسلمانون کو دکھایا گیا میں رات کو سویا تو خواب میں میں نے خود کو مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جب میری آنکھ کھلی تو میں نے سوچا کہ شاید میں نے ٹی وی پر مسلمانوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا ہو سکتا ہے کہ یہ اس خواب کا اثر ہو یہ سوچکر میں نے خیال کو جھٹکنے کی کوشش کی اس دوران میں نے اپنے ساتھی سے مستقل طور پر سوالات وغیرہ شروع کر دیئے۔ اور اس سے اسلام خدا اور نبی کے بارے میں مسلسل سوالات کرتا جس سے وہ بہت تنگ ہوتا اسی دوران میں نے ایک عجیب خواب دیکھا۔ وہ یہ کہ میں ایک بڑے حال نما کمرہ میں ہوں جہاں سخت دھوپ پڑ رہی ہے جس سے میری آنکھیں متاثر ہو رہی ہیں میں نے عمامہ اور چشمہ پہنا ہوا ہے (واضح رہے کہ اس وقت میں چشمہ نہیں پہنتا تھا کیونکہ میری نظر بالکل سو فیصد درست تھی) نیز میری داڑھی بھی ہے اور میں نے کالا جبہ پہنا ہوا ہے (موصوف عموماً آج کل الحمد اللہ اسی صورت اور اس لباس میں ہوتے ہیں) غرض اپنے آپ کو بالکل مسلمانوں کے لباس میں دیکھا اور میں اتنی خوشی اور چین سکون محسوس کر رہا تھا جس کا اظہار لفظوں میں بیان کرنا مشکل ہے۔ اسی دوران اس بڑے کمرے کے دروازے سے ایک برقعہ پہنے عورت کمرہ میں داخل ہوئی جس کی صرف آنکھیں

کھلی ہوئی تھی میں نے اتنی خوبصورت حسین دل کش آنکھیں کبھی کسی کی نہیں دیکھی تھیں، ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا تھوڑی دیر میں ایک سکارف پہنے بچی اور اس کے بعد ایک چھوٹا بچہ میرے کمرے میں داخل ہوا اس بچے کو میں نے دیکھا تو وہ میرے قریب آیا۔ اور اس نے میرے ساتھ معانقہ کیا میں نے اس کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرا مجھے یہ محسوس ہوا کہ گویا خواب میں میں نے بیس پچیس برس گزار لئے۔ اور میرے بیوی بچے بھی ہیں میں نے اتنا سکون محسوس کیا جسکی کوئی حد نہیں مجھ پر اس خواب کا اتنا شدید اثر ہوا کہ جب میں صبح اُٹھا تو میں نے سوچا کہ صبح ہوگئی ہے اب میں اپنی بیوی کو اُٹھاؤں میں نے بیوی کو اُٹھانے کیلئے ہاتھ بڑھایا تو دیوار پر میرا ہاتھ پڑ گیا۔ میں نے سوچا کہ میری بیوی کہاں ہے؟ پھر دوسری جانب متوجہ ہوا تو وہاں بھی نہیں پایا اس کے بعد اپنے بچے کو اُٹھانے کیلئے اُٹھا، اُٹھنے کے بعد تقریباً دس پندرہ منٹ تک مجھ پر اس خواب کا اثر رہا۔ گویا میں ابتک اسی زندگی میں ہوں۔ اس کے بعد میں کافی پریشان رہا۔ اور ہر وقت خواب والی حسین چین وسکون والی زندگی کا گویا متلاشی اور طالب رہا پہلا خواب جب میں نے ترکی دوست کو سنایا تو اس نے کہا تم ان شاء اللہ ضرور مسلمان ہو جاؤ گے اسلام کے بارے میں میری جستجو مزید بڑھی میں اپنے ترکی دوست سے مزید سوالات کرتا گیا وہ بے شمار سوالات سے آخر تنگ آ گیا اس نے کہا کہ تم مسجد کے کسی امام سے یہ سوالات کیا کرو۔ میں نے ایک مسجد فون کیا اور امام صاحب سے وقت لیا۔ وعدہ کے مطابق مقررہ وقت پر پہنچا۔ تو وہاں چند عیسائی امام سے مناظرہ کر رہے تھے۔ امام صاحب انکی بائبل اور عقیدہ تثلیث کے باطل ہونے کو بتا رہے تھے۔ میں نے سوچا کہ عیسائی کتنے بیوقوف لوگ ہیں کہ تحریف شدہ بائبل وغیرہ کو مانتے ہیں۔ شکر ہے کہ میں عیسائی نہیں ہوں۔ اتنے میں مسجد کمیٹی کے ایک صاحب آئے وہ مجھ سے مسجد میں گفتگو کرنے لگے تقریباً چار گھنٹے میں نے ان سے مسلسل سوالات

کیئے۔ میں تھک کر گھر واپس آیا۔ انہوں نے مجھے جمعہ کے بعد کا وقت دیا تھا۔ دوبارہ میں جمعہ کے دن ان کے پاس گیا۔ اور مزید سوالات کیئے۔ بالاخر انہوں نے کہا کہ مسلمان ہونے کیلئے دو چیزیں ضروری ہیں ایک تو یہ کہ زبان سے اللہ رسول، فرشتوں، قیامت آخرت کی تصدیق کرو، اور دوسرا یہ کہ دل سے تصدیق کرو، کیونکہ اگر صرف زبان سے تصدیق کروگے دل سے نہیں تو بھی جہنم سے نہیں بچ سکو گے۔ میں اس پر کافی پریشان رہا کہ دل سے تصدیق کا کیا مطلب ہے؟

تو میں نے ان صاحب سے کہا کہ اچھا مجھے کچھ وقت دیں میں اپنے دل کو اس پر راضی کرتا ہوں نیز انہوں نے بتایا کہ تمہیں اپنا نام بھی تبدیل کرنا ہوگا کوئی نام بتائے میں نے سوچا کہ محمد ﷺ کے نام پر اپنا نام نہیں رکھونگا۔ کیونکہ محمد ﷺ تو بہت کامل شخصیت تھے میں اس کا مستحق نہیں کہ میرا نام انکے نام پر رکھا جائے۔ پھر میں گاڑی پر واپس جا رہا تھا کہ اچانک گاڑی میں سے آواز آئی۔ احمد، میں بہت حیران ہوا اور مجھے یہ نام بہت پسند آیا میں نے فیصلہ کرلیا کہ یہی میرا نام ہے اور اس دن اپنے کمپیوٹر پر بھی میں نے اپنا نام تبدیل کر کے یہی لکھ دیا۔ بہر حال میں اسلام کے قبول کرنے کا سوچ رہا تھا۔ ایک دن میں نے اپنی والدہ کو فون پر کہا کہ میں اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں انہوں نے کہا کہ یہ تو غلط مذہب ہے مگر تمہاری مرضی اگر قبول کرنا چاہتے ہو تو کرلو۔ کچھ دیر بعد میری والدہ نے مجھے فون کیا، اور کہا کہ تمہیں کیا ہوگیا ہے تم بیمار تو نہیں؟ پیسوں کی ضرورت تو نہیں؟ کیا ہوا؟ میں نے کہا میں اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں والدہ نے کہا کہ تم کیا کہہ رہے ہو تمہارے دماغ پر تو اثر نہیں پڑ گیا، میں نے کہا کہ میں صرف اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں۔ والدہ نے کہا کہ تمہارا مستقبل تباہ ہو جائیگا، نہ تم جرمن رہو گے نہ ترکی اور نہ ہی پاکستانی بالاخر والدہ نے کہا کہ دیکھو بیٹا دو چیزیں ہیں ان میں سے ایک کو اختیار کرلو یا اپنی والدہ کو یا خدا کو؟ میں بلا نے تامل اور بغیر جھجکے کہدیا کہ خدا تم

سے بڑے ہیں۔ والدہ نے یہ کہہ کرفون بند کر دیا کہ اچھا آج سے تو میرا بیٹا نہیں ہے۔ آئندہ ہمیں فون نہ کرنا۔ میں اسی سوچ میں رہا۔ اتوار کے دن میں مسجد میں گیا۔ پورا ہفتہ بارش ہوتی رہی۔ آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا اور سیاہ تھا۔ لیکن اتوار کے دن بہت خوبصورت موسم تھا بارش تھمی رہی، کچھ دھوپ نکلی ہوئی آسمان صاف خوبصورت تھا اور پیارے موسم میں میں مسجد گیا امام صاحب نے کلمہ شہادت، تین بار پڑھایا۔ اس دن مسجد میں کافی سارے لوگ آئے ہوئے تھے میرا نام احمد قرار پایا۔ مسلمان ہونے کے بعد کافی سارے مسلمانوں نے مجھ سے معانقہ کیا اور بہت خوش ہوئے اور میں بھی بہت خوش تھا۔ اسی دوران میں عبادت کے بارے میں معلومات حاصل کرتا رہا اور نماز پڑھنا شروع کر دی، مجھے نماز میں بے حد سکون آرام ملتا اسی سکون کی خاطر میں دو گھنٹوں تک ایک ایک نماز پڑھتا رہتا۔ مثلاً ظہر کی سنت ایک گھنٹہ فرض ایک گھنٹہ پورا پڑھتا رہتا۔

بعد میں تبلیغی جماعت کے ساتھ کچھ وقت لگایا تو احباب نے مشورہ دیا کہ مجھے دینی تعلیم سیکھنا ضروری ہے۔ رائیونڈ کیلئے ٹکٹ لینے کی کوشش کی تو دو ساتھی پاکستان آنا چاہتے تھے تو پاکستان کا ویزہ ٹکٹ وغیرہ صرف ایک ہی دن میں حیرت انگیز طور پر مل گیا۔ رائیونڈ میں کافی گرمی تھی۔ تقریباً ایک ماہ رائیونڈ گزار کر جرمنی گیا۔ وہاں دینی تعلیم سیکھنے کیلئے میرا رجحان مدینہ جانے کا ہوا لیکن احباب نے مشورہ دیا کہ پاکستان میں پڑھنا صحیح ہے جبکہ میرا قلبی رجحان مدینہ کا تھا میں نے مدینہ اور پھر پاکستان کا ایک طرفہ ٹکٹ لیا۔ تاکہ جہاں بھی جاؤں واپس نہیں آنا مکہ میں مجھے ایک دوست ملے پھر مدینہ میں بھی وہ ملے۔ مدینہ میں جانے کے بعد وہ مجھے حضرت عاشق الٰہی بلند شہری کے پاس لے گئے اور ان سے کہا کہ یہ دینی تعلیم سیکھنا چاہتا ہے مولانا نے فرمایا کہ اچھا پاکستان سے مولانا تقی عثمانی صاحب مدظلہم مدینہ آئے ہوئے ہیں اور وہ صرف ایک

دن کیلئے ابھی یہاں پر ہیں۔ چلو تم کو وہاں لیجاتا ہوں۔ مولانا تقی عثمانی صاحب نے فرمایا کہ ٹھیک ہے تم پاکستان آجاؤ اور دارالعلوم میں داخلہ لے لو۔ اس وقت تقریباً چھ سال سے دارالعلوم میں الحمداللہ عالم کورس کی دینی تعلیم حاصل کررہا ہوں۔

الحمد الله علی ذالک

سابق صدر تنزانیہ نریرے کی اسلام دشمنی اور مسلم بیزاری کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں وہ سخت گیر اور متعصب عیسائی لیڈر رہا ہے جسنے مسلمانوں کی دل آزاری میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی عین اس وقت جبکہ وہ تنزانیہ میں عیسائیت کی تبلیغ کیلئے سرگرداں تھا اور عیسائی مشنریوں کا ہر ممکن تعاون کر رہا تھا انہی دنوں اسکے بچے اسلام کے گہرے مطالعے میں مصروف تھے اور بتدریج اسلام کی طرف مائل ہو رہے تھے اسی دوران وہ اسلام کی دعوت سے متاثر ہوئے اور بالآخر یکے بعد دیگرے صدر نریرے کے تینوں بیٹے اور دو بیٹیاں مسلمان ہوگئیں۔

سابق تنزانوی صدر کے بچوں کا قبول اسلام

کچھ خدائی کو سمجھ کہ یہ کیسا انداز ہے نرالا
نومولود کے ہاتھوں سے فرعون کو ہے مرا ڈالا

تنزانیہ کے سابق صدر اور حکمران پارٹی کے سربراہ جولیس نریرے کا خاندان گزشتہ دنوں دارلسلام میں رابطہ عالم اسلامی کے نمائندہ شیخ مصطفےٰ عباس کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوگیا یہ خبر جہاں عالم اسلام کیلئے مژدہ عظیم تھی وہیں عیسائی دنیا کیلئے بہت ہی المناک اور مایوس کن تھی کیونکہ نریرے کی اسلام دشمنی اور مسلم بیزاری کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے نریرے وہ سخت گیر اور متعصب عیسائی لیڈر رہا ہے جس نے اپنے دور اقتدار میں مسلمانوں پر بے تحاشہ مظالم ڈھائے تنزانیہ براعظم افریقہ میں ایک غالب مسلم اکثریت والا ملک ہے۔ جس کی مجموعی آبادی کا ۷۸% فیصد مسلمانوں پر مشتمل ہے تنزانیہ میں بمشکل بیس فیصد آبادی عیسائیوں کی ہوگی باقی لادین جنگلی قبائل ہیں جن کا مذہب کوئی نہیں ہوتا، ۷۸ فیصد مسلم اکثریتی ملک پر اس نے نام نہاد شولزم کی آڑ میں عیسائی حکومت قائم کر رکھی تھی، اپنے دور اقتدار میں اس نے مسلم اکثریت ختم کر کے عیسائی اکثریت قائم کرنے کی بھرپور کوشش کی دارلسلام کا نام بدل کر ایک سیکولر نام رکھنے کی کوشش کی جس میں اسے بری طرح ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اور اسے مسلمانوں کے شدید ردعمل اور غیر معمولی احتجاج کی وجہ سے مجبوراً اپنا ارادہ ترک کرنا پڑا: پھر اس نے دارلحکومت کیلئے ایک نیا شہر بسانے کا فیصلہ کیا: چنانچہ دارلسلام سے صرف دس کلومیٹر کے فاصلے پر تنزانیہ کے دارالحکومت کی تعمیر شروع کی۔ تنزانیہ کے دارلحکومت دارلسلام کو جو ایک خوبصورت ترین شہر ہے۔ مکمل طور پر نظر انداز

کر دیا گیا کیونکہ دارلسلام کی ۹۰% فیصد آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے اور سو فیصد کاروبار بھی مسلمانوں کے پاس ہے اس وقت شہر میں صفائی وغیرہ کا کوئی معقول انتظام نہیں ہے سڑکوں پر جگہ جگہ غلاظت کے ڈھیر پڑے ہوئے ہیں اور شہر کی بڑی بڑی سڑکیں ٹوٹی ہوئی ہیں جن کی مرمت کی طرف بھی کوئی توجہ نہیں دی جارہی ہے الغرض نریرے نے تنزانیہ کے مسلمانوں کی دل آزاری میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی تھی۔ مگر عین اسی وقت جب کہ وہ تنزانیہ میں عیسائیت کی تبلیغ کیلئے سرگرداں تھا اور عیسائی مشنریوں کو ہر ممکن مدد و تعاون پیش کر رہا تھا اُنہی دنوں اس کے بچے اسلام کے گہرے مطالعے میں مصروف تھے اور بتدریج اسلام کی طرف مائل ہو رہے تھے۔ اُس کے بچے امریکہ کنیڈا کے مختلف کالجوں اور یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم تھے اسی دوران وہ اسلام کی دعوت سے متاثر ہوئے چنانچہ سب سے پہلے نریرے کی بہو مسلمان ہوئی: پھر یکے بعد دیگرے تینوں بیٹے اور دو بیٹیاں بھی مسلمان ہو گئیں: نریرے کے بچوں کا قبول اسلام کوئی معمولی واقع نہیں ہے بلکہ عیسائی دنیا کیلئے ایک بہت بڑا دھماکہ ہے یہودی اور عیسائی پریس نے مکمل طور پر ان خبروں کا بائیکاٹ کیا کیونکہ ماضی میں بھی یہودی پریس کا یہی رویہ رہا ہے اگر کسی قابل ذکر شخصیت نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا تو اسے کوئی اہمیت نہیں دی گئی بلکہ اسے قطعاً نظر انداز کر دیا گیا اس سلسلے میں مسلم پریس نے بھی بالکل خاموشی اختیار کی بلکہ تحریکات اسلامی سے تعلق رکھنے والے بعض جرائد نے اپنے طور پر تحقیقات کے بعد ان خبروں کو شائع کیا نریرے کے بچوں کے قبول اسلام کے بعد دارلسلام اور دیگر اہم شہروں میں کافی دنوں تک اس کا چرچا رہا لیکن باقاعدہ طور پر ریڈیو ٹیلی ویژن اور اخبارات کے ذریعے اسکی کوئی تشہیر نہیں ہوئی۔ لہٰذا عوام اسے افواہ سے زیادہ کوئی اہمیت دینے کیلئے تیار نہیں تھے باقاعدہ طور پر اُس وقت عام لوگوں کو اس پر یقین آیا جب نریرے کے نومسلم بچوں نے ۔ ۱۳-۱۴-۱۵- فروری کو

دارلسلام میں عیسائیت کے خلاف ایک بہت بڑے مناظرہ کا انعقاد کیا اور براعظم افریقہ کے تمام پادریوں کو چیلنج کیا اور وسیع پیمانے پر اس مناظرہ کی تشہیر کی گئی: سواحلی زبان میں بڑے پیمانے پر بڑے پوسٹر دیواروں اور اہم سرکاری دفتروں کے دروازوں پر آویزاں کیئے گئے مناظرہ کی تاریخ سے تقریباً ایک ماہ پہلے ہی مساجد اور چرچوں کے دروازوں پر مسلم نوجوان اس مناظرہ سے متعلق پمفلٹ اور مفید پوسٹر اور لٹریچر تقسیم کر رہے تھے۔

تنزانیہ کی سرزمین پر یہ ایک عیسائیت کے خلاف مسلمانوں کی یلغار عوام کیلئے بالکل خلاف توقع اور حیران کن و ناقابل فہم تھی کیونکہ زیرے کی سخت گیر ڈکٹیٹر شپ اور عیسائیت نواز پالیسی کی موجودگی میں اتنی بڑی جسارت کی ہمت کسی کو بھی نہیں ہو سکتی تھی لہٰذا ان سرگرمیوں کی وجہ سے مسلمان دانشور طبقہ بھی حیرت واستعجاب کا شکار تھا۔ کیونکہ مناظرہ سے ایک روز قبل تک کسی کو پتہ بھی نہیں تھا کہ عیسائیت کے خلاف اس منظم تحریک کے پیچھے خود زیرے کے بچوں کا ہاتھ ہے تنزانیہ کے تاریخ میں یہ بلکل پہلا ہی موقع تھا کہ جب مسلمانوں نے عیسائی مشنریوں کو للکارا اور کھلے عام ان کو چیلنج کیا چنانچہ عام لوگوں میں اس عظیم مناظرہ اور اجتماع میں شرکت سے دلچسپی پیدا ہوئی اور پورے تنزانیہ میں اس کا چرچا ہونے لگا لوگ اس میں شرکت کیلئے تیاری کرنے لگے مناظرہ سے متعلق پوسٹروں اور دیگر لٹریچروں میں مسلم مبلغین کے نام شائع کر دیئے گئے لیکن ان میں زیرے کے بچوں میں سے کسی کا نام نہیں تھا۔ بلکہ شیخ احمد دیدات کے تین تربیت یافتہ شاگردوں کے نام تھے جو اہل تنزانیہ کے لئے بالکل غیر معروف اور نئے تھے ان تینوں مبلغین نے شیخ دیدات سے ڈربن جنوبی افریقہ میں رہ کر مناظرہ کی تربیت حاصل کی اور بائبل کے مختلف اور متضاد نسخوں کا گہرا مطالعہ کیا: زیرے کے بچوں کا ان سے بڑا گہرا دوستانہ تھا لہٰذا یہ نوجوان مبلغین جب بھی آپس

میں ملتے تو تنزانیہ میں اسلام کی تبلیغ اور عیسائی مشنریوں سے مقابلہ کیلئے صلاح مشورے کرتے اسلام کی تبلیغ کرتے آخرکار انہوں نے یہ طے کیا کہ اس مناظرہ کا اہتمام کھلے میدان میں کیا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ دیکھ سکیں اور خود ہی فیصلہ کر سکیں کہ حق کس کے ہاتھ ہے اور برسر باطل کون لوگ ہیں: حسب مشورہ اور پروگرام دارالسلام کے سب سے بڑے وسیع و عریض اور خوبصورت میدان جمہوری پارک میں ۱۲ فروری کی صبح یہ مناظرہ شروع ہو کر ۱۵ فروری کی شام کو ختم ہوا اور درمیان میں نمازوں اور کھانے پینے کیلئے وقفہ بھی ہوتا رہا یہ دیکھ کر حاضرین کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ زیرے کے تینوں بچے مبلغین کے دوش بدوش بیٹھے اور مبلغین کے ساتھ مکمل تعاون کر رہے تھے۔

اسلام کی بے پناہ جاذبیت مجھے اپنی طرف کھینچنے لگی مجھے معلوم ہوا کہ عیسائی مبلغ مورخ حضور ﷺ کی زندگی کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے میں مصروف ہیں میں نے اس پہلو کا بنظر غائر مطالعہ کرنے کا تہیہ کیا تو میں نے محسوس کیا بنی نوع انسان کے اس محسن کو جھٹلانا انتہائی شرمناک اور پرلے درجے کی ناحق شناسی ہے۔

عرب کے بدو جو بت پرستی، جرائم، عریانی، قتل وغارت، بچیوں کو زندہ در گور کرنا، موت مار جیسے تاریک گڑھوں میں زندگی گزار رہے تھے، اسلام کا پیغام پاتے ہی عقل و [illegible] شناس ہوئے۔

لارڈ برنٹن سے جلال الدین تک

حضورؐ آئے تو سر آفرینش پا گئی دنیا
اندھیروں سے نکل کر روشنی میں آ گئی دنیا
بجھے چہروں کا رنگ اتراتے چہروں پہ نور آیا
حضورؐ آئے تو انسانوں کو جینے کا شعور آیا

میری پرورش انگلستان کے ایک خوش حال گھرانے میں ہوئی جہاں سوائے تثلیث کے دوسرے عقائد کا گذرنا ناممکن تھا۔

دنیا کے گناہوں کا کفارہ ایک پیغمبر (حضرت مسیح علیہ السلام) کے ماننے کو میری روح رضامند نہ ہوئی جوں جوں کفارہ کے مسئلہ پر غور کرتا تھا میں اس تصور سے متنفر ہو جاتا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ میں کھویا کھویا سا رہنے لگا۔

پھر انسان کے لئے ابدی سزا کیسا کھوکھلا عقیدہ ہے کوئی میرے اس سوال کا جواب نہ دے سکا کہ وہ قادر مطلق خدا جو دنیا کا خالق ہے مسبب الاسباب ہے اپنی مخلوق کو ہر طرح جانتا ہے کس طرح انسان کو ابدی سزا کا مستوجب قرار دے سکتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حقیقت پسندی اور شان ربوبیت کے خلاف ہے۔ جس بارگاہ الٰہی نے انسان کو اشرف المخلوقات کا نام دیا ہے اس کا انسان کے لئے ابدی سزا تجویز کرنا خلاف عقل ہے۔ اس دوران میں وجود خدا کا قائل تو تھا لیکن میرا ایمان اس خدا کے بھیجے ہوئے ایسے فرمان سے متزلزل ہو چکا تھا۔ آخر کار میں دوسرے مذاہب کے مطالعہ کی طرف متوجہ ہوا کہتے ہیں کہ مسیحت کی بنیادیں انجیل مقدس پر قائم ہیں لیکن مذکورہ متضاد عقائد کی وجہ سے میں اس سے بددل ہونے لگا۔ کیا انجیل مقدس اور بانی مذہب حضرت عیسیٰ

علیہ السلام بن مریم کو غلط طور پر پیش کیا جارہا ہے۔

یہ تھا وہ سوال جو میں نے اکثر عیسائی مشنریوں کے سامنے پیش کیا لیکن ان کے جواب سے میری تسکین نہ ہوئی۔ اول تو وہ یہ کہہ کر مجھ پر غالب ہونے کی کوشش کرتے رہے کہ ایسا باغیانہ خیال ایک عیسائی مفکر کو زیب نہیں دیتا لیکن یہ کوئی معقول دلیل نہیں تھی۔ کیونکہ روشنی کے اس زمانہ میں انسان ہر معاملہ میں تحقیق کو ضروری سمجھتا ہے۔

دریں اثنا اسلام کی بے پناہ جاذبیت مجھے اپنی طرف کھینچنے لگی مجھے معلوم ہوا کہ عیسائی مبلغ اور مورخ ہر ممکن طریقہ سے آنحضرت ﷺ کی زندگی کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے میں مصروف ہیں۔ میں نے اس پہلو کا بنظر غائر مطالعہ کرنے کا تہیہ کیا۔ میں نے محسوس کیا کہ بنی نوع انسان کے اس محسن کو جھٹلانا انتہائی شرمناک اور پرلے درجے کی ناحق شناسی ہے عرب کے بدو جو بت پرستی، جرائم، عریانی، قتل وغارت، دختر کشی اور لوٹ مار جیسے تاریک گڑھوں میں زندگی گزار رہے تھے۔ اسلام کا پیغام پاتے ہی عقل وخرد سے روشناس ہوئے۔ جرائم اور قتل وغارت کے گہرے گڑھوں سے باہر نکل آئے۔ شخصی عظمت اور خودداری کے علمبردار بن گئے بتوں کو توڑ کر لا الہ الا اللہ کے قائل ہوگئے زہد وتقویٰ کی علمبرداری اختیار کرکے دنیا کی سب سے بڑی برادری بن گئے یہ کس قدر تنگ نظری ہے کہ ایک رسول خدا ﷺ کو دوسرے رسول خدا کے پیرو عیسائی حقارت کی نظر سے دیکھیں اس لئے موجودہ زمانے کی عیسائیت محض ایک کھوکھلا ڈھانچہ نظر آنے لگی۔

ان حالات میں جبکہ میں اسلام کی سادگیوں، رواداریوں، اخلاص انسانی اور بھائی چارہ جیسی خوبیوں کا قائل ہوگیا تھا۔ میرے لئے مافی الضمیر کا اعلانیہ اظہار ناگریز ہوگیا چنانچہ میں نے اسلام قبول کرلیا۔ میرا اسلامی نام جلال الدین رکھا گیا۔

جب میرے والدین اور گھر والوں نے محسوس کرلیا کہ دن بدن اسلام کے لیے میرے پاؤں جمتے جا رہے ہیں تو نہایت غصے میں ایک مرتبہ مجھ سے کہنے لگے۔ کاش تم ایک لڑکی ہوتے اور تمہارے ساتھ زنا کیا جاتا یہ ہمیں قبول تھا مگر تم نے ہمارے سر کو اسلام قبول کر کے شرم سے جھکا دیا دنیا کے سامنے ہماری ناک کٹا دی صرف اس لیے کہ تم نے اپنے آباؤ اجداد کے مسیحی دین کو چھوڑ کر اسلام قبول کرلیا ہے۔

مسیحیت سے اسلام تک

حلق پہ تیغ رہے سینے پہ جلاد رہے
لب پہ تیرا نام رہے دل میں تیری یاد رہے

''حلمی محمد فہمی عبدہ'' عیسائیت کی ظلمات اور تاریکیوں سے اسلام کی روشنی کی طرف خوبصورت اور ولولہ انگیز داستان سفر کا آغاز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ سن ۱۹۶۰ء میں صوبہ سوہاج کے ایک دیہات ''کوم'' میں میری پیدائش ہوئی میرا خاندان روایتی طور پر عیسائی رسم ورواج کا پابند تھا' سن ۱۹۶۶ء تک میں اپنے گاؤں کے ایک عیسائی مدرسہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کرتا رہا' مدرسہ اور گھر کے درمیان ایک گرجا گھر بھی تھا جس میں تمام بچے روزانہ پابندی سے جایا کرتے مگر میں ان کے ساتھ اور اکیلے کبھی گرجا گھر میں داخل نہیں ہوا چونکہ میں نے اپنے والدین اور بہنوں کو بھی کبھی کسی گرجا گھر جاتے نہیں دیکھا بس روایتی طور پر ہمارا خاندان مسیحی چلا آرہا تھا۔

ابتدائی تعلیم کے دوران میں نے دیکھا کہ ہر اتوار کو چھٹی ہوتی ہے اور مدرسہ کے تمام بچے گرجا گھر جاتے ہیں اور ان لڑکوں سے ہی میں نے ''بسملہ ثلاثہ'' یعنی بسم الاب والابن والروح القدس سنا اور سیکھ بھی لیا جس کو ہر عیسائی کسی بھی کام شروع کرنے سے پہلے پڑھتا ہے' اسکول میں ہمیں بتایا جاتا کہ ایک اللہ میں یہ تینوں داخل ہیں اور تینوں مل کر ہی ہمارا معبود ہے' اس نظریہ اور فلسفہ کو سمجھانے کے لیے پادری آگ اور سورج کی مثالیں دیتے کہ آگ کی طرف دیکھو اس میں (۱) آگ کے شعلے (۲) روشنی (۳) گرمی تین چیزیں موجود ہیں اور یہ تینوں مل کر آگ ہے اسی طرح سورج کی طرف دیکھو اس میں (۱) سورج (۲) شعاع (۳)۔ گرمی اور تمازت یہ تینوں

مل کر ایک سورج ہے اسی طرح اب ابن اور روح القدس تینوں مل کر ایک اللہ ہے اور وہی ہم لوگوں کا معبود ہے۔ اعاذنا اللہ عنہ

,,حلمی محمد فہمی عبدہ،، کہتے ہیں کہ محض اللہ کے فضل وکرم اور اس کی مدد سے ہی اس عمر میں ان پادریوں سے سوال اور ان پر جرح کرتا کہ آگ کے اندر دھواں اور راکھ دو مزید چیزیں ہیں یہ سوال سن کر پادری میری طرف حیرت اور استعجاب کی نظروں سے دیکھتے مگر مجھے اس سلسلے میں کبھی بھی تشفی بخش جواب نہیں دے سکے۔ میں نے پادریوں کو یہ بھی تعلیم دیتے دیکھا کہ کھاتے، پیتے، سوتے، جاگتے، تجارت، زراعت، شادی بیاہ ہر کام کے شروع میں صلیب کا نام لیتے ہیں اور اس کو ضرور پوجتے ہیں، میں نے عیسائیوں کو ان کے نزدیک دین کی اہمیت کو اس سے زیادہ محسوس نہیں کیا جس قدر ایک کسان کو زمین اور جانوروں کی ضرورت پڑتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ میں نے عیسائیوں کو شدید جاہلی تعصب میں مبتلا پایا۔

میں ایک متوسط عیسائی گھرانے میں پیدا ہوا، اکثر میں گھر کے افراد سے سوال کرتا کہ آخر اب، ابن اور روح القدس تینوں مل کر ایک کیسے ہیں؟ آج تک مجھے اس کا تشفی بخش جواب نہ مل سکا۔ اور میری حیرت کی انتہا اس وقت نہ رہی جب عیسائیوں کے بنیادی عقیدے کا علم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں اور وہ سولی پر چڑھائے گئے ہیں اور ان کا خون صلیب پر موجود ہے جو دراصل حضرت آدم علیہ السلام کی خطا کا کفارہ ہے۔

حلمی محمد فہمی عبدہ کہتے ہیں کہ ابتدائی مدرسے میں میرے ہم سبق چند مسلمان دوست تھے، ان کو میں نے درس گاہ اور اس درس گاہ سے باہر مختلف اسلامی آداب میں پایا جو عیسائیوں کے یہاں میں نے کبھی نہیں دیکھے۔ ایک روز ان ہی مسلم احباب کے ساتھ میں نے قرآن کریم کی سورہ اخلاص سنی اور پڑھی جس نے میرے قلب ودماغ

کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور قلب میں پھیلی گمراہیوں کو محسوس کیا۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ معبود صرف ایک ہے اور وہ بے نیاز ہے، نہ وہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ اس کی کوئی اولاد ہے تو مجھے تسلی اور تشفی ہوگئی۔ اس صاف وشفاف عقیدہ توحید کو پا کر اسلام کی مزید معلومات کے لیے میں مضطرب ہو اُٹھا۔

یہاں تک کہ میں نے ابتدائی درجات مکمل کر لیے اور درجہ اعدادیہ کی لیے سوہاج کے ایک قدیم ادارے میں درخواست دے ڈالی چنانچہ سنہ ۱۹۷۳ء میں میرا داخلہ اعدادیہ میں ہوگیا، گھر سے ۱۳ کلومیٹر دور واقع اس مدرسہ میں ہاسٹل کا انتظام تھا اور اس میں مسلمان طالب علم بھی قیام پذیر تھے، اس موقعہ کو غنیمت جانتے ہوئے میں ہاسٹل میں مقیم ہوگیا۔

یہاں آ کر قدرے مطمئن ہوگیا تھا، اب روزانہ مسلم دوستوں سے اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرتا اور میں نے عیسائیوں کے عقیدے کے بارے میں منظم مطالعہ شروع کر دیا اور سب سے پہلے اپنے عیسائی ساتھیوں سے موجودہ اناجیل کے بارے میں بحث شروع کر دی۔

مطالعے کے دوران اناجیل اربعہ (انجیل متی، انجیل مرقس، انجیل لوقا، انجیل یوحنا) میں سے سب سے پہلے زیادہ حقیقت کے قریب انجیل یوحنا کو پایا مگر تحریف سے وہ بھی پاک نہیں ہے، جیسا کہ انجیل یوحنا کے مزمور ۵٦ عدد ۴ میں ہے:

,,میرے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے، وہ تمام غلط اور باطل نظریات کے ذریعہ بدل دیا گیا ہے۔،،

انجیل یوحنا اصحاح ۲۰ عدد ۳۰ میں ہے:

,,اور بہت سی نشانیاں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے تلامذہ کے سامنے ظاہر کیں وہ اس کتاب (موجودہ انجیل) میں نہیں لکھی گئی ہیں۔،،

اس پس منظر میں بار بار میرے ذہن ودماغ میں سوال ابھرتا کہ آخر کاران حقائق کو موجودہ اناجیل کے صفحات میں کیوں نہیں لکھا گیا اس لیے موجودہ اناجیل یقیناً محرف ہیں اور اس کی نشان دہی خود انجیل اعمال الرسل اصحاح اعداد ا میں کی گئی ہے:

,,اور کہا گیا اے لوگو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ آسمان کی طرف دیکھ رہے ہو، حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو آسمان کی طرف اٹھا لیے گئے ہیں اسی طرح آسمان سے ایک روز تشریف لائیں گے،،۔

یہ اسلامی نظریہ اور عقیدہ کی واضح تصدیق ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا ہے ان کو سولی نہیں دی گئی ہے جیسا کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے۔

,,حلمی محمد فہمی عبدہ،، کہتے ہیں کہ سنہ ۱۹۷۳ء سے سنہ ۱۹۷۶ء تک میں درجہ اعدادیہ کا طالب علم رہا اور اس دوران میرا قیام صوبہ سوہاج ہی میں رہا، سوہاج کے شہروں میں واقع گرجا گھروں میں کبھی جانے کا اتفاق نہیں ہوا بلکہ میں نے قصداً ادھر کا رخ نہیں کیا، البتہ اس دوران بار بار میرے ذہن میں نماز اور روزے کے بارے میں طرح طرح کے سوالات ابھرتے اور یہ اس وجہ سے تھا کہ نماز اور روزہ کی پابندی کرتے ہوئے میں نے بارہا اپنے مسلم دوستوں کو دیکھا تھا۔

عیسائیوں کے عقیدے میں دن رات میں سات نمازیں ہیں اگرچہ اکثر عیسائی صرف اتوار کے دن اور عید کے دن کی نماز پڑھتے ہیں اور اکثر تو نماز سے واقف ہی نہیں۔ نمازوں کے اوقات اس طرح ہیں (۱) صبح کی نماز (۲) تیسرے گھنٹے کی نماز (اس میں یہ وضاحت نہیں ملتی کہ اس سے کیا مراد ہے دن یا رات؟) (۳) دن میں چھٹے گھنٹے کی نماز (۴) نویں گھنٹے کی نماز (۵) غروب کے وقت کی نماز،

(۶) گیارھویں گھنٹے کی نماز (۷) آدھی رات کی نماز، ان مذکورہ ساتوں نمازوں میں موجودہ اناجیل اور مزامیر کے الگ الگ مخصوص حصے ہیں جو نماز میں پڑھے جاتے ہیں اوردل چسپ بات یہ ہے کہ ہر نماز کی کیفیت دوسری نماز سے مختلف ہے۔عیسائی پادریوں سے میں بار بار سوال کرتا کہ آخر کس نے ان نمازوں کو شروع کیا ہے اور ان کی تفصیلات کس نے بتائی ہیں؟ ان کے اوقات کس نے متعین کیے؟ اور نمازوں کے مکلف صرف وہی کیوں ہیں جو اناجیل اربعہ کی اچھی طرح قرأت کر سکے اور جو ناواقف ہوں ان پر نماز فرض کیوں نہیں ہے۔

اور جب میں نے پوچھا کہ جو شخص نماز پڑھتا ہے اور جو نہیں پڑھتا ہے ان دونوں کے درمیان فرق کیا ہے؟ پڑھنے والوں کے لیے ثواب اور نہ پڑھنے والوں پر عذاب ہے؟ اور کتاب مقدس میں وہ کون سی آیات ہیں جن سے ان نمازوں کا ثبوت ملتا ہو، یہ سن کر پادری حیران ہو گئے اور مجھے آج تک مطمئن نہ کر سکے۔

اسی وقت میں نے پادریوں کو مخاطب کر کے کہا کہ اس کے برخلاف اسلامی نماز میں تمام تفصیلات اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے ہیں، سورہ فاتحہ اور قرآن کریم کی سورتوں میں آیات کی قرات، اللہ تعالیٰ کی تکبیر، تسبیح وتہلیل اور جناب نبی کریم ﷺ پر درود پر مشتمل نماز کی پوری صفت اللہ کے آخری نبی ﷺ نے بتائی ہے۔اس میں کسی تحریف کی گنجائش نہیں۔

نیز اسلامی عقیدے میں نماز کی پابندی کرنے والوں کے لیے آخرت کی کامیابی، ثواب، جنت کی بشارت اور نماز ترک کرنے والوں پر اللہ کے غضب اور جہنم کی وعید سنائی گئی ہے، اسی وجہ سے اسلامی ارکان خمسہ میں دوسرا رکن نماز ہے، اسلام میں نمازی اور غیر نمازی کے درمیان واضح فرق موجود ہے، جب کہ تمہارے لیے اس کا تصور تک نہیں، تمہارے لیے صلیب کی پوجا ہی اصل عبادت ہے تو دراصل تمہارا

دین وہ ہے جس پر تمہارا نفس راضی ہو۔

"حلمی محمد فہمی عبدہ" کہتے ہیں کہ سنہ ۱۹۷۷ء میرا آخری سال تھا، اور اسی سال طویل بحث ومباحثہ اور جستجو کے بعد اللہ نے میرا سینہ کھول دیا، میں اس لمحے کو یاد کرتا ہوں تو سر سجدہ شکر کے لیے بارگاہ رب العزت میں جھک جاتا ہے اور اللہ کے اس فرمان کو بار بار زبان دہراتی ہے:

"سو جس کو اللہ چاہتا ہے کہ ہدایت کرے تو کھول دیتا ہے اس کے سینے کو واسطے قبول کرنے اسلام کے اور جس کو چاہتا ہے کہ گمراہ کرے، کر دیتا ہے اس کے سینے کو تنگ بے نہایت تنگ۔ گویا کہ وہ زور سے چڑھتا ہے آسمان پر۔ اسی طرح ڈالے گا اللہ عذاب کو ایمان نہ لانے والوں پر۔ (سورہ انعام)

اور میں یہ نہیں بتا سکتا کہ جب میں نے اسلام کے پہلے کلمہ "اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمد رسول الله" کا زبان سے اقرار کیا تو مجھے کتنی خوشی ہوئی اور کس قدر اطمینان وسکون ملا اس کلمہ کے اقرار کے بعد کاش میں پہلے اس حقیقت سے آشنا ہو چکا ہوتا۔

مجھے اسلام میں اپنے آپ کو ڈھالنے میں دیر نہیں لگی اور میں پابندی سے فرائض کو ادا کرنے لگا، مگر ابھی اسلام قبول کیے ہوئے چند ہی ماہ گزرے تھے کہ مجھ پر مصائب کا سلسلہ شروع ہو گیا، ہوا یوں کہ ایک دن ایک عیسائی طالب علم نے مجھے سوہاج شہر کی جامع مسجد القطب میں نماز ادا کرتے ہوئے دیکھ لیا اور اس کو اپنی طرف سے مزید نمک مرچ لگا کر میرے والدین اور بہنوں کو بتا دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میرے والدین نے مسلم دوستوں سے ملاقات اور ان کے ساتھ رہنے پر پابندی لگا دی اور مجھے اپنی ایک خالہ کے یہاں سخت نگرانی میں منتقل کر دیا جو میرے لیے ایک قید خانے سے کم نہیں تھا۔

"حلمی محمد فہمی عبدہ" کہتے ہیں کہ رفتہ رفتہ یہ خبر سوہاج کے بڑے پادری تک پہنچ گئی

اور ایک روز زبردستی مجھے اس بڑے پادری کے پاس میرے والدین لے گئے۔ جب میں پادری کے پاس پہنچا تو مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھادیا اور سلام کیا' وہاں موجود بہت سارے عیسائی اور پادریوں کے لئے خلاف توقع یہ میرا طرز تھا' اس لیے کہ عیسائیوں میں طریقہ ہے کہ جب کوئی پادری کا سامنا کرتا ہے تو اس کے سامنے فوراً جھک جاتا ہے' اس کے ہاتھوں اور چہرے کو چومتا ہے اور کہتا ہے'' نهارک سعيد يا ابونا وسيدنا المطران ''اے بڑے باپ آپ کا دن مبارک گزرے' لیکن میں نے اس طرح کی کوئی غیر اسلامی حرکت نہیں کی اس لئے وہاں موجود تمام عیسائی حیران ہو گئے اور مجھے نفرت اور حقارت کی نظروں سے دیکھنے لگے۔

مجھے اپنے والدین' بہنوں اور دیگر متعصب عیسائیوں کی موجودگی میں بڑے پادری نے مخاطب کرتے ہوئے کہا اے نوجوان! سچ سچ بتا تمہیں مال دولت یا کسی اور چیز کی ضرورت ہے جن کو تمہارے والدین نے اب تک پورا نہ کیا ہو آخر تم کس چیز کے لالچ میں بددین ہو گئے؟ اور سنو! اگر آئندہ میں نے سن لیا کہ تم مسجد میں نماز پڑھنے جاتے ہو تو میں تمہیں ذبح کردوں گا اور ایسی جگہ دفن کروں گا کہ کالے کوے تک کو اس کی خبر نہ مل سکے گی اور یاد رکھو بقیہ تعلیمی ایام سن ۱۹۷۷ء سے سن ۱۹۸۰ء تک اب تم مسلمان لڑکوں کے ساتھ نہیں گزارو گے بلکہ تم عیسائی اسٹوڈینٹس یونین کے تحت رہو گے' یہ کہہ کر بڑی حقارت بھری نظروں سے میری طرف دیکھا اور میری طرف سے کسی جواب کا انتظار کیے بغیر مجھے پادری روم سے جانے کی اجازت دے دی میں نے پادری کے کسی سوال کا جواب نہیں دیا اور اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کردیا۔

''حلمی فہمی عبدہ'' کہتے ہیں کہ آخر پادریوں نے مجھے ہاسٹل میں رہنے سے کیوں روکا؟ صرف اس لئے کہ میں ان کی سخت ترین نگرانی میں رہوں اور آئندہ میں نماز کے لیے باہر نہ جاسکوں حتی کہ میرے اساتذہ (عیسائی) نے مجھ پر سخت اور کڑی نگرانی

شروع کردی اور مجھے پابند کردیا کہ میں ہاسٹل میں تمام عیسائی لڑکوں کے ساتھ نویں گھنٹے کی نماز میں شریک رہوں ورنہ سخت اذیتوں کے لئے تیار ہو جاؤں شروع میں عیسائی طالب علم اگرچہ میرے احوال سے ناواقف تھے لیکن اساتذہ پر میری حقیقت حال واضح تھی یہی وجہ ہے کہ بعض اساتذہ میرے پاس تنہائی میں آتے اور کہتے اے میرے بھائی حلمی تم ہم لوگوں کے ساتھ خوش ہو' کسی قسم کی تکلیف تو نہیں ہے؟ تمہیں روپے یا کسی اور چیز کی ضرورت تو نہیں ہے؟ اگر تمہیں کسی چیز کی ضرورت محسوس ہوئی اور تم نے ہمیں نہیں بتایا تو ہم لوگ تم سے ناراض ہو جائیں گے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ میں نے ان لوگون کے ساتھ اخلاق وکردار اور حسن معاملات کے ساتھ وقت گزارا اور کیوں نہیں جب کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں بہتر وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔

حلمی محمد فہمی عبدہ بڑے فخر اور مسرت سے کہتے ہیں کہ خدا کا فضل ہے کہ ابھی ہاسٹل میں مجھے ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ میں دوبارہ سوہاج شہر کی جامع مسجد میں بغیر کسی پروا اور خوف کے نماز ادا کرنے چلا گیا' لیکن اتنا افسوس ہے کہ پانچوں نمازوں کے لئے مسجد نہیں جاتا اور آخر کار وہ دن آ گیا جب میں نے اپنا تعلیمی سفر پورا کر لیا اور سن ۱۹۸۰ء 'سن ۱۹۸۱ء میں ڈپلومہ کی سند حاصل کر لی اور اس کے فوراً بعد میں نے اپنا ایڈمیشن فوج میں کروالیا' یہ کوئی دو سال کا کورس تھا' اس دوران میں الحمد للہ نماز کی پابندی کرتا رہا اگرچہ میرے تعاقب میں فوج میں بھی دشمن موجود تھے۔

حلمی محمد فہمی عبدہ دکھ اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب میرے والدین اور گھر والوں نے محسوس کر لیا کہ دن بدن اسلام کے لیے میرے پاؤں جمتے جا رہے ہیں تو نہایت غصے میں ایک مرتبہ مجھ سے کہنے لگے۔ کاش تم ایک لڑکی ہوتے اور تمہارے ساتھ زنا کیا جاتا یہ ہمیں قبول تھا مگر تم نے ہمارے سر کو شرم سے جھکا دیا

فضیحت اور عار میں مبتلا کر دیا اور دنیا کے سامنے ہماری ناک کٹا دی صرف اس لئے کہ تم نے اپنے آباواجداد کے مسیحی دین کو چھوڑ کر اسلام قبول کرلیا۔

کاش میرے والدین اس طرح کہنے کے بجائے وہ میرے سینے پر پتھر کی چٹان رکھ دیتے اور میں حضرت بلال حبشیؓ کی طرح احد احد پکارتا' اس وقت بے اختیار میرے منہ سے یہ اشعار نکل پڑے۔

اے اللہ تیری محبت میرے خون اور ہستی میں سمائی ہے دنیا کی بے پناہ گمراہیوں میں پڑا ہوں اور تو ہی میرا مددگار ہے۔ خدایا تو ہی میرا خالق ہے تو ہی میرا وکیل ہے اے اللہ تو ہی میرے تمام امور کے لیے کافی ہے۔

یکم جنوری سن ۱۹۸۴ء کو میں فوج سے واپس گھر لوٹ آیا تا کہ بقیہ زندگی اسلام کے مطابق گزاروں اور اس سفر کی تکمیل کروں جس کا میں نے آغاز کیا تھا اور فطرت کی آواز پر لبیک کہوں جو مجھے ہوش سنبھالنے کے بعد سننے کو ملی تھی' چونکہ سوہاج میں رہ کر مجھے آزادی حاصل نہیں تھی اس لیے میں نے عراق کا سفر کیا اور وہاں معمار کی حیثیت سے ایک کمپنی میں کام کرنے لگا۔ عراق میں مجھے اچھے مسلم دوست مل گئے اور مطمئن نہج پر میری زندگی گزر رہی تھی کہ اچانک میری ایک بہن کا تار آ گیا کہ میں فوراً وطن سوہاج واپس لوٹ آؤں اور ایئر فورس کا تقرری نامہ حاصل کرلوں چنانچہ میں فوراً گھر آ گیا اور وطن واپس آنے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ صرف مجھے گھر بلانے کا بہانہ تھا۔

حلمی محمد فہمی عبدہ کہتے ہیں کہ میرے گھر والوں کو اب تک یقین نہیں تھا کہ میں پورے طور پر اسلام میں داخل ہو گیا ہوں' اس لیے ان لوگوں نے فیصلہ کیا کہ فوراً چچازاد مسیحی بہن سے میری شادی کر دی جائے تا کہ وہ لوگ مطمئن ہو جائیں اور میری مسیحت پر مہر لگ جائے' لیکن افسوس صد افسوس ان کی تدبیر پر کیا ممکن ہے کہ جس قلب نے اپنے اندر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو سمو لیا ہو اور جس نے ایمان کی مٹھاس چکھ

لی ہو گیا وہ دوبارہ ضلالت کی طرف لوٹ جائے گا اگرچہ اس کو لوہے کی زنجیروں سے جکڑ دیا جائے' ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا ہرگز نہیں۔ اے اللہ تمہارے ہی لیے تعریف اور شکر ہے' میں نے اللہ کو رب مان لیا اور اسلام کو اپنے لیے دین اور محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا پیغمبر۔

مگر وہ اپنے ارادے میں کامیاب ہو گئے اور نہ معلوم یہ سب کیسے ہو گیا سن ۱۹۸۶ء میں میری شادی چچازاد عیسائی بہن سے کر دی گئی' یہ شادی صرف چار سالوں تک کے لیے ہی برقرار رہ سکی' چار سال کی ازدواجی زندگی میں میرے دو لڑکے ہوئے اور فوراً مجھے کہا گیا کہ دونوں لڑکوں کو لے کر گرجا گھر جاؤ اور وہاں پادریوں کے درمیان عمل تغطیس ''عیسائی بنانے والا عمل'' کرواؤں اور اگر ایسا نہ کیا گیا تو نو مولود مسلمان ہو جاتا ہے۔

مجھے اس وقت جناب نبی کریم ﷺ کے قول کی صداقت کا احساس ہوا کہ'' ہر مولود فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے عیسائی' یہودی اور مجوسی بنا دیتے ہیں تو بھلا میں اس عظیم گناہ کا ارتکاب کیوں کرتا' مجھے معلوم تھا کہ تغطیس کا عمل سراسر کفر و شرک ہے' میں اللہ کا شکر بجالاتا ہوں کہ اب تک میں تغطیس سے محفوظ رہا ہوں چوں کہ میری والدہ نے مجھے بتایا کہ ولادت کے بعد بھی میں اس لعنت سے محفوظ رہا'' وذالک من فضل اللّٰہ''

حلمی محمد فہمی عبدہ کہتے ہیں کہ ایک عیسائی لڑکی سے شادی پر میں راضی اس لیے ہو گیا کہ اس وقت میرا شعور پختہ نہیں ہوا تھا' والدین اور کنبے کا خوف دامن گیر تھا لیکن اب تو میں ایک آزاد اور عاقل بالغ انسان ہوں' مجھے پورا حق ہے کہ حق کا بانگ دہل اعلان کر دوں اور دل کی گہرائیوں میں موجزن جذبات کا اظہار کر دوں اور لوگوں کے سامنے اقرار و اعلان کر دوں کہ میں اس دین و مذہب سے بری ہوں جو اسلام کے

خلاف ہے۔ میں نے پادری سے چیلنج کیا کہ تم تو کہتے ہو کہ جس نے عمل تغطیس نہیں کیا وہ جنت میں نہیں جائے گا تو تم حضرت ابراہیم' حضرت اسحاق' حضرت یعقوب اور حضرت موسیٰ علیہم السلام اور تمام انبیاء کرام کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ کیا یہ لوگ جنت میں ہیں یا جہنم میں؟ اور یقیناً تمہارا عقیدہ ہے کہ وہ جنت میں ہیں تو آخر بغیر عمل تغطیس کے جنت میں کیسے داخل ہو گئے؟ اس کا تمہارے پاس کیا جواب ہے؟

۲۰۔۱۹ اسن ۱۹۹۰ء کو شہر ناصر سوہاج کے مکتبۃ التوثیق میں میں نے اسلام کے ساتھ اپنے دیرینہ جذبات کا اظہار ایک مجمع عام میں کر دیا' اس وقت میں نے نہ کوئی خوف محسوس کیا بلکہ میں نے اپنی فطرت وضمیر کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اللہ کی رضا اور اپنی آخرت کو سنوارنے اور اہل وعیال اور خاندان کی ہدایت کے لئے دعا کرتے ہوئے زمرہ اسلام میں داخل ہوا اور اس کے لیے میں نے ہر اپنی محبوب چیز کو چھوڑ دیا۔ چوں کہ اللہ تعالیٰ کو بندے سے یہ مطلوب ہے اور اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ہوگی تو یقیناً اس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ ملیں گے اور اگر کسی نے دنیوی غرض یا کسی عورت سے نکاح کے ارادے سے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اسی کے لئے ہوگی۔

حلمی محمد فہمی عبدہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والدین' بیوی اور بچوں کو چھوڑ دیا اگرچہ میری خواہش اور تمنا تھی کہ بیوی اور بچے میرے ساتھ رہیں تاکہ اللہ انہیں بھی ہدایت نصیب فرمائے مگر میری بیوی نے خود مجھ سے جدائی اختیار کر لی اس لیے کہ عیسائیوں نے میرے بارے میں اخباروں کے ذریعے یہ خبر پھیلا دی تھی کہ میں نے اسلام دس ہزار پونڈ اور ایک مکان کے بدلے قبول کیا ہے۔

میں ان لوگوں سے سوال کرتا ہوں کہ میرے اسلام قبول کر لینے سے اسلام کو کیا فائدہ ملا؟ اور کیا اس کی وجہ سے اسلام میں فرد کی زیادتی ہوگئی' کیا میں دنیا میں پہلا فرد

ہوں جس نے اسلام قبول کیا ہو۔ یہی نہیں میرے اسلام قبول کرنے کی خبر پورے شہر میں پھیلنے کے دس دن بعد ہی میرے پاس میرے والدین اور بہن' بیوی اور بڑا لڑکا آیا اور سب نے بیک زبان یہ کہا کہ تم اپنی مرضی سے یہ لکھ کر ہمیں دو کہ میں پاگل ہو گیا ہوں اور اس کی سند بنا لو' العیاذ باللہ' آخر یہ کیوں نہیں سوچتے کہ روشنی کے بعد کسی کو ضلالت پسند ہے؟ اللہ سے دعا ہے کہ حالت ایمان ہی میں دنیا سے لے جائے اور آخرت میں صالحین اور مؤمنین کے زمرے میں جگہ نصیب فرمائے۔ آمین

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ بچوں سے جدائی کے چھے ماہ بعد ۱۰-۳-۱۹۹۱ء کو میں نے عدالت سے درخواست کی کہ کم از کم میرے بچے میرے حوالے کر دیے جائیں اس سے پہلے کہ عیسائیت کی مسموم فضاؤں میں ان کی نشو ونما اور اُنکے عقیدے کے اندر فساد آئے میرے پاس آجائیں' چنانچہ عدالت نے میری درخواست منظور کر لی اور بچوں کو میرے ساتھ رہنے کا فیصلہ صادر کر دیا۔

اس وقت میرے بڑے لڑکے کی عمر تین سال اور چھوٹے لڑکے کی عمر چودہ ماہ تھی' مجھے یقین تھا کہ بچوں کے ساتھ بیوی بھی ضرور میرے ساتھ آجائے گی اور ایک نہ ایک دن اسلام کیلئے نرم بھی ہو جائے گی لیکن اس وقت میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب ان دونوں بچوں کے لیے بھی اس کی ممتا نہ جاگی اور کسی حال میں بھی میرے ساتھ رہنے پر آمادہ نہ ہوئی' یہ درحقیقت اسلام کے خلاف عیسائیت کی دشمنی کی ایک بدترین مثال ہے کہ اس نے ممتا کے مقابلے میں اسلام دشمنی کو ترجیح دی جب کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ماں کے قدموں تلے جنت ہے۔

حلمی محمد فہمی عبدہ کہتے ہیں کہ ابھی میں بچوں کی پرورش اور تربیت کے بارے میں فکر مند ہی تھا کہ اللہ نے میری زندگی میں ایک مسلمان دین دار عورت کو شریک حیات بنا کر داخل کر دیا اور زندگی کے مصائب کا سامنا کرنے کے لیے ایک

بہترین ساتھی دے دیا۔ جو بچوں کو الفت و محبت اور ممتا کے علاوہ اسلامی اخلاق و کردار سے مزین کر رہی ہے، بے شک اللہ نے میری سابقہ بیوی سے بہتر بیوی، رضاعی بہنوں سے بہتر بہنیں جس ماں نے مجھے دودھ پلایا ہے ان سے مشفق ماں اور والدین کے گھر سے زیادہ پرسکون اور اچھا گھر مجھے عطاء فرمایا اس کے لئے پروردگار کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے

مجھے اکثر سمندری سفروں میں رہنے کا اتفاق ہوا میری زندگی کا بڑا حصہ پانی اور آسمان کے درمیان بسر ہوا ہے اسی طرح کے ایک سفر میں ایک بار مجھے قرآن کا ایک فرنسیسی ترجمہ ملا میں نے اسے کھولا تو سورۃ نور کی ایک آیت سامنے تھی جس میں ایک سمندری نظارے کی کیفیت بیان کی گئی تھی ''او کظلمٰت ...... فما له من نور'' (سورۃ نور) جیسے اندھیرا گہرے سمندر میں، اس کو ڈھانپ لیا ہو موج نے۔ لہر کے اوپر لہر اس کے اوپر بادل اندھیرے پر اندھیرا اس حالت میں ایک شخص اپنا ہاتھ نکالے تو توقع نہیں کہ وہ اس کو دیکھ سکے اور جس کو خدا نور نہ دے اس کے لیے کوئی روشنی نہیں۔

قرآن کریم کی آیت نے مسلمان بنادیا

چند لمحوں میں نگاہوں کو سحر دے دے گا
سورج ابھرے گا تو خود اپنی خبر دے دیگا

ایک فرانسیسی ڈاکٹر سمندری جہاز میں سفر کررہا تھا۔ اچانک مصر کے پاس اپنا سفر منقطع کر کے وہ عالم دین کے پاس پہنچا اور مسلمان ہو گیا۔

یہ ڈاکٹر غرینیہ تھے جو پیرس کے ایک کامیاب پریکٹیشنر ہونے کے علاوہ فرانسیسی پارلیمنٹ کے ممبر بھی تھے۔ اسلام قبول کرتے کے بعد وہ پارلیمنٹ سے الگ ہو گئے اور پیرس کی سکونت ترک کر کے فرانس کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں سکونت اختیار کرلی اور خدمت خلق میں مصروف ہو گئے۔

محمود بے مصری نے ان سے ان کے مکان پر مل کر ان سے اسلام قبول کرنے کا سبب دریافت کیا:

"قرآن کی آیت" ڈاکٹر نے جواب دیا "کیا آپ نے کسی مسلمان عالم سے قرآن پڑھا ہے" "نہیں میری اب تک کسی مسلمان عالم سے ملاقات نہیں ہوئی۔

"پھر یہ واقعہ کیوں کر پیش آیا"

ڈاکٹر غرینیہ نے جواب دیا۔ مجھے سمندری سفروں میں رہنے کا اتفاق ہوا ہے' میری زندگی کا بڑا حصہ پانی اور آسمان کے درمیان بسر ہوا ہے۔ اسی طرح کے ایک سفر میں ایک بار مجھے قرآن کا فرانسیسی ترجمہ ملا۔ یہ موسیو قاری کا ترجمہ تھا۔ میں نے اسے کھولا تو سورہ نور کی ایک آیت سامنے تھی جس میں ایک سمندری نظارے کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰهُ مَوْجٌ

مِنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌ ۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰهَا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ○ (سورہ نور) جیسے اندھیرا گہرے سمندر میں اس کو ڈھانپ لیا ہو موج نے۔ لہر کے اوپر لہر۔ اس کے اوپر بادل اندھیرے پر اندھیرا۔ اس حالت میں ایک شخص اپنا ہاتھ نکالے تو توقع نہیں کہ وہ اس کو دیکھ سکے اور جس کو خدا نور نہ دے اس کے لئے کوئی روشنی نہیں۔

میں نے اس آیت کو نہایت دلچسپی سے پڑھا جس میں سمندری نظارے کی کیفیت بیان کی گئی تھی جب میں نے یہ آیت پڑھی تو میرا دل تمثیل کی عمدگی اور انداز بیان کی واقفیت سے بے حد متاثر ہوا۔ میں نے خیال کیا کہ محمد ﷺ ضرور ایک ایسے شخص ہوں گے جن کے رات اور دن میری طرح سمندری سفروں میں گذرے ہوں پھر بھی مجھے حیرت تھی کہ انہوں نے گمراہوں کی آوارگی اور ان کی جدوجہد کی بے حاصلی کو کیسے مختصر الفاظ میں بیان کیا ہے گویا کہ وہ خود رات کی سیاہی بادلوں کی تاریکی اور موجوں کے طوفان میں ایک جہاز پر کھڑے ہیں اور ایک ڈوبتے ہوئے شخص کی بدحواسی کو دیکھ رہے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ سمندری خطرات کا کوئی بڑے سے بڑا ماہر بھی اتنے کم الفاظ میں اتنے کامیاب طور پر خطرات بحر کی تصویر کشی نہیں کر سکتا۔

لیکن اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد مجھے معلوم ہوا کہ محمد عربی ﷺ محض امی تھے اور انہوں نے زندگی بھر کبھی سمندر کا سفر نہیں کیا۔ اس انکشاف کے بعد میرا دل روشن ہو گیا۔ میں نے سمجھا کہ یہ محمد ﷺ کی آواز نہیں بلکہ اس خدا کی آواز ہے جو رات کی تاریکی میں ہر ڈوبنے والے کی بے حاصلی کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔ اس کے بعد میرے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ میں مسلمان ہو جاؤں۔

ختم نبوت ج۵ ش۱۳ ستمبر ۱۹۸۶

امریکہ میں میڈیکل کے متعلق نئی آنے والی کتاب ٹو دے میڈیکل سائنس مکمل طور پر سنت نبوی کا خلاصہ ہے اگر لوگ محمد ﷺ کے طریقوں پر عمل کریں تو مسلم ریاست کو کسی ڈاکٹر اور میڈکل اسٹور کی ضرورت باقی نہ رہے آج ڈاکٹرز نے جدید تحقیق میں یہ نتیجہ نکالا ہے کہ پیٹ کے ہاضمے اور معدے کی بیماریوں سے نجات کا واحد راستہ یہ ہے کہ کھانے کے بعد انگلیاں چاٹ لی جائیں تاکہ جسم میں ایک شعاع داخل ہو جو صرف دائیں ہاتھ کی انگلیوں میں مخصوص ہے یہی عمل چودہ سو سال قبل محمد ﷺ نے بتلایا تھا۔

میں اسلام کی آفاقیت کو دیکھ کر مسلمان ہوا

تنگ آجائیگی خود اپنے چلن سے دنیا
تجھ سے سیکھے گا زمانہ ترے انداز کبھی

میں نے آج کے مسلمان کو دیکھ کر اسلام قبول نہیں کیا یہ الفاظ جب ایک نوجوان راولاکوٹ کی مرکزی جامع مسجد میں اور دوسرے دن بار روم میں ادا کر رہا تھا تو مارے شرم کے سامعین کے سر جھک گئے میں تو اسلام کی آفاقیت سے متاثر ہوا اور میرا دل اس پر معاف کرنے والی رب واحد کی ہستی گواہ ہے وہ محض سچ اور داڑھی والا مسلمان نہیں بنا نہ اسلامی انقلاب کے نعرے لگانے والا وہ تحقیق کے میدان میں نکل پڑا۔ لیکن اسے افسوس رہا کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں قرآن جیسی آفاقی کتاب پر ریسرچ کا کوئی ادارہ نہیں وہ اس عظیم کام میں حصہ ڈالنے امریکہ کی سارانتو یونیورسٹی جا پہنچا۔ جہاں دین و دنیا پر تحقیق ہوتی ہے اس کا کہنا تھا کہ امریکن یونیورسٹی میں قرآن پر تحقیق ہو رہی ہے جس سے غیر مسلم استفادہ کر رہے ہیں اسی یونیورسٹی کے مین گیٹ پر یہ عبارت درج ہے قرآن تمام علوم کا نچوڑ ہے عبداللہ نے ریاضی کی زبان میں ثابت کیا کہ قرآن کو کبھی بدلا نہیں جا سکتا۔ اس نے نتیجہ نکالا کہ قرآن ہر حوالے سے ایک کتاب اور نظام ہے۔ عبداللہ نے بتلایا کہ امریکہ میں میڈیکل کے متعلق نئی آنے والی کتاب ٹو دے میڈیکل سائنس مکمل طور پر سنت نبوی کا خلاصہ ہے۔ اپنے مذہب کے شرکاء کو عبداللہ نے بتلایا کہ میڈکل سائنس کی اس نئی کتاب میں لکھا گیا ہے کہ اگر لوگ محمد ﷺ کے طریقوں پر عمل کریں تو مسلم ریاست کو کسی ڈاکٹر اور میڈیکل اسٹور کی ضرورت باقی نہ رہے۔ اس کا کہنا تھا آج ڈاکٹرز نے جدید تحقیق میں نتیجہ نکالا کہ پیٹ کے ہاضمے اور

معدے کی بیماریوں سے نجات کا واحد راستہ یہ ہے کہ کھانے کے بعد انگلیاں چاٹ لی جائیں تا کہ جسم میں ایک خاص شعاع داخل ہو جو صرف دائیں ہاتھ کی انگلیوں میں مخصوص ہے یہی عمل چودہ سو سال پہلے محمد ﷺ نے بتلایا تھا۔لیکن افسوس کہ مسلمان آج اسے معیوب سمجھتے ہیں عبداللہ نے اس نئی کتاب کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ وضو ایک ایسا عمل ہے جس سے مسلمان متعدد امراض سے محفوظ رہتا ہے اور نماز بھی ایک ایسی جسمانی ورزش مہیا کرتی ہے جو صحت کے لئے ضروری ہے المختصر یہ کہ میڈیکل کی اس نئی کتاب کو جہاں اس نے مسلمانوں کے لئے سنت محمدیؐ کی جدید شکل بتلایا وہاں یہ بھی راز کھولا کہ مسلمان قرآن کو محض ایک کتاب سمجھ رہے ہیں جبکہ غیر مسلم اس پر ریسرچ کر کے بلندیوں کو چھو رہے ہیں۔اس کو اعتراض تھا کہ مسلمان آج پستی کا شکار ہے لیکن اس کے اپنے اعمال ہی ایسے ہیں۔عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق وہ مسلمانوں کی عظمت رفتہ بحال کرنا چاہتا ہے۔عبداللہ گلی کوچے میں جا رہا ہے وہ علماء،وکلا،دانشوروں ہر طبقے سے مطمئن ہے یہ کوئی عام نوجوان نہیں پاکستان میں آباد آج کی عیسائی قوم کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا جارج بشپ آف پاکستان کا اکلوتا فرزند ہے جس کی داستان جہاں ایک صبح نو کی نوید تھی وہاں نام کے ,,مسلمانوں کے لئے شرم کا مقام بھی ہر والدین کی طرح بشپ نے اپنے اس اکلوتے بیٹے کی تعلیم میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تقریبا ۳۲ سال کا یہ نوجوان امریکہ کی یونیورسٹی سے فارغ التحصیل تھا اس کا باپ اسے اپنے بعد بشپ کے منصب پر فائز کرنا چاہتا تھا وہ اتنی چھوٹی عمر میں پادری کے رتبے تک آ پہنچا تھا جہاں وہ عیسائیت کے مطابق لوگوں کے گناہ معاف کروانے کا اختیار استعمال کر رہا تھا اچانک انقلاب آیا اور اس کے ذہن میں سوال پیدا ہوا کہ میں لوگوں کے گناہ معاف کراتا ہوں میرے گناہ کونسی ہستی معاف کرے گی اس کے لئے جستجو شروع کر دی باپ سے پوچھا انجیل کا مطالعہ کیا جس سے

نتیجہ اخذ کیا کہ اسلام ہی وہ سچا مذہب ہے جو انسانیت کی درست رہنمائی کرتا ہے۔ چنانچہ مارے جستجو کے گھر سے نکل پڑا محلوں اور گلیوں کا رخ کیا تو اس نے دیکھا کہ درجنوں مساجد ہیں لیکن الگ الگ مسلک کی وہ مسلمانوں کو دیکھتا تو منتشر ہو جاتا لیکن جب اسلام کا مطالعہ کرتا تو اسے سچا پاتا۔ بالآخر وہ مطمئن ہو گیا اور ایک دن رب کائنات کی وحدانیت کو صدق دل سے تسلیم کرنے اور محمد عربی ﷺ کی نبوت پر ایمان لانے کے بعد مسلمانوں کی صف میں شامل ہو گیا۔ اس نوجوان نے جب اسلام قبول کیا تو وہ عبداللہ کے روپ میں دنیا کے سامنے آیا جب والدین کو اطلاع ہوئی تو اسے کمرے میں بند کر دیا گیا جہاں ایک سلائس اور چائے کا کپ دن بھر کی خوارک ٹھہرتی اس کا کہنا تھا مجھے وضو کا طریقہ صحیح یاد نہ تھا نماز یاد نہ تھی لیکن جب میں نے منہ ہاتھ دھوئے اور نماز شروع کی ہر مقام پر چند حروف ہی پڑھتا رہا لیکن جب سجدے میں گیا تو مجھ پر یہ راز کھلا کہ سجدہ کیسے آدمی کو نجات دیتا ہے۔ عبادت کا لطف کیا ہے سجدہ کا مقام کیا ہے۔ سبحان ربی الاعلیٰ کا مقام کیا ہے سکون کس چیز کا نام ہے وہ جسے ماہانہ تین لاکھ روپیہ سے زائد اعزازیہ ملتا تھا اب ایک جوڑے کپڑے سمیت گھر سے نکال دیا گیا اسے عیسائیوں نے سگریٹوں سے جلایا۔ وہ اتنے شریں الفاظ میں کہہ رہا تھا تب مجھے پتہ چلا کہ کلمے کی طاقت کیا ہے؟ اس کا کتنا مزہ ہے مجھ پر بھید کھل چکا تھا وہ غیر مسلموں میں جا کر اسلام کی سچائی کا درس دے رہا ہے۔

اس کا حاصل یہی ہے کہ آج گرجا گھر مسجدوں میں بدل رہے ہیں۔ وہ اسلام کے غلبہ کو بہت قریب سمجھ رہا ہے وہ کہہ رہا تھا کہ یہ غلط ہے کہ اسلام کا معاشی نظام کوئی نہیں بلکہ بریفنگ دے رہا تھا کہ برطانیہ میں شہزادہ چارلس نے ایک انٹرویو میں کہا کہ اگر صرف زکوٰۃ کا نظام رائج ہو جائے معاشی مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ لیکن اسے اعتراف تھا کہ مسلمان دانشوروں نے اسلام کے معاشی نظام کا نہ ماڈل دیا اور نہ تنقید کا

جواب دیا عبداللہ ملٹی نیشنل کمپنیوں کے بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ سے آگاہ ہے اس نے امت مسلمہ سے اپیل کی کہ وہ پیپسی کی بوتل استعمال نہ کرے۔ دلیل یہ ہے کہ پیپسی کا ذائقہ اور مواد قطعی حرام نہیں دیگر مشروبات کی طرح ہے لیکن پیپسی ایک سازش ہے وجہ ایک اسرائیل نواز تنظیم کا شاخسانہ ہے اس تنظیم کا نام دی ورلڈ آرگنائزیشن آف کرش مسلم ہے۔ پیپسی کی بوتل کا ٹریڈ مارک اسی تنظیم کا جھنڈا ہے۔ اس کی ہر بوتل سے دو روپے اس تنظیم کے فنڈ میں جاتے ہیں جو مسلمانوں کے خلاف استعمال ہوتے ہیں پیپسی اسی کا مخفف ہے۔ Pay Each Pani Save israel

میں ایک متعصب کیتھولک تھا مجھ پر ایک ہی فکر سوار تھی کہ میں ایک عیسائی مبلغ بن جاؤں جب میں مملکت سعودیہ میں داخل ہوا تو میرا دل اسلام کے خلاف بغض و کینہ سے بھرا ہوا تھا۔

سعودیہ میں دوران قیام ایک ٹیلی ویژن پروگرام دیکھا اس پروگرام میں نصرانیت خاص طور پر عقیدہ تثلیث اور مغفرۃ الذنب کے قیضہ کے متعلق جو حقائق سامنے آئے اس سے میں حیران رہ گیا۔

اور یہیں سے میں نے اسلام اور نصرانیت کا موازنہ کیا۔ جسکے نتیجے میں مجھے دین اسلام کی صحت پر اعتماد اور اپنی منزل مقصود کو پالینے کا یقین ہو گیا۔

متعصب نصرانی کا قبول اسلام

دل وہ ہی دل ہے جو سوز عشق سے ہو بے قرار
سروہی سر ہے جو تیرے آستاں پر خم ہوا
سوز دل نے آج اشکوں سے بجھائی تشنگی
مدتوں میں امتزاج شعلہ وشبنم ہوا

میرے تصور وخیال میں یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ میں کسی دن نصرانیت سے پھر جاؤں گا میں ایک متعصب کیتھولک تھا بچپنے سے میری تربیت ایک کیتھولک عیسائی ادارے میں ہوئی تھی۔ جن اداروں کا بنیادی مقصد ہی بچوں کو معاشرے سے اچک کر نصرانی عقیدہ پر تربیت دینی ہوتی ہے۔ اور وہ اس سلسلے میں گرجا گھروں کے معاون وحلیف ہوتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جب میں ادب میں بحث وتحقیق کے لئے مانیلا کی یونیورسٹی گیا ہوں تو نصرانیت پر اپنے مطالعہ میں وسعت وگہرائی پیدا کرنے کا انتہائی حریص تھا اس میں وجود فرقہ بندی وانتشار کا خیال کئے بغیر مجھ پر بس ایک ہی فکر سوار تھی کہ میں ایک عیسائی مبلغ بن جاؤں انہی حالات واسباب نے کنیسا اور اہل کنیسا سے میرے تعلقات قوی اور انتہائی حد تک مضبوط بنا دیئے۔

چنانچہ جب میں مملکت سعودیہ میں داخل ہوا تو اپنے مذہب کے اندھے تعصب میں غرق اور میرا دل اسلام کے خلاف بغض وکینہ سے بھرا ہوا تھا۔ کہ اللہ نے مجھے ہدایت کے نور سے سرفراز فرمایا۔

میں اپنی گذشتہ اڑتالیس سالہ زندگی میں یہ سمجھتا آیا تھا کہ نصرانیت ہی دین حق

ہے اور اسی کا عقیدہ صداقت پر مبنی ہے۔ سعودیہ میں دوران قیام میں نے ایک ٹیلی پروگرام دیکھا "اسلام کا تعارف" کے عنوان سے یہ پروگرام ڈاکٹر جمال بدوی سعودی ٹیلی ویژن پر انگریزی میں نشر کر رہے تھے مجھے کیا خبر تھی کہ یہی پروگرام میری زندگی میں ایک عظیم انقلاب برپا کرنے کا سبب بنے گا۔ اس دلچسپ پروگرام میں نصرانیت اور اس کے عقائد خاص طور پر عقیدہ تثلیث اور مغفرۃ الذنب کے قضیہ کے متعلق جو حقائق سامنے آئے اس سے میں حیران رہ گیا۔

اس واقعہ نے مجھے حقیقت کی تلاش پر مجبور کر دیا' اور میں اس حقیقت کی تلاش میں لگ گیا۔ جسے میری سابقہ اندھی عصبیت نے پردۂ غیب میں ڈال رکھا تھا۔

اس سے قبل کبھی میں نے اس طرح سوچا ہی نہ تھا اس لئے اسلام کے متعلق جو میں نے سنا اس نے میری عقل وفکر پر پڑے ہوئے ضلالت وجہالت کے دبیز پردوں کو چاک کر دیا اور میں عقل ومنطق اور حقیقت وصداقت کے ذریعے سوچنے لگا۔

اب میرے عقیدہ کا مضبوط قلعہ غیر معمولی طور پر متاثر ہو رہا تھا۔ لیکن میں ایک سنے ہوئے پروگرام پر کیسے اکتفا کر لیتا۔ چنانچہ بذات خود حقیقت کی تہہ تک پہنچنے کا عزم کر لیا اس کے لئے میں نے قرآن کریم کا ایک مترجم نسخہ حاصل کر کے اس کا مطالعہ شروع کر دیا۔ مطالعہ کے دوران میں قرآن وانجیل کے احکام کا موازنہ بھی کرتا جاتا۔ لیکن میری توجہ عقیدہ ربوبیت اور وحدانیت کے مسائل پر ہی مرکوز رہتی۔ یہ مطالعہ بڑا ہی شاق تھا جس نے میری بڑی محنت اور کافی وقت لے لیا۔ میں نہیں سمجھتا تھا کہ اتنی جلدی حقیقت کو پالوں گا۔ مزید مطالعہ سے مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ قرآن کی اسلامی تعلیمات عقل وصداقت سے زیادہ قریب ہیں۔ اس لئے کہ انسانی فطرت وعقل سے انکا گہرا رشتہ ہے میں نے دیکھا کہ قرآن جسطرح عقل کے لئے ایک پیغام ہے اسی طرح وہ دل کے لیے بھی ایک پیغام ہے۔ وہ اپنی بہت ساری

آیتوں میں عقل انسانی کو براہ راست خطاب کرتا ہے اور اسے غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔ اسلام و مسیحیت کے اس موازنہ کے بعد میں اس حقیقت پر پہنچا کہ نصرانیت ایک فاسد عقیدہ ہے اس کی اصلیت وہ نہیں جو میں سمجھتا تھا۔ اور جو نصاریٰ سمجھ رہے تھے آخر وہ عقیدہ کیونکر صحیح ہوسکتا ہے جو ان تک اتنی ساری انجیلوں سے ہو کر پہنچے جو سب کی سب انسانی دستبرد کا شکار ہیں۔ یہ انجیلیں جو ہمارے ہاتھوں میں ہیں یہ عیسائیوں کی مدون و محرف ان کی ہوائے نفسانی کا اعجوبہ ہیں یہی وجہ ہے کہ ان میں ایک دوسرے سے تضاد و اختلاف ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ نصاریٰ اس حقیقت کو سمجھیں اور وہ حق و اسلام کی طرف لوٹ آئیں۔

اسلام دین حق ہے اس لئے کہ اس کے متبعین اسے صرف ایک ماخذ سے قبول کرتے ہیں اور وہ قرآن ہے جو رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بھی صرف ایک ہی کتاب رہا اور آپؐ کے بعد بھی اسی ایک کتاب کی شکل میں محفوظ رہا۔ خدا نے اس کی حفاظت کی اور وہ قیامت تک اس کی حفاظت کا ضامن ہے اس میں کوئی تناقض تغیر و تبدل یا کمی و زیادتی نہیں۔

﴿انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحفظون﴾ یہی حال حدیث رسول کا ہے جو قرآن کی شارح اور اسلامی تعلیمات کی مفسر ہے کہ انہیں بھی غایت درجہ اہتمام کر کے تحریف سے محفوظ رکھا گیا۔ یہ تھا میرے مطالعہ کا حاصل جس کے نتیجے میں مجھے دین اسلام کی صحت پر اعتماد اور اپنی منزل مقصود کو پالینے کا یقین ہو گیا۔

جوں جوں میں اسلام سے قریب ہونے لگا اسی درجہ نصرانیت سے متنفر رہنے لگا۔ اس میں خود نصرانی عوامل بھی کارفرما ہوئے۔ اس سلسلے میں ان کا سب سے پہلا وہ عقیدہ جسے وہ ثالوث اقدس کا نام دیتے ہیں جس کی رو سے ان تین (خود خدا، حضرت

مریم، حضرت عیسیٰ) کا ایک ہے اس عقیدہ نے مجھے عیسائیت سے دور کرنے اور اسلام کی آغوش رحمت تک پہنچنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اگر کچھ عقل وتدبر سے کام لیا جائے تو کبھی اس کی تصدیق نہیں کی جاسکتی کہ اس کائنات کے کئی خدا ہوں جو الگ الگ نظاموں کے مالک ہوں اس کا لازمی نتیجہ خداؤں کے آپسی اختلافات ایک دوسرے پر غلبہ وتسلط کی فکر اور پھر کائنات کے فساد وبگاڑ کی شکل میں سامنے آئے گا۔ لیکن ہم اس کائنات میں ایسا کچھ نہیں پاتے۔ اس پوری کائنات کا ایک نظام کے تحت بغیر کسی فساد وبگاڑ کے چلنا یہ خود خدا کی وحدانیت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

دوسری چیز جس نے مجھے اسلام کے دامن سے وابستہ کردیا وہ نصرانیوں کے وسطا اور شرکاء جو عبد ومعبود کے بیچ حائل ہوتے ہیں، ان کاہنوں پوپ وپادریوں نے خود کو عبد ومعبود کے درمیان واسطہ وشریک بنا رکھا ہے۔ ان کی مرضی کے بغیر خدا راضی نہیں ہوتا اور ان کے غضب سے رب غضب ناک ہوجاتا ہے۔ اس طرح ہم خدا سے کہیں زیادہ انہیں سے ڈرتے اور خوف کھاتے اور ایسا ہوتا بھی کیوں نہیں کہ ایک خدا پر یقین نہیں رکھتے تھے انہوں نے اس پر ہی بس نہیں کیا بلکہ بخشش ومغفرت کی کنجی بھی اپنے ہاتھوں میں لے لی اور خدا کے حضور دست مغفرت دراز کرنے سے قبل ان کے سامنے کاسہ گدائی پھیلانا ضروری قرار دیا۔

اسلام کی عظمت اس کا حسن یہ ہے کہ یہاں ہم وہ شرکا اور واسطے نہیں دیکھتے دین اسلام میں عبد ومعبود کے درمیان تعلق براہ راست ہوتا ہے نمازوں میں روزوں میں قرآن کی تلاوت اور طلب مغفرت غرضیکہ ان تمام عبادتوں میں بندہ اپنے رب سے بلاشرکت غیرے ملتا اور ہم کلام ہوتا ہے یہی وہ چیز ہے جس کے ذریعے ایک مسلمان اپنے دین سے معزز ہوتا ہے اور اس کی طرف انتساب سے فخر محسوس کرتا ہے۔

اسلامی عقیدہ صاف شفاف عقیدہ ہے اسے وہی سمجھ سکتا ہے جو عقل سے کام لے

اور تعصب کی عینک اتار کر اسے دیکھے میں نے اسلام میں آ کر خدا کی معرفت حاصل کی اور اللہ کی معرفت ہی ہدایت کی اساس ہے جس معرفت سے نصرانی ناآشنا اور ناواقف ہیں۔

سعودی ایئر لائنز کے رواج کے مطابق جہاز پر روانگی سے پہلے سفر کی دعا پڑھی گئی یہ دعا مجھ پر ایسے اثر انداز ہوئی کہ ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی جیسے ایک پیغام ملا جس سے میں نا آشنا تھا چھٹی لے کر جب میں فلپائن گیا تو میں نے محسوس کیا کہ کلیسا اور انجیل کی تلاوت میں وہ کشش محسوس نہیں کرتا جو پہلے محسوس کرتا تھا یہ میرے لیک نئے روحانی سفر کا نقطۂ آغاز تھا۔

فلپائنی عیسائی کا قبول اسلام

نظر کو کیا خبر پردہ کے اندر دل لگی کیا ہے
کوئی آزاد کیا جانے کسی دل کی لگی کیا ہے

نام فیلیکس احمد، سکونت فلپائن، کام، کسی کمپنی میں سیکریٹری کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ فیلیکس احمد کا کیا قصہ ہے اور کیسے ان کی اسلامی زندگی کی شروعات ہوئی، وہ اپنے اسلام قبول کرنے کا قصہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

میرے والد کو تقریباً ۳۰ سال کا عرصہ ہوا، سعودی عرب نوکری کی غرض سے گئے اور وہیں انہوں نے اسلام قبول کر لیا، میں اپنی والدہ سے سنتا رہتا تھا کہ میرے والد نے اسلام قبول کر لیا ہے لیکن نہ ہی مملکت سعودی عربیہ سے واقف تھا اور نہ ہی اسلام کے بارے میں کچھ جانتا تھا، لیکن اپنے والد سے ملاقات کی غرض سے سعودیہ جانے کا خواہشمند ضرور تھا۔

حسن اتفاق سے مجھے سعودی عرب میں ملازمت مل گئی، میں نے رخت سفر باندھا اور جہاز میں سیٹ ریزرو کرالی۔

میں ہوائی جہاز میں سوار ہوا، حسب معمول سیٹ بیلٹ باندھی، سعودی ایئر لائنز کے رواج کے مطابق جہاز پر روانگی سے پہلے سفر کی دعا پڑھی گئی، جس کو مسلمان سفر کے وقت پڑھتے ہیں، میرے روئیں روئیں پر یہ دعا اثر انداز ہوئی اور مجھ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی جیسے ایک ایسا پیغام ملا جس سے میں نا آشنا تھا۔ اور اس پیغام نے میرے اندر یہ احساس جاگزیں کر دیا کہ یہ سفر پرسکون ہوگا، میرے اندر اس کلام کے سننے کی مزید خواہش پیدا ہوئی اور اس دعا کے سننے کی پیاس میرے اندر اور بڑھی کیونکہ

اس دعا ہی سے مجھے سکون ملا تھا۔ آپ کو یہ سن کر ضرور تعجب ہوگا کہ جس دعا نے میری روح کو آرام پہنچایا میرے اندر طمانیت کا احساس جاگزیں کیا میں اس کے معنی سے ناواقف تھا۔

تیسری چیز جس نے مجھ کو اسلام سے متاثر کیا' وہ نماز کا منظر تھا باہم سلام وکلام کرنا اور اچھا معاملہ کرنا یہ طریقہ بھی مجھے بہت پسند آیا' سعودیہ میں میں نے کام شروع کردیا 'میرے والد مسلمان تھے' مجھ کو بھی اسلام کی دعوت دیتے' لیکن میں ان سے ملنے کا اہتمام نہیں کر پاتا تھا۔

سعودی عرب میں بعض ایسے حالات پیش آئے اور اسلامی اخلاق کا مظاہرہ ہوا جنہوں نے میری بیداری کو اور بڑھا دیا۔

مجھ کو اس وقت تعجب ہوتا تھا جب میں مسلمانوں کو پانچ وقت کی نمازوں کی سختی کے ساتھ پابندی کرتے دیکھتا کیونکہ میں اس کو بہت زیادہ سمجھتا تھا' جب کہ عیسائیوں میں صرف اتوار کو کلیسا جانے کا رواج تھا (اور میں اس کا پانچ وقت کی نمازوں سے موازنہ کرتا تھا)

مجھ کو مسلمانوں کے سلام کرنے' آپس میں مسکرا کر ملنے' مصافحہ ومعانقہ کرنے اور گرمجوشی کے ساتھ ملنے پر بھی تعجب ہوتا تھا۔ یہ وہ معاملات تھے اور اسی طرح کے دوسرے محبت کے مظاہر نے میرے اندر اسلام کی کشش پیدا کردی۔

چھٹی لے کر میں فلپائن گیا تو میں نے محسوس کیا کہ میں کلیسا اور انجیل کی تلاوت میں وہ کشش نہیں محسوس کرتا جو پہلے محسوس کرتا تھا' میں نے کلیسا جانا کم کردیا اس لئے کہ نصرانی شعائر کے سلسلے میں جو تشریحات کی جاتی تھیں ان سے میں متفق نہیں ہوتا تھا' سعودیہ میں میرے قیام اور مسلمانوں سے قریب رہنے کی وجہ سے میں اسلام سے بہت زیادہ متاثر ہو چکا تھا۔

ایک دن میں اور میری اہلیہ اپنے اس گھر میں تھے جو آبادی سے بہت دور تھا۔ ہم لوگ بیٹھے ہوئے تھے اسی دوران ہم نے عجیب وغریب آوازسنی دروازے ہلنے لگے ایسا محسوس ہورہا تھا کہ کھڑکیاں ٹوٹ جائیں گی' ہمیں مکان میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا' یہ بہت ہی سخت لحات تھے ہم نے اپنے اندر خوف وگھبراہٹ اور رعب کے ملے جلے جذبات محسوس کیۓ' ہم کو محسوس ہوا کہ جیسے جن یا بھوت ہیں۔

میری زبان پر بلا ارادہ (اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم' بسم اللہ الرحمن الرحیم ' الحمد للہ رب العالمین) جاری ہوگیا۔ اور پوری سورۃ فاتحہ بغیر ارادہ کے پڑھ ڈالی اس لیے میں نے یہ سورۃ چینل ۲ پر سن کر یاد کرلی تھی اس عظیم سورۃ کے پڑھنے کے چندہی لحات گزرے ہوں گے کہ آوازیں آنا بند ہوگئیں۔ نفس مطمئن ہوگیا اور ہم نے راحت واطمینان کی سانس لی حالانکہ میں اس سورۃ کے معانی سے ناواقف تھا اس واقعہ کے بعد میں نے نئے طریقے سے اسلام قبول کرنے کے سلسلہ میں غور وفکر شروع کردیا میں نے اسلام کے لٹریچر کا مطالعہ شروع کیا اور مجھ کو اس دین کی حقانیت کا پورا یقین ہوگیا میں نے طے کرلیا کہ جب سعودیہ واپس جاؤں گا تو اسلام قبول کرلوں گا۔ چھٹی ختم ہونے کے بعد مملکت میں واپس ہوا تو میں غیر ملکی دعوتی مراکز میں سے ایک مرکز گیا اور فلپائن کے ایک داعی کے پاس بیٹھا انہوں نے مجھے اسلامی ارکان بتائے اس کے بعد میں نے کلمہ توحید پڑھا اور دین اسلام میں داخل ہوگیا اور میں مسلمان ہوگیا (وللہ الحمد من عباداللہ المسلمین) اور آخر میں سعودی اسکیموں کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور چینل نمبر ۲ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور ہر طرح اللہ رب العزت کی حمد بیان کرتا ہوں۔ ان اللہ یھدی من یشاء

ایک مسلم نوجوان مجھے گھر لے گیا گھر والوں نے میرا پرتپاک خیر مقدم کیا انہوں نے اسلام کے متعلق کچھ بنیادی باتیں بتائیں کچھ انگریزی کتابیں دیں جن میں قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ بھی تھا۔

میں نے مطالعہ کیا اور سورہ تکاثر پڑھنے لگا تو ایسا محسوس کیا گویا آب حیات کے قطرے جھکے ہوئے پھولوں کو شگفتگی اور تازگی بخش رہے ہیں۔

اسلام ابدی سکون کا ضامن ہے

دل وہی دل ہے جو سوز عشق سے ہو بے قرار
سر وہی سر ہے جو تیرے آستاں پر خم ہوا
سوز دل نے آج اشکوں سے بجھائی تشنگی
مدتوں میں امتزاج شعلہ وشبنم ہوا

میں ریاست واشنگٹن کے ایک خوش حال گھرانے میں پیدا ہوا۔فل برائٹ اسکالر شپ پر ہندوستان آیا میری آمد کا مقصد مختلف باشندوں کی لسانی اور تہذیبی تاریخ وروایات کا مطالعہ تھا۔ یہاں پانچ چھ سال گذار کر امریکہ واپس چلا گیا۔ریڈ انڈین لوگوں پر تحقیق کر کے پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی۔انگریزی کے علاوہ عربی، فارسی، اردو، بلوچی، پشتو، فرانسیسی، جرمن، یونانی سنسکرت اور جنوبی ہندوستان کے باشندوں کی چار پانچ زبانیں سیکھیں۔پھر میں فورڈ فاؤنڈیشن کی تحریک پر پاکستان آیا میں نے اپنے طور پر مختلف مذاہب کا مطالعہ کیا۔ یہودیت اور عیسائیت کی مقدس کتابیں بنظر غائر پڑھیں۔اناجیل قدیم اور جدید میں سوائے انتشار واختلافات کے کچھ نہ پایا۔ان کی تاریخی حیثیت بھی میرے نزدیک مشکوک تھی۔جب میں ہندوستان آیا تھا یہاں ہندو عالموں سے ملنے کے موقعے ملے تو میں نے ہندو مذہب کا مطالعہ کیا۔مگر اس مذہب میں...... مستقل اقدار کا فقدان پایا۔اس مذہب میں کچھ ایسا الجھاؤ تھا کہ خود الجھ کر رہ گیا۔ہندوستان کے جنوب میں کچھ ایسے ہندو آباد ہیں جن کے مذہبی عقیدے کی رو سے ایک ہندو عورت کے ساتھ چھ سگے بھائی شادی کر سکتے ہیں۔اور اپنے اس عقیدے کی بنیاد مہابھارت پر رکھتے ہیں۔میں پریشان ہو گیا تھا کہ ایک دن

مجھے ایک نوجوان ملا یہ مسلمان خاندان سے تعلق رکھتا تھا اس نوجوان کے ذریعہ میری کایا پلٹ گئی۔

وہ مجھے ایک دن اپنے گھر لے گیا اس کے والد نے میرا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ دوران گفتگو انہوں نے اسلام کے متعلق کچھ بنیادی باتیں بتائیں۔ اور مجھے کچھ کتابیں دیں جو زیادہ تر انگریزی میں تھیں ان میں پکتھال کا انگریزی ترجمہ قرآن مجید تھا میں نے قرآن مجید کا مطالعہ کیا۔ سورۃ تکاثر پڑھنے لگا۔ چھوٹے چھوٹے بول میرے دل میں پیوست ہوتے چلے گئے۔ میں نے ایسا محسوس کیا گویا آب حیات کے قطرے جھکے ہوئے پھولوں کو شگفتگی اور تازگی بخش رہے ہیں۔ دل چاہتا تھا کہ قرآن پر ایمان لے آؤں لیکن مادہ پرست ماحول میں پلے ہوئے ذہن کا غرور یقین میں شک کی آمیزش کر رہا تھا پھر میں لکھنؤ آ گیا۔ یہاں ایک مولوی صاحب سے ملاقات ہوئی اور تمام شکوک وشبہات کو نہایت حکیمانہ اور مدلل انداز سے رفع کیا۔ اب صداقت سینے سے لگا لینے کا جذبہ ابھر آیا میری زبان سے بے ساختہ کلمہ توحید بلند ہوا مجھے پختہ یقین ہو گیا۔ کہ صرف اسلام ہی واحد مذہب ہے جو کامیابی اور ابدی سکون کا ضامن ہے۔ اور یوں میرا اسلامی نام عبدالرحمٰن رکھا گیا۔

اسلام دین فطرت ہے جو تمام بنی نوع انسان کی تمام زندگی کی ہر طرح مکمل رہنمائی کرنے کے علاوہ کامیابی وکامرانی کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ اللہ رب العزت کے آخری پیغمبر محمد ﷺ پر نازل ہونے والی آخری کتاب قرآن مجید میں اسلام کی تکمیل کا اعلان کر دیا گیا ہے عقل سلیم رکھنے والا انسان امن کا متلاشی ہے اور اسلام امن عالم کی ضمانت فراہم کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ صراط مستقیم کے متلاشی ہر طرح کے مطالعے اور مشاہدے کے بعد بالآخر اسلام کی حقانیت کا اقرار کرتے ہوئے مسلمان ہو کر دونوں جہانوں کی فوز وفلاح کو سمیٹ لیتا ہے۔

میں نے اسلام کیوں قبول کیا

داستان دل سے ذکر دلستان تک آگئے
چلے تھے نامعلوم سمت مگر منزل مقصود تک آگئے

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

یہ وہ سوال ہے جو مجھ سے اکثر جگہ پوچھا گیا ہے اور بذات خود میں نے بھی یہ سوال اپنے آپ سے کئی بار پوچھا ہے۔ جواب کے سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی تھی' یہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات اقدس ہے جو دلوں کو پھیرتی اور صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں سچائی کی تلاش میں تھا' خالص سچائی اور صرف سچائی۔ تیسرا میرے گزشتہ مذہب عیسائیت کے عقیدہ ونظریہ کے بعض اجزاء ایسے تھے جو پہلی بار سننے پر تو قابل قبول معلوم ہوتے ہیں مگر تدبر وتفکر اور تجزیہ کرنے کے بعد یہ نہ صرف ناقابل تسلیم بن جاتے ہیں بلکہ ان میں واضح تضادات' بے ربطی اور الحاد نظر آتا ہے۔ اس کے باوجود اسلام ہی کا انتخاب کیوں؟ جب میں خالص اور مکمل سچائی کی تلاش میں سرگرداں تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسلام ہی کی طرف میری رہنمائی کیوں کی' دیگر مذاہب کی طرف میرے ذہن کو کیوں نہ موڑ دیا پھر عیسائیت ہی کے کسی دوسرے فرقہ کی طرف جانے کا خیال کیوں نہ پیدا کیا؟ اس اہم سوال کا جواب اس وقت ہی واضح ہونا شروع ہو گیا تھا جب میں نے روحانیت کی جستجو کی طرف پہلا قدم بڑھایا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کا نظریہ تو پیدائش کے ساتھ ہی ذہن میں ڈال دیا گیا تھا مگر میری روح کو عیسائی چرچ کی تعلیمات کے سانچے میں بند کر دیا گیا۔ میری مذہبی نشوونما میں کسی جبر کا کوئی دخل نہ تھا' یہ اتفاقاً اور عادتاً بھی نہ تھا

میرے خاندان کی زندگی کا ایک لازمی حصہ تھا' مجھے یاد ہے کہ میری ماں ہر اتوار کو مجھے بائبل کی کہانیاں پڑھ کر سنایا کرتی تھی لیکن جب میں نوجوانی کی عمر کو پہنچا اور خاص طور پر جب میں کالج میں داخل ہوا تو کھلائی گئی یہ روحانی غذا خراب سے خراب تر ہوتی گئی۔

کچھ عرصے بعد میں نے مذاہب کا مطالعہ شروع کیا۔ پہلی کتاب جو میں نے پڑھی وہ ''دی ریلیجن آف مین'' تھی جسے میں ایک دوست سے مستعار لایا تھا۔ اس کتاب کا پہلا باب ''اسلام'' پر تھا اور میرے لئے یہ نہایت حیران کن تھا۔ یہ عرب کی معمولی تاریخ سے شروع ہوا' اس کے بعد حضرت محمد مصطفی ﷺ کی سیرت اور بعد میں اسلام کے نظریہ اور اس کے بنیادی عقائد کے بارے میں بتایا گیا تھا۔ اسلام کی عیسائیت کے ساتھ مماثلت اور تعلق کے بارے میں جو کچھ پڑھا اس پر مجھے یقین نہ آتا تھا۔ یہ کوئی خارجی یا اجنبی مذہب نہ تھا جسے کسی خارجی خدا کی پوجا کرنے والے غیر شخص نے تشکیل دیا ہو۔ یہ تو خالص ابراہیمی مذہب تھا جسے وحی الہیٰ کے ذریعے سے ایک ایسے شخص نے بیان کیا ہو جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل میں سے، اور جو سچے خدائے واحد کی بندگی کرنے والا تھا۔ اس سے اسلام میں میرے تجسس اور دلچسپی میں مزید اضافہ ہوا۔ میں نے اپنے ذہن کو آزاد اور کھلا رکھنے کا فیصلہ کیا۔ میں نے بدھ مت' ہندومت' یہودیت' امریکہ کے قدیم روحانی مذاہب اور دیگر چھوٹے چھوٹے مذاہب' مسالک اور مذہبی تحریکوں کی تاریخ اور ان کے عقائد ونظریات کا مطالعہ شروع کیا۔ بدھ مت جو دنیا سے لاتعلقی کا درس دیتا ہے' میں آخرت کی زندگی کا کوئی واضح تصور نہیں۔ ہندومت میں تو بغیر کسی مرکز واحد یا ذات واحد کے ان گنت دیویوں اور دیوتاؤں کی ڈھیلی ڈھالی پوجا ہے۔ یہودیت بنیادی طور پر سچ ہے مگر نسلی بنیادوں پر کھڑی ہے۔ امریکہ کے قدیم مذاہب بھی قبائلی اقسام میں بٹے

ہوئے ہیں اور ہر قبیلے کا ایک الگ مذہب ہے۔ اسلام ان میں واحد مذہب تھا جس کے نظریات' عبادات اور عقائد واقعتاً ہر قسم کے تعصبات سے پاک اور عالمگیر دکھائی دیتے تھے۔ تاہم اب تک جو معلومات مجھے حاصل ہوئی تھیں وہ تبدیلی مذہب کے لئے کافی نہ تھیں لیکن جب میں قرآن کے قریب آیا تو تیزی سے تبدیلی آئی۔

میں ان دنوں ایک اسٹور پر کام کر رہا تھا۔ وہاں ایک نوجوان خاتون اکثر آتی جس کے ساتھ عمومی تبادلہ خیال ہوتا۔ ایک موقع پر میں نے اس کے ساتھ اسلام پر بات کی تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ مسلمان ہے۔ اس نے مجھے بتایا کہ اگر مجھے اسلام کے بارے میں مزید معلومات درکار ہوں تو میں اس اجلاس میں شرکت کروں جو اس کا باپ مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات پڑھانے کے لئے منعقد کرتا ہے۔ جب میں پہلی بار اس اجلاس میں شرکت کے لئے گیا تو پر جوش ہونے کے ساتھ ساتھ مضطرب بھی تھا۔ میں خالص مسلمانوں کو دیکھ رہا تھا۔ مختلف نسلوں سے تعلق رکھنے والے افراد کو اکٹھا بیٹھا دیکھ کر میں بہت متاثر ہوا۔ ماحول نہایت سادہ اور نیاز مندانہ تھا۔ انہوں نے میرے بنیادی سوالوں کے جواب دیئے لیکن میں نے زیادہ بحال کرنے کی ئے سننے کو پسند کیا۔ جب نماز کا وقت ہوا تو میں کچھ دور بیٹھ کر خاموشی سے ان کا نظارہ کرتے ہوئے مسکراتا رہا' وہ لوگ نماز کے دوران زمین پر بالکل سامنے نگاہیں جمائے ہوئے تھے۔ میرے لئے یہ ایک حیران کن اور پر لطف نظارہ تھا' نہایت انکساری' تحمل مزاجی اور ہم رنگی کا قدرتی نظارہ۔ اس سے میرے ذہن میں یہ تاثر ابھرا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا یہی صحیح طریقہ ہوسکتا ہے۔ حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ' حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام اور جن دیگر پیغمبروں علیہم الصلوٰۃ والسلام کا بائبل میں ذکر ہے کے واقعات وحالات کو میں نے ذہن میں تازہ کیا کہ وہ بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوا کرتے تھے۔ آج کل چرچوں میں جس طرح عبادت ہوتی ہے یہ طریقہ

اللہ کے پیغمبروں کا تو نہ تھا بلکہ وہ تو اس طرح عبادت کرتے تھے' جس طرح مسلمان کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ: ''جب ایک دوسرے سے ملو تو ایک دوسرے کو سلامتی کی دعا (اللہ تمہیں سلامت رکھے) دو''۔ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس فرمان پر عمل نہ کیا' یہ تو مسلمان ہیں جو ایک دوسرے کو ''السلام علیکم'' کہہ کر ملتے ہیں جس کا مطلب ہے ''اللہ کی تم پر سلامتی ہو'' عیسائیت میں صرف آرتھوڈکس خواتین اپنے سر اور جسم کو ڈھانپتی ہیں مگر اسلام میں تو ساری باعمل مسلمان خواتین کی شرم وحیا' حجاب' پاک دامنی اور عجز وانکساری کا معیار یہی ہے اور یہ صرف آرتھوڈکس یعنی راسخ العقیدہ خواتین تک محدود نہیں ہے۔ جب میں اجلاس سے رخصت ہوا تو خیالات کے سمندر میں ڈوبا ہوا تھا۔

اس مسلمان خاتون کو اسٹور پر میں نے دوبارہ دیکھا تو اس کا شکریہ ادا کیا اور اسے بتایا کہ میرے لئے کس قدر تعجب انگیز تجربہ تھا۔ یقیناً میں اس اجلاس میں دوبارہ جاؤں گا۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میرے پاس قرآن مجید ہے؟ میں نے بتایا کہ نہیں۔ میرا خیال تھا کہ قرآن صرف غیر ملکی زبان میں ہوگا اور میں اسے نہیں پڑھ سکتا مگر اس نے مجھے کہا کہ وہ عربی متن کے ساتھ انگریزی ترجمے والا قرآن مجید دے گی۔ میں نے خوشی کے ساتھ اس کی پیشکش کو قبول کرلیا۔ جب مجھے قرآن مجید ملا تو میں بہت خوش ہوا اس کا باقاعدہ مطالعہ شروع کرنے کا میں انتظار نہ کرسکا۔ میں نے انڈیکس دیکھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہر آیت پڑھ ڈالی۔ یہ وہ پیغمبر علیہ السلام تھے جو میرے ذہن کے ہر خانے میں موجود تھے اور مجھے بہت ہی عزیز تھے۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ اس کتاب (قرآن) میں اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں کیا کیا فرمایا ہے۔ اگر مجھے ان کی شان میں کوئی تحقیر گستاخی، تضحیک وغیرہ نظر آتی یا ان کی نبوت کا انکار کیا گیا ہوتا تو میں اس کتاب کو بند کردیتا اور اسلام سے بھی دور چلا جاتا۔

لیکن قرآن مجید میں ان کے بارے میں پڑھ کر مجھے خوشی ہوئی اور جب میں نے پڑھا کہ اللہ تین میں سے ایک نہیں بلکہ وہ اپنی ذات وصفات میں واحد اور بے نظیر و بے مثال ہے تو میرے ذہن نے اسے فوراً قبول و تسلیم کیا۔ جب میں نے پڑھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ اسلام ایک کنواری کے بطن سے پیدا ہوئے تھے اور وہ خدا کے بیٹے نہیں تو مجھے اس سے بھی اتفاق تھا۔

جب میں قدیم عبرانی اور سامی زبانوں کی اصطلاحوں کا مطالعہ کر رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ ''بیٹا'' (Son) کے معنی قربت (Nearness) کے ہیں اور عہد نامہ قدیم میں یہ دیگر افراد اور پیغمبروں کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔ ''خدا کا بیٹا'' کا مطلب ہے کہ وہ فرد جو اللہ تعالیٰ کے قریب تر ہو یا اللہ کے ساتھ جس کا نہایت قریبی تعلق ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے ''سن آف مین'' کی اصطلاح ''سن آف گوڈ'' کی نسبت کہیں زیادہ استعمال ہوئی ہے، تاہم قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ''ابن مریم'' کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش حضرت آدم علیہ السلام کی طرح تھی، اس (اللہ) نے صرف ''کن'' کہا اور وہ ہو گیا۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کا نہ تو کوئی باپ تھا اور نہ ماں۔ اس طرح تو ان کی زیادہ پرستش ہونی چاہیے تھی مگر کسی نے ان کی (Only Begotten Son Of God) کی حیثیت سے پرستش نہیں کی۔

جب میں نے قرآن میں پڑھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام انسانی شکل میں خدا نہیں تھے بلکہ انسانوں کے لیے ایک پیغمبر تھے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے تخلیق کیا اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے بھیجا، وہ بے نیاز نہیں بلکہ خود اللہ تعالیٰ کے محتاج تھے، اسی پر بھروسہ کرتے اور اسی سے ڈرتے تھے اور اسی کی عبادت کرتے تھے۔ مجھے قرآن کی یہ بات بھی تسلیم تھی کہ: ''یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے تھے اور

اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے پاس اٹھالیا تھا"۔ لیکن جب میں نے یہ پڑھا کہ وہ انہیں مصلوب بھی نہ کر سکے تو مجھے جھٹکا لگا۔ سورہ نساء آیت ۱۵۷:

ترجمہ: "اور خود یہودیوں نے کہا کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا ہے حالانکہ فی الواقع انہوں نے اس کو نہ قتل کیا نہ صلیب پر چڑھایا بلکہ معاملہ ان کیلئے مشتبہ کر دیا گیا"۔

میری نظریاتی زندگی میں ڈرامائی تبدیلی آئی، میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو کسی بات کو بلاسوچے سمجھے فوراً تسلیم کر لیتے ہیں یا مسترد کر دیتے ہیں۔ میں تحقیق کرتا ہوں، دن کے وقت میں اس آیت پر غور کرتا اور رات کو اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتا، میں بہتے آنسوؤں میں اللہ سے فریاد کرتا کہ وہ مجھے خواب میں بتائے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب نہیں کیا گیا تھا تو پھر ان کے ساتھ حقیقتاً کیا ہوا تھا؟ اصل واقعہ کیا تھا اور جھوٹ کیا تھا، یہ جاننے کے لئے میں بے تاب تھا، میں سخت پریشان تھا، میں تحقیق اور لوگوں سے بحث کرتا تاکہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آئے۔ میرے نزدیک روح اس دنیا کی سب سے اہم چیز تھی اور میری روح سچائی کی متلاشی تھی، میں نے ہمیشہ اپنے خالق کو جاننا اور اس کی عبادت کرنا چاہی لیکن میں اس بات میں یقین چاہتا تھا کہ جو کچھ میں جانتا ہوں وہ صحیح ہے۔ میں اس وقت تک کوئی قدم اٹھانے کو تیار نہ تھا جب تک شرح صدر کے ساتھ یقین نہ کر لوں کہ یہی راستہ صحیح ہے۔ بالآخر میں نے خواب کا انتظار چھوڑ دیا اور اپنے آپ سے پوچھا لفظ (Crucufixion) یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھائے جانے کے عیسائی کیا معنی لیتے ہیں؟ عیسائیوں کے نزدیک اس لفظ کے معنی "نجات" کے ہیں یعنی گناہوں کی سزا سے نجات، اس کے اس دنیا اور آخرت میں کامیابی کے معنی بھی لئے جاتے ہیں، میرے نزدیک یہ ایک بنیادی بات ہے کہ اگر کوئی مذہب اپنے ماننے والوں کو نجات کا راستہ

نہیں دکھاتا تو بے کار ہے۔ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو مصلوب کئے جانے کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے پاس اپنے محبوب بنی نوع انسان کو معاف کرنے اور بخشنے کے لئے کوئی اور طریقہ نہیں تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مجھے دل وجان سے محبت تھی اور ان کی ذات مجھے بہت عزیز تھی۔ میں اکثر سوچتا کہ یہ کیسے درست ہو سکتا ہے کہ رب غفور اور رحیم نے انہیں زمین پر اس لئے بھیجا کہ وہ انگنت دوسرے انسانوں کے گناہوں کی معافی کے لئے اپنے آپ کو قتل کرائیں جبکہ انہوں نے خود کوئی گناہ ہی نہ کیا ہو، یعنی ایک بے گناہ آدمی دوسروں کے گناہوں کی بھینٹ چڑھانا کیونکر انصاف ہو سکتا ہے۔ یہ تو ایک نامعقول نظریہ تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ ''کن'' کہہ کر ساری کائنات کو پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے تو پھر اپنے گناہوں کا اعتراف کرنے اور معافی مانگنے والوں کے لئے وہ ایسا کیوں نہیں کر سکتا، وہ ایک فرد کو یہ کیوں نہیں کہہ سکتا: ''جا تجھے معاف کیا یا فلاں مرد، عورت کو معاف کر دیا گیا''۔ اس معافی کے لئے ایک بے گناہ انسان کا قتل اور خون ہی کیوں ضروری تھا؟ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ: ''اگر اس کتاب (قرآن) نے نجات کا کوئی ایسا پروگرام دیا جس میں کسی بے گناہ کا خون اور قتل شامل نہ ہوا تو میں اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام کو تسلیم کر لوں گا''۔

میں نے بائبل کے نظریات پر گہرائی سے نظر ثانی کی اور یہ ڈھونڈنے کی کوشش کی کہ نجات کے لئے کیا ضروری ہے:

''یہودی اور مسلمان اللہ کی عبادت کرتے ہوئے کسی دوسری چیز کو درمیان میں نہیں لاتے تو پھر عیسائی ایسا کیوں کرتے ہیں؟ حضرت آدم علیہ السلام اور اللہ کے درمیان کوئی اور نہ تھا؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اللہ کے درمیان بھی کوئی نہ تھا؟ موسیٰ علیہ السلام اور اللہ، داؤد علیہ السلام اور اللہ، عیسیٰ علیہ السلام اور اللہ کے درمیان بھی کوئی دوسرا نہ تھا۔ پوری بائبل میں اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا کہ ہر انسان اپنے اعمال کا

خود ذمہ دار ہے اور کوئی دوسرا اس کے گناہوں کی سزا نہیں بھگتے گا اور نہ کسی دوسرے کو سزا دی جائے گی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو لوگوں کو توبہ کی تبلیغ کر رہے تھے اور لوگوں کو بتا رہے تھے کہ توبہ کے بعد ان کے گناہ بخش دیئے جائیں گے"۔ (بحوالہ لوقا باب:۷)

تو پھر اچانک بنی نوع انسان کی بخشش کے لئے ایک قتل اور خون کی ضرورت کیوں پیش آ گئی؟ قربانی، خون اور معافی کے موضوع پر قرآن مجید نے چند آیات میں کیا ہی خوب اور جامع بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۂ حج میں فرماتے ہیں:

"ترجمہ:" نہ ان کے گوشت اللہ کو پہنچتے ہیں نہ خون، مگر اسے تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے، اس نے ان (جانوروں) کو تمہارے لئے اس طرح مسخر کیا ہے کہ اس کی بخشی ہوئی ہدایت پر تم اس کی تکبیر کرو"۔

گناہوں اور معافی کے بارے میں سورۂ یوسف میں فرمایا:

ترجمہ: "اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، اس کی رحمت سے تو بس کافر ہی مایوس ہوا کرتے ہیں"۔

مسجد میں جب میں دوسری بار گیا تو قبول اسلام کے اعلان کرتے ہوئے میں نے کہا عبادت کے لائق کوئی اور نہیں مگر سوائے اللہ کے جو واحد اعلیٰ حضور ﷺ نبی نوع انسان کے لئے اس کے آخری پیغمبر ہیں قیامت تک بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لئے قرآن مجید اس کی آخری کتاب ہدایت ہے۔

میں جان گیا کہ اسلام قاتلوں اور دہشت گردوں کا مذہب نہیں ہے جیسا کہ اہل مغرب پروپیگنڈہ کرتے ہیں بلکہ یہ تو بنی نوع انسان فطرت اور تمام دیکھی ان دیکھی مخلوقات کے لئے اصل اور سچا مذہب ہے۔ اصلا اسلام ان لوگوں کا مذہب ہے جو امن کے متلاشی ہیں اور اللہ کی رضا و تسلیم میں اپنی کامیابی کے خواہاں ہیں، اسلام کو قبول

کر کے میں نے کامیابی کا راستہ پالیا جو نجات کا ایک سچا راستہ ہے۔

(ختم نبوت ج ۱۹ ش ۱۸ ستمبر ۲۰۰۰)

ان کا پرانا نام اسیفلن عرف ایڈیسن ہے لیکن اب وہ پرانے نام سے نفرت کرتے ہیں اور نقشبندی کہلانے میں فخر محسوس کرتے ہیں، انہوں نے ملائشیا کی ایک خاتون سے شادی کی ہے سنت کا لباس پہنے ہر وقت ذکر واذکار میں مصروف عمامہ باندھے نقشبندی صاحب کے دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی ہیں صاحبزادے بھی عمامہ باندھتے ہیں اور نقشبندی صاحب کی طرح سنت کے لباس میں ملبوس رہتے ہیں نقشبندی صاحب کی والدہ حیات ہیں وہ دین کی دعوت دیتے رہتے ہیں لیکن والدہ ابھی تک عیسائیت پر قائم ہیں۔ یہ مضمون مولانا ثمیر الدین قاسمی مدظلہم چیرمین لون ریسرچ سینٹر یو کے نے پاکستان بھیجا ہے۔

اسٹیفن سے نقشبندی تک

تیرے محبوب کے یارب شباہت لے کر آیا ہوں
حقیقت اس کو کر دے میں صورت لے کر آیا ہوں

مانچسٹر منتقل ہونے کے بعد پہلی مرتبہ ایک پڑوسی سے ملاقات ہوئی، جن کا چہرہ دیکھ کر احساس ہوا کہ یہ کوئی عربی شیخ ہیں جو میرے پڑوس میں رہائش پذیر ہیں، سر پر سفید پگڑی چہرے پر تقریباً ایک بالشت لمبی داڑھی، ہاتھ میں تسبیح کرتا اور پاجامہ میں ملبوس جناب فاروق عبداللہ نقشبندی صاحب تھے، عرب سمجھ کر میں نے عربی میں گفتگو شروع کی تو انہوں نے سلام کے بعد انگریزی میں جواب دیا میں نے پوچھا آپ ہیئت ولباس سے عربی شیخ معلوم ہوتے ہیں تو کیا آپ عرب نہیں ہیں؟ انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا میں پہلے انگریز تھا، دس سال قبل اسلام کی نعمت سے سرفراز ہوا ہوں اور الحمدللہ اب مسلمان ہوں۔

مسلمان تو بہت لوگ ہوتے ہیں لیکن مجھے تعجب یہ تھا کہ وہ ایک ایک سنت کو معلوم کرتے ہیں اور اس پر عمل کی کوشش کرتے ہیں ایک دن فجر کی نماز میں میں نے پوچھا کہ آپ تو انگریز تھے آپ شرٹ اور پینٹ پہننے کی عادی تھے، آپ فجر کی نماز میں ہمیشہ لنگی کیوں پہن کر آتے ہیں فرمانے لگے کہ یہ حضور اکرم ﷺ کی سنت ہے، اس لئے میں دن کے شروع میں اس سنت کی ادائیگی کرتا ہوں پھر کام کاج کی وجہ سے شلوار پہن لیتا ہوں۔ برطانیہ میں فجر میں کوئی لنگی نہیں پہنتا، اس لئے مجھے ان کی لنگی پر تعجب تھا اس لئے میں نے پوچھا میں اس جذبے پر بہت دیر تک سوچتا رہا کہ ان نومسلموں کو بہت مشقت اور مجاہدہ سے دولت اسلام ملی ہے، اس لئے یہ حضرات ایک

ایک سنت کی کتنی قدردانی کرتے ہیں اور ہم لوگوں کو والدین اور معاشرے کے طفیل اسلام ملا ہے، اس لئے سنت کی ادائیگی کا بعض مرتبہ خیال بھی نہیں آتا۔

موصوف شیخ طریقت حضرت آصف حسین فاروقی نقشبندی مانچسٹر سے بیعت ہیں، اس لئے اپنا عرف نقشبندی رکھا ہے ان کا پرانا نام اسٹیفن ہے اور عرف ایڈیسن ہے لیکن اب وہ پرانے نام سے نفرت کرتے ہیں اور نقشبندی کہلانے پر فخر کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ نقشبندی سلسلہ سے منسلک ہوں اور تمنا رکھتا ہوں کہ اس سلسلہ کے بزرگوں کے ساتھ میرا حشر ہو، انہیں بزرگوں کے سامنے میں زندہ رہوں انہیں کے دامن تھامتے ہوئے مرنے کی تمنا رکھتا ہوں اور خدا کرے انہیں کے ساتھ حشر ہو۔ ان کے شیخ کی خانقاہ میں ہفتے میں دو مرتبہ مجلس ذکر ہوتی ہے اور عشاء کے بعد تقریباً تین گھنٹے تک جاری رہتی ہے نقشبندی صاحب پوری پابندی کے ساتھ ذکر میں شریک ہوتے ہیں اور دوست واحباب کو بھی شرکت کی دعوت دیتے ہیں۔ تقریباً دوسو مریدین حلقہ میں شریک ہوتے ہیں اور حلقہ بنا کر ذکر کرتے ہیں، کئی مرتبہ ناچیز کو بھی محفل میں شریک کیا اور دیر تک ذکر کی لذتوں سے محظوظ ہوتا رہا

نشاط کامراں اس کا حیات جاوداں اس کا
جو دل لذت کش ذوق نگار یار ہوجائے

مسلمان تو بہت لوگ ہوتے ہیں لیکن ہندوستانی بزرگوں کی طرح خانقاہی نظام سے اتنا مربوط اور اس کے ایک ایک عمل سے اتنی دلچسپی میں نے کئی نومسلموں میں پائی جوان میں ہے، موصوف کو ہمارے بزرگوں کے اکثر نام یاد ہیں ان کے طریقہ تربیت کا پتہ ہے اور یہ بھی پتہ ہے کہ کس سلسلہ میں کون سا ذوق غالب ہے، نقشبندی صاحب کے ساتھ نومسلموں کا بہت بڑا حلقہ ہے وہ تمام ہی پابندی کے ساتھ ذکر میں مشغول ہوتے ہیں، محفل ذکر میں شامل ہونے کے لئے عمامہ باندھنا ضروری ہوتا

ہے، دیکھتا ہوں تو بہت مسرت ہوتی ہے ایسا لگتا ہے کہ فرشتوں کی نورانی جماعت ہے جو حلقہ لگائے محو عبادت ہیں۔

نقشبندی صاحب نے نومسلموں کی تربیت کے لئے غیر مسلموں میں اشاعت اسلام کے لئے ایک ادارہ قائم کیا جس کا نام ''یورپین نیو مسلم سینٹر'' ہے اس ادارے میں ہر دو ہفتے میں مجلس منعقد ہوتی ہے قرب و جوار کے نیو مسلم جمع ہوتے ہیں، اس میں تربیتی تقریریں ہوتیں ہیں اور اسلام پر ثابت قدم رہنے کی ترغیب دی جاتی ہے، جو حضرات مسلمان ہوتے ہیں ان کا پورا خاندان چھوٹ جاتا ہے، اقربا اور رشتہ دار نفرت سے پیش آتے ہیں، جن کی شادی ہوئی ہوتی ہے ان کی بیوی خیر باد کہہ جاتی ہے بعض مرتبہ آدمی کی اولاد بھی چھوٹ جاتی ہے اس سے زندگی میں خلا پیدا ہوتا ہے، اب ان کو نیا گھر بنانے کی ضرورت پڑتی ہے، شادی بیاہ کرنا ہوتا ہے اور ہمارا معاشرہ یہ ہے کہ نومسلم کو جلدی اپنی لڑکی نہیں دیتے اور نہ نیو مسلمہ خاتون کو قبول کرتے ہیں، اس لئے ان نو وارد حضرات کو بہت مشکلات کا سامنا ہوتا ہے، بعض مرتبہ عمر بھر تنہائی کی زندگی گزارنی پڑتی ہے نقشبندی اور ان کے احباب نے فیصلہ کیا ہے کہ ان مایوس لوگوں کا ہم سہارا بنیں گے ،ان کی شادی بیاہ کا ہم انتظام کریں گے اور نیا گھر بنانے میں امداد کریں گے۔

چونکہ ہم بھی نئے مسلمان ہوتے ہیں، اس لئے ہم سے ان کی ڈھارس بندھے گی اور اسلام کی شاہراہ پر چلنے کی ہمت ہوگی، حلقہ اسلام میں داخل ہونے والے حضرات کو یہ محسوس نہیں ہوگا کہ ہم تنہا ہیں بلکہ ہمارے ساتھ پورا ایک کنبہ ہے، ایک معاشرہ ہے اور بہت بڑا خاندان ہے جو اس راہ پر چل رہا ہے نقشبندی صاحب کی مادری زبان انگریزی ہے وہ انگریزی کی رسم و رواج اور اُس کی طبیعت سے واقف ہیں اس لئے وہ یہاں اشاعت اسلام میں کامیاب ہیں اور حلقہ بگوش مسلمانوں کو اسلام پر جمنے میں کافی تیزی سے کام کر رہے ہیں۔

مانچسٹر اور اس کے قرب وجوار میں تقریباً ۵۰۰ حضرات ہیں جو دس بارہ سال کے عرصے میں مسلمان ہوئے ہیں اور الحمد للہ اسلام پر مضبوطی کے ساتھ جمے ہوئے ہیں، ان کے رشتہ داروں نے اسلام سے برگشتہ کرنے کی بہت کوشش کی، لیکن وہ لوگ ان ان لازوال نعمتوں کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔

نقشبندی صاحب نے ملائشیا کی ایک خاتون سے شادی کی ہے، ان سے دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی ہیں۔ صاحبزادے بھی عمامہ باندھتے ہیں اور سنت کے لباس میں ملبوس رہتے ہیں، نقشبندی کی والدہ حیات ہیں وہ ان سے محبت رکھتے ہیں ان کے پاس جاتے ہیں ان کی خدمت کرتے ہیں اور اسلام کی دعوت دیتے رہتے ہیں لیکن ابھی تک وہ عیسائیت پر قائم ہیں، ان کی بہن اور بھائی بھی عیسائیت پر قائم ہیں البتہ ان سے تعلقات استوار رکھے ہوئے ہیں۔

یہ عجیب کرشمہ ہے کہ یورپ اور خاص طور پر برطانیہ نے اسلام کو مٹانے اور اس کو بدنام کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیا ہے، اسلام کے روشن چہرے کو مسخ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے، آئے دن ذرائع ابلاغ کے نئے حربے استعمال کرتے ہیں۔

لیکن نومسلم اسلام کے لئے قوم اور خاندان کو خیر آباد کہتے جان و مال، دوست احباب معاشرے اور قوم کی قربانیاں پیش کرتے ہیں اور ایک ایک سنت پر مر مٹنے کا عزم اور حوصلہ رکھتے ہیں، بزرگوں کے طریقے پر خانقاہیں تعمیر کر رہے ہیں اور مسلمانوں کی تربیت کے لئے ادارے قائم کر رہے ہیں کوئی ان بھولے انگریزوں کو بتائے کہ ان حضرات کو کس تلوار نے مجبور کیا ہے کہ وہ اسلام لائیں اور ان کے لئے تن، من دھن کی بازی لگائیں شراب خانوں اور کلبوں میں داد عیش دینے والے حضرات آج خانقاہوں میں ''اللہ اللہ'' کی ضرب لگا رہے ہیں اور اس میں اتنی مسرت اور

اطمینان محسوس کرتے ہیں کہ زندگی میں ان کو کسی جگہ نہیں ملا۔

چھوٹی بڑی ہزاروں وجوہ ہیں جو میرے اسلام لانے کا باعث بنیں، ان میں سے نمایاں ترین یہ ہیں کہ اسلام کا یوم حساب کا نظریہ تھا جس نے میری روح کی تاروں کو چھیڑ دیا کہ ہر مرد اور عورت اپنے اعمال کے لئے ایک انتہائی عادل اور رحیم ذات کے سامنے جواب دہ ہے دوسری یہ کہ تثلیث کی بھول بھلیاں مجھے کبھی بھی مطمئن نہ کر سکیں۔ تیسری وجہ یہ کہ قرآن کریم کا ہر قسم کی تحریف سے محفوظ ہونا جبکہ بائبل تحریف شدہ ہے

اسلام میرا انتخاب

کیوں نہ ہو ممتاز اسلام دنیا بھر کے دینوں میں
وہاں مذہب کتابوں میں یہاں قرآن سینوں میں

میں گریک نوح (GregNaaks) فورٹ ورتھ ٹیکساس کے ایک پروٹسٹنٹ (عیسائی) گھرانے میں پیدا ہوا اور پلا بڑھا، ایک عیسائی بچے کی حیثیت سے چرچ میرے لئے اخلاقی اقدار و رہنمائی کا ایک اہم ذریعہ تھا اور ایک کسوٹی تھی جو صحیح کو غلط سے اور اچھائی کو برائی سے الگ کر کے دکھاتی تھی۔ جس عیسائی فرقے سے میرا تعلق تھا وہ معقول حد تک آزاد خیال تھا، تاہم چرچ میری ذہنی یا سماجی سرگرمیوں کا لازمی جزو نہ تھا۔ شاید یہ اس لئے بھی میری دلچسپی کا مرکز نہ تھا کہ اس میں جو کچھ اتوار کو بتایا جاتا، اس کا باقی ہفتے یعنی عملی روزمرہ زندگی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا۔

کالج جانے کا وقت آیا تو میں نے ورجینیا یونیورسٹی کا انتخاب کیا، اور یونیورسٹی کا شعبہ تعمیرات و ڈیزائن، جس میں میرا داخلہ ہوا کئی طرح کے معاشرتی علوم اور بیرونی زبانوں کے کورسز بھی کرواتے تھے، تاریخ میرے لئے ہمیشہ سے پسندیدہ موضوع رہا ہے، اس لئے اس موضوع پر کورسوں کی فہرست کا جائزہ لیکر میں نے شرق اوسط کی تاریخ پر تعارفی کورس کرنے کی ٹھانی، کالج میں داخلے کے وقت عرب اور مسلم دنیا کے بارے میں میری معلومات نہ ہونے کے برابر تھیں۔ مزید برآں یونیورسٹی اور مذکورہ علاقے کے درمیان طویل فاصلہ حائل تھا، پھر بھی مجھے خیال آیا کہ یہ کورس میرے لئے مفید ثابت ہوگا، میں نے دوران تعلیم اسکول میں فرانسیسی زبان پڑھی تھی اور اب تبدیلی کا خواہشمند تھا۔ چنانچہ میں نے عربی زبان کا کورس بھی کرنے کا فیصلہ کرلیا، یوں

عربی زبان کی صورت میں ایک واضح تبدیلی میسر آ گئی۔ اس طرح دن گزرنا شروع ہو گئے حتی کہ شرق اوسط میں میری دلچسپی فن تعمیر سے بھی زیادہ ہو گئی اور ایک سال بعد یہ عالم ہو گیا ہے کہ میں اپنے شعبے کو چھوڑ کر شعبہ تاریخ میں منتقل ہو گیا، جہاں پر اب میرے کورس اور تحقیق کا محور عرب دنیا بن گئی۔ بعد ازاں میں گریجوٹ اسکول چلا گیا اور شرق اوسط کے علوم میں داخلہ لے لیا جس میں شمالی افریقہ کا وسیع علاقہ بھی شامل تھا، واشنگٹن پورٹ میں میرے نیوز ایڈیٹر بننے کے بعد سے لے کر گریجویشن تک شرق اوسط کے حالات وواقعات کا مطالعہ جاری رہا۔

ان چند کورسوں اور ان کے پڑھانے والے پروفیسروں نے درحقیقت میری زندگی کا رخ ہی بدل ڈالا۔ اس پر مستزاد یہ کہ اسلامی تعلیمات کے متعلق کلاسیں پڑھنے اور مختلف کتابوں کا مطالعہ کرنے کو کہا گیا، یوں پہلے جو کچھ محض کورس کا نصاب تھا، بتدریج میری ذات کے لئے ایک اور طرح سے اہمیت اختیار کرتا چلا گیا اور جوں جوں اسلام سے متعلق میرا مطالعہ وسیع ہوتا گیا، اسی تناسب سے اسلام میرے لئے دلچسپ اور دلکش ہوتا چلا گیا۔

کوئی تین سال کے مطالعہ، جستجو اور غور وخوض کے بعد میں نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کیا، ایک دم سے نہیں بلکہ میں نے خود سے کہا کہ فیصلہ سے پہلے خوب سوچ لو کہ اسلام قبول کرنے سے مراد کیا ہے اور ساتھ ہی عقیدہ کے علاوہ اسلام کے عملی پہلوؤں پر بھی غور کر لو جس کے متعلق ابھی تک مجھے کافی علم نہیں تھا۔ مجھ پر یہ بھی واضح ہو گیا کہ کلمہ شہادت میری زندگی کا سب سے اہم ترین واقعہ ہو گا چنانچہ میں اپنی لگن اور اہلیت کا یقین کر لینا چاہتا تھا تاکہ واقعی اس عہد کو نبھا سکوں گا جسے ایمان لانے کی صورت میں کرنے والا تھا۔ بالآخر ۱۹۸۹ء کے موسم گرما میں میں نے کلمہ شہادت پڑھ لیا۔ یہ سوال کہ میں مسلمان کیوں ہوا اکثر مسلمانوں اور غیر مسلموں سے گفتگو کے

دوران مجھ سے کیا جاتا ہے، یہ بات تو طے شدہ ہے کہ اس سوال کے جواب میں اسلام کی خوبیوں کی ایک مشینی انداز میں فہرست گنوانا، اسلام کی خوبصورتی اور دلکشی گنہانے کے مترادف ہے کیونکہ چھوٹی بڑی ہزاروں وجوہ ہیں جو میرے اسلام لانے کا باعث بنیں۔

تاہم تین نمایاں ترین باتیں یہ ہیں:

یہ اسلام کے یوم حساب کا نظریہ تھا جس نے میری روح کی تاروں کو چھیڑ دیا کہ ہر مرد اور عورت اپنے اعمال کے لئے ایک انتہائی عادل اور رحیم ذات کے سامنے جوابدہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایسا عدل جس میں رحمت کا پہلو بھی موجود ہو اس کائنات کی سب سے قیمتی شے ہے، ہمیں غلط اور صحیح میں امتیاز کر کے اس کے مطابق عمل کرنے یا نہ کرنے کا اختیار اور اہلیت دی گئی ہے، ہمارے تمام اعمال اور ارادے کسی نہ کسی مقصد کے حامل ہوتے ہیں، بے مقصد نہیں ہوتے، اسلام کے مطابق ان کے اچھے یا برے نتائج کا سامنا انسان کو کرنا پڑے گا۔

میں نے اسلام اور عیسائیت کی اخلاقی اقدار میں کافی حد تک مماثلت پائی اور اسلام نے مذہب سے متعلق کئی ایک سوالوں کے تسلی بخش جواب فراہم کر دیئے جن کا جواب عیسائیوں کے بس کی بات نہیں تھی، مثلاً توحید باری تعالیٰ نہ کہ تثلیث کی بھول بھلیاں جو کبھی بھی اطمینان بخش طریقے سے خود کو مجھ پر واضح نہ کر سکیں، جو محض الفاظ کا گورکھ دھندہ ہیں۔

ایک اور نہایت اہم بات یہ کہ ہر مسلمان بغیر کسی پادری وغیرہ کے درمیانی سہارے کے، اللہ تک رسائی رکھتا ہے اور آخری بات قرآن حکیم کا ہر قسم کی تحریف سے محفوظ ہونا کہ جس طرح یہ صدیوں پہلے محمد ﷺ کی زبان مطہرہ سے انسانیت کو موصول ہوا، آج بھی اسی خالص حالت میں محفوظ ہے اور عربی زبان میں ہے جو کہ اسی

طرح زندہ اور عروج پر ہے جیسا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے وقتوں میں تھی۔

اس کے برعکس عیسیٰ علیہ السلام آرامی زبان میں بولتے تھے لیکن بائبل یونانی زبان میں لکھی گئی، پھر لاطینی زبان اور بعد میں انگریزی، فرانسیسی، اسپینی، جرمن اور دیگر زبان میں اس کا ترجمہ ہوا مگر اس کی اپنی زبان محفوظ نہیں ہے جو کہ قرآن کے مقابلے میں پیش کی جاسکے۔ دو مختلف زبانیں جاننے والا شخص جس نے کبھی ایک سے دوسری زبان میں ترجمہ کیا ہو جانتا ہے کہ اس ترجمے کے دوران میں کچھ نہ کچھ ضرور ترجمہ ہونے سے رہ جاتا ہے مزید برآں جملوں کے معنوں میں ترجمہ شدہ بائبل کے کسی اقتباس کا حوالہ دے کر قطعیت کے ساتھ کہا جائے کہ یہ عیسیٰ یا ابراہیم علیہم السلام کے الفاظ یا تعلیمات ہیں؟ اس کے برعکس مسلمان اپنے اللہ کے فرامین تک براہ راست رسائی رکھتے ہیں اور اس طرح اپنے خالق کی منشاء کی خالص ترین شکل میں پیروی کر سکتے ہیں۔

بات صرف اتنی نہ تھی کہ مجھے مذہب کی اہمیت کا احساس ہوگیا تھا اور اسلام مسلمانوں، جن سے متعلق پہلے کچھ علم نہ تھا معلومات حاصل ہوگئی تھیں بلکہ اہم بات یہ تھی کہ انسانی زندگی کی اہم ترین ضرورت، جسے ایمان کہتے ہیں سے میرا اولین تعارف اب ہوا تھا۔ میں نے مزید کرید اور مسلمانوں اور غیر مسلموں کی لکھی ہوئی کتب کا مطالعہ کیا۔ الغرض میں نے اس تناظر میں جتنا ممکن تھا کوشش کی۔ اس سلسلے میں کیمپس میں موجود مسلمان طالب علموں سے بھی جا جا کر ملا۔ مگر جس چیز نے واقعی میری توجہ کو گرفت میں لیا وہ چند لکھنے والوں کی تحریریں تھیں جن میں خاص طور پر چارلس لیگائے ایسٹز کی معرکتہ الآرا تحریر ''اسلام اور تقدیر انسانی''، فضل الرحمٰن کی ایمان سے متعلق تجزیاتی تحریر جو ''اسلام'' کے سادہ سے ٹائٹل میں طبع ہوئی غیر مسلموں میں سے مارشل ہوجو تین جلدوں پر مشتمل ہیں۔ میں بعض اوقات آج بھی اپنے آپ کو

کتابی مسلمان کہتا ہوں، کیونکہ میں نے جستجو کے ذریعے سے جانا کہ اسلام وہ دین ہے جس میں ایسی اخلاقی تعلیمات کا پرچار ہے جو ان تعلیمات کے قریب تر ہیں جو مجھے میرے والدین نے دیں یعنی اللہ پر ایمان، تکریم انسانیت، صداقت، حسن خلق، غمگساری اور خودداری وغیرہ لیکن جو چیز اسلام کو ایک آفاقی مذہب بنادیتی ہے وہ اس کا واضح اور بھرپور نظام حیات ہے جس میں تمام اعلیٰ اقدار آپس میں گندھی ہوئی اور مربوط ہیں۔ بظاہر اسلامی تعلیمات سادہ اور آسان مگر درحقیقت نہایت پر مغز اور ارفع درجے کی ہیں ''لا الہ لا اللہ '' یوں تو چند الفاظ ہیں جو زبان سے تین سیکنڈ میں ادا ہوجاتے ہیں مگر ایک انسان اس کی حقیقت کو پانے میں زندگی کھپا سکتا ہے۔

جب سے میں مسلمان ہوا ہوں، میرے علم میں وسعت آئی ہے اور معلوم ہوا ہے کہ ایمان کس چیز کا نام ہے حالانکہ میں ابھی اسلام کی ہمہ گیر تعلیمات کا محض اجمالی مطالعہ کرسکا ہوں۔ نیز میں دنیا بھر میں پھیلی ہوئی مسلم امہ کی ہمہ جہتی پہلوؤں اور مسلمانوں کی مختلف نظریات و آراسے بھی متاثر ہوا ہوں جو متنوع کے جغرافیائی، نسلی اور لسانی پس منظر رکھنے کے باوجود ایک امت ہیں۔ یہ وسعت اور ہمہ گیری اس تصور کے برعکس ہے جو اسلام لانے سے پہلے میں رکھتا تھا اور اسلام کو محض چند رسموں تک ہی محدود خیال کرتا تھا۔ اب معاملہ قطعاً مختلف ہے اور میں اس قابل ہوں کہ اسلام کی ہمہ گیری کا ادارک کرسکوں، ایک ایسے دین کا جو تمام وقتوں کے تمام لوگوں کے لئے ہے اور میری طرح اسلام لانے والوں (جنہوں نے اسلام کا انتخاب ترجیحاً کیا ہے) کے خیال میں موجودہ دور اسلام کی ترغیب دلانے اور اسلام کے لحاظ سے ولولہ انگیز ترین ہے۔

بی بی سی کے ڈائریکٹر جان برٹ نے بتایا کہ ان کا بیٹا تبلیغ اسلام میں مصروف رہتا ہے اس نے اپنا مغربی لباس بھی ترک کردیا ہے اور شلوار قمیص میں نظر آتا ہے سر پر ہمیشہ ٹوپی رہتی ہے تسبیح ہاتھ میں رہتی ہے اور اکثر قرآن کی آیات کی تلاوت کرتا رہتا ہے۔

جوناتھن سے یحییٰ تک

بی بی سی لندن کے سخت گیر ڈائریکٹر جنرل جان برٹ کے بیٹے جوناتھن برٹ نے اسلام قبول کرلیا ہے اور ۲۴ سالہ صحافیہ فوزیہ بورا سے شادی کرلی ہے اسنے اپنا اسلامی نام یحییٰ رکھا ہے بتایا جاتا ہے کہ جواس کے نام جوناتھن کا یہ عربی ترجمہ ہے نومسلم یحییٰ کی ملاقات فوزیہ سے ۱۹۹۶ء میں ہوئی تھی ایک دوست نے بتایا کہ ایک لیکچر سننے کے لئے جب دونوں یکجا ہوئے تو فوزیہ کے اسلامی طور طریقے دیکھ کر یحییٰ اسے بڑی عقیدت سے چاہنے لگا فوزیہ آکسفورڈ یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہے اور وہ (دوروسطیٰ کی مصری تاریخ میں) ماسٹر آف فلاسفی کی ڈگری کے لئے تعلیم حاصل کررہی ہے۔اس سے قبل وہ اسی یونیورسٹی سے انگریزی زبان میں فرسٹ کلاس آنرز ڈگری حاصل کرچکی ہے۔

اسلام سے رغبت اور اسلام قبول کرنے کی آمادگی کی وجہ اس کا ایک مسلم دوست بنا اس مسلم دوست نے مذہب کے متعلق جوناتھن یحییٰ کا رویہ اور نقطہ نظر بلکل بدل کر رکھ دیا اور وہ خود بھی رکھ رکھاؤ طور طریقوں نشست و برخاست میں بدلتا چلا گیا۔

مسلم دوست سے اُس کا تعلق اِس طرح قائم ہوا کہ یہ مسلم دوست اُسی کے ساتھ ایک ہی فلیٹ میں رہتا تھا تعلیم مکمل کرنے کے بعد جوناتھن (یحییٰ) نے ایک اسلامی مرکز پر کام کرنا پسند کیا کیونکہ اسنے سوچا کہ اس طرح اسے اسلام کا مطالعہ کرنے اور سمجھنے کا اچھا موقع ملے گا۔اس مرکز پر واحد یورپی شخص ہے جو لوگوں کو عربی زبان اور اسلامی ادب و تاریخ اور دوسرے اسلامی موضوعات سے متعلق کتابوں کی معلومات فراہم کرتا ہے اس اسلامی مرکز پر اس کا کام موسم گرما کی تعطیلات تک ہے جس کے

بعد وہ یہاں سے روانہ ہو کر اپنی یونیورسٹی میں تعلیم کا سلسلہ پھر شروع کرے گا اس نے اپنا مغربی طور طریقہ یورپی رنگ ڈھنگ سب ترک کر دیا ہے اور اپنا نام یحییٰ رکھ لیا ہے اب جب وہ گفتگو کرتا ہے تو اللہ کا نام اور قرآن کریم کی تلاوت کی آیات کا حوالہ بھی اس میں ہوتا ہے۔ فوزیہ سے اس کی شادی گزشتہ ماہ ہوئی تھی جس کے بعد دونوں نے شام اردن مشرقی بیت المقدس کا دورہ کیا۔

بی بی سی لندن کے ڈائریکٹر جان برٹ نے بتایا کہ اب اُنکا بیٹا تبلیغ اسلام میں مصروف رہتا ہے۔

اُسنے اپنا مغربی لباس بھی ترک کر دیا ہے اور شلوار قمیض میں نظر آتا ہے سر پر ہمیشہ ٹوپی اور ہاتھ میں تسبیح رہتی ہے اور اکثر قرآن پاک کی آیات تلاوت کرتا رہتا ہے۔

میرے والدین مجھے عبادت کیلئے ہر اتوار چرچ لے جانے لگے میں پادری کی تقریریں سنتا جن کا دین سے کوئی تعلق نہ ہوتا چرچ میں تین خداؤں کی تعلیم دی جاتی۔

اور حضرت مریم کا بت بھی رکھا رہتا تھا جسے عیسائی پیروکار بڑی عقیدت سے پوجتے میں بڑی بے چینی سے سوچتا کہ یہ بت کسی کی کیا مرادیں پوری کریگا۔

پولوس مسیح سے عمر فاروق تک

اُٹھ کہ تا ساری ماحول سے صف آراء ہو
زندگی نام ہے ماحول سے لڑتے رہنا

میرا نام پولوس مسیح ہے، میں ۱۸ اکتوبر ۱۹۷۰ء کو کوئٹہ میں پیدا ہوا عیسائی گھرانے میں پرورش پائی اور مڈل تک تعلیم حاصل کی۔ جیسے ہی میں نے ہوش سنبھالا میرے والدین مجھے عبادت کے لئے ہر اتوار کو چرچ لے جانے لگے۔ میں پادری کی تقریریں سنا کرتا تھا جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا۔ جیسے جیسے میری عمر بڑھنے لگی میرے دل و دماغ بے چینی کا شکار رہنے لگے اور پادری کی غیر حقیقی تعلیمات مجھے ذہنی سکون فراہم کرنے سے قاصر رہیں۔ چرچ میں تین خداؤں کی تعلیم دی جاتی تھی اور حضرت مریم کا بت بھی رکھا رہتا تھا جسے عیسائی پیروکار بڑی عقیدت سے پوجتے اور نذر و نیاز بھی چڑھاتے جس کا مقصد دنیوی اور اخروی زندگی کی بہتری کے لئے مرادوں کا حصول تھا۔ میں بڑی بے چینی سے سوچتا تھا کہ یہ بت کسی کی کیا مرادیں پوری کرے گا جو اپنے اوپر سے مکھی تک ہٹا نہیں سکتا۔ میں ان باتوں سے بڑا بیزار ہوتا تھا، اسی دوران میری کوئٹہ سے لورالائی تبدیلی ہوگئی۔ ایک دن میری ملاقات صوبیدار محمد منیر اظہر سے ہوئی جو بڑی شفقت سے میرے ساتھ پیش آئے، میں نے ان سے درخواست کی کہ مجھے اسلام کے بارے میں بتائیں، انہوں نے میری درخواست قبول کرتے ہوئے مجھے دین اسلام کے متعلق آگاہ کرنا شروع کر دیا۔ میں ان کے اخلاق اور باتوں سے بڑا متاثر ہوا، ان کا طریقہ گفتگو اور قرآن کی تلاوت کا انداز ہی دل موہ لینے والا تھا۔ بالآخر میں نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا، وہ مجھے مولانا ممتاز احمد

صاحب، خطیب مرکزی جامع مسجد لورالائی کے پاس لے گئے۔ یہ جمعہ ۲۷ جون ۱۹۹۷ء کی بات ہے میں نے کلمہ طیبہ پڑھ کر اسلام قبول کرلیا اور میرا اسلامی نام محمد عمر فاروق رکھا گیا اسلام قبول کرنے کے بعد میں نے صوبیدار صاحب سے درخواست کی کہ مجھے قرآن مجید پڑھایا کریں، انہوں نے مجھے ابتدائی عربی کا قاعدہ پڑھایا اور میں نے بڑے شوق سے جلد از جلد عربی سیکھنے کی کوشش کی۔ خدا کا شکر ہے کہ اب میں نے قرآن پڑھنا شروع کردیا ہے۔ اور اسلام کے بارے مین کافی معلومات حاصل ہورہی ہیں اور میں بڑی خوشی محسوس کرتا ہوں۔ میرے چار بچے ہیں جنہوں نے مجھ سے متاثر ہوکر اسلام قبول کرلیا ہے۔

میں قبول اسلام کے بعد لورالائی سے کوئٹہ اپنے گھر گیا جہاں میرے والدین اور بہن بھائی ہیں۔ عصر کا وقت تھا، میں نے وضو کر کے گھر میں نماز پڑھنی شروع کردی، یہ دیکھ کر خاندان کے سب افراد حیران رہ گئے، کہ ایسی نماز تو مسلمان پڑھتے ہیں۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو گھر والوں نے پوچھا کہ کیا تو مسلمان ہوگیا ہے؟ میں نے کہا اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ دین اسلام سچا مذہب ہے جو میں نے بڑے غور وفکر کے بعد قبول کرلیا ہے۔ میرے گھر والوں نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا، جو اکثر ہوتا ہے، بلکہ خوشی کا اظہار کیا اور کہا کہ اللہ کے سب دین اور نبی سچے ہیں، کسی کی بھی پیروی کرو، ہمیں تمہارے قبول اسلام پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ اگر انسان کو کوئی انمول نعمت مل جائے تو وہ اپنے قریب ترین لوگوں کو حصہ دار بنانے کی کوشش کرتا ہے، اب میری یہ کوشش ہے کہ میرے خاندان کے سب افراد اللہ کی ہدایت قبول فرمائیں اور دین حق کو قبول کرکے اپنی دنیوی واخروی زندگی کو بہتر بنائیں۔

میں باقاعدگی سے نماز اور قرآن پڑھتا ہوں اور سنت رسول ﷺ کے مطابق

داڑھی رکھ لی ہے۔ میں جب اپنے کسی مسلمان بھائی سے ملتا ہوں تو السلام علیکم کہتا ہوں اور یوں تعارف کے مراحل پل بھر میں طے ہو جاتے ہیں۔ اب ساری امت مسلمہ میرا خاندان ہے، میری طرح اور بے شمار افراد ہیں جو اسلام کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ انہیں اگر دین اسلام کے بارے میں بتایا جائے تو وہ دلچسپی بھی لیتے ہیں اس لئے اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ ایسے گمشدہ لوگوں کو اسلام کے قریب لایا جائے اس سلسلے میں میری درخواست ہے کہ دعوۃ اکیڈمی کو مسلمانوں کے تربیتی پروگرام کرنے کے ساتھ ساتھ اسلام سے متعلق جاننے اور دلچسپی رکھنے والے غیر مسلم افراد کے لئے بھی تعارفی پروگرام منعقد کرنے چاہئیں۔

آکسفورڈ یونیورسٹی کے زمانہ طالب علمی میں میں نے یہ بات محسوس کی کہ مسلمان سفید فام ترکوں اور سیاہ فام حبشیوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے۔ یہ دیکھ کر میرے ذہن میں ان کے قریب جانے کی خواہش پیدا ہونے لگی اور اب میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اسلام کی مساوات کی تعلیم نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا۔

مسٹر اے۔ ایچ پینڈر

بتان رنگ وخون کو توڑ کر ملت میں گم ہوجا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی ، نہ افغانی

مسٹر اے۔ ایچ پینڈر برطانیہ کے ایک خوشحال گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد جو بیان دیا وہ حسب ذیل ہے ملاحظہ ہو:

بلاشبہ میرا آبائی مذہب عیسائیت ہے اور اسی لئے ایک مذہبی خاندان کا ایک فرد ہونے سے مجھے ایسی کتابیں پڑھنے کا موقع ملا جن میں اسلام کو ایک غیر ترقی پسند اور وحشیوں کا مذہب ثابت کیا گیا ہے۔ میں عربی نہیں جانتا تھا اور انگریزی میں اسلام پر جو کتابیں ملتیں اگرچہ ان کے مطالعہ سے اسلام کی حقیقت سے واقف تو نہ ہوسکا۔ مگر ان کے مطالعہ کے بعد اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ اسلام کے متعلق وہ رائے نہ رہی جو میں نے اس کے خلاف لکھی ہوئی کتابوں کے مطالعہ کے بعد قائم کرلی تھی اب مجھے محسوس ہوا کہ اسلام کی تحقیق ضرور کرنی چاہئے۔

میں نے آکسفورڈ یونیورسٹی میں تعلیم پائی ہے۔ وہاں مصر، ہندوستان اور دوسرے ملکوں کے مسلمان نوجوان بھی تعلیم حاصل کرنے آتے ہیں میں ابتداء میں ان سے علیحدہ رہا کرتا تھا۔ لیکن جب میں نے محسوس کیا کہ تہذیب وشائستگی میں یہ مسلمان کسی طرح دوسروں سے کم نہیں۔ اور ان میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ سفید فام ترکوں اور سیاہ فام حبشیوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے۔ یہ دیکھ کر میرے ذہن میں ان کے قریب جانے کی خواہش پیدا ہونے لگی۔ اور اب میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اسلام کی مساوات کی تعلیم نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا۔

اب میرے لئے اسلام کے دروازے کھل گئے اور میں نے اس کا مطالعہ اس نظریہ کے تحت کیا کہ اسلام سے دنیا کو کیا فائدے پہنچتے ہیں۔ میرے اس سوال کے اطمینان بخش جواب نے مجھے اسلام قبول کرنے پر آمادہ کیا۔ اسلام کا مطالعہ کرنے سے یہ محسوس ہوا کہ وہ امن ومحبت کا حامی ہے۔ اس سلسلہ میں مجھ پر سب سے زیادہ جس حقیقت نے اثر کیا وہ یہ تھی کہ اگرچہ میرے مذہب کے عالم ہر لحاظ سے اسلام کی مخالفت کرتے ہیں۔ لیکن اسلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی اور یہودیوں کی طرف سے حضرت مسیح پر لگائے گئے الزامات کی تردید کی۔ نیز اسلام نے عیسائیوں کو اہل کتاب قرار دیا۔ اس نتیجہ پر پہنچ کر میں نے یہ بھی معلوم کرنا چاہا۔ کہ اسلام نے مسلمانوں کو جو تعلیم دی تھی مسلمانوں نے اسے اپنی زندگی میں کس حد تک قائم رکھا۔ اور یہ دیکھ کر مجھے بے حد سکون ہوا کہ اسلام نے جو کچھ کہا تھا مسلمانوں نے اس پر پوری طرح عمل بھی کیا تھا اس حقیقت کے معلوم ہونے پر میری رائے بدل گئی اور میں اس نتیجہ پر پہنچ گیا کہ اسلام کا ظہور دنیا کے لیے رحمت کا باعث ہوا اور اس کے عقائد کو انسانی فلاح وبہبود کے تصور پر مبنی پایا۔ مثلاً اس نے انسان کو خدا کی وحدانیت پر ایمان لانے کی دعوت دے کر اس کے دماغ کو توہمات سے آزاد کر دیا۔ اس کے غور وفکر کی قوتوں کو عمل کی دعوت دی۔ اس نے نماز کے ذریعہ سے انسانوں کے سماجی امتیاز کو ختم کر دیا۔ روزہ رکھنے کا حکم دے کر اسے دولت مندوں کے دلوں میں اس احساس کو ابھارا ہے کہ انہیں ان لوگوں کی تکلیفوں کو نہیں بھولنا چاہیے جو فاقہ کرنے مجبور ہو جاتے ہیں۔ زکوٰۃ کے ذریعے سے ایک طرف تو ضرورت مندوں کی حاجت روائی کی دوسری طرف دولت کو ایک جگہ جمع ہونے سے سماج میں جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں انہیں نہایت اچھے انداز سے دور کر دیا۔ الغرض جب میں نے روحانی اور مادی پہلوؤں سے اسلام کا مطالعہ کیا تو پھر میرے لئے اسے قبول نہ کرنا ممکن نہیں تھا چنانچہ آج میں اپنے مسلمان ہونے پر فخر

محسوس کرتا ہوں۔ اور صدق دل سے کہتا ہوں ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ''

میں گرجا گھر میں پادری کے عہدے پر فائز تھا۔لیکن میرا دل عیسائی مذہب سے مطمئن نہیں تھا۔اِسی دوران مسلمان داعیوں اور مبلغوں سے میری ملاقات ہوئی۔جنکی دعوت وتبلیغ اور اسلامی تعلیمات میرے دل میں جاگزیں ہوگئیں۔ یوں عیسائیت سے قطع تعلق کر کے گرجا کی تمام ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوگیا۔

عیسائی پادری کا قبول اسلام

رفعتوں کی جستجو میں ٹھوکریں تو کھا چکے
اب آستان یار پر سر جھکا کر دیکھیے

عیسائی مذہب کے ایک بہت بڑے عالم اور کیسوموشہر (ممباسا، کینیا) کے گرجا گھر کے پادری جان فانویل اکومو(John Fanvel Ukumu) نے اسلام قبول کرلیا۔

وہ کہتے ہیں کہ وہ کتالی (Kitale) نامی شہر کے اندبیں قصبہ میں ۱۹۵۵ء میں پیدا ہوئے ان کے والدین کا مذہب عیسائی ہے۔ ابتدائی تعلیم کے لئے ایک عیسائی اسکول میں داخلہ لیا جو سرکاری حکومت کی نگرانی میں چلتا تھا اور ثانوی درجات کی تعلیم تیسالیا کی ایک تعلیم گاہ میں حاصل کی، پھر کیسوموشہر کے قریب ایک بستی خاسوکو میں اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کر کے سند فراغت حاصل کی۔

اس کے بعد ''موماس'' کی شکر مل میں کام کرنے لگے پھر کینیا کی ربڑ فیکٹری میں نوکری کی اور ۱۹۸۷ء میں وہاں کے گرجا گھر کے پادری بھی مقرر ہو گئے تھے۔

جان فانویل اکومو کہتے ہیں کہ میں کئی سال تک گرجا گھر کے اس عہدے پر مستعدی کے ساتھ کام انجام دیتا رہا لیکن میرا دل عیسائی مذہب سے مطمئن نہیں تھا، میں اسی بے چینی میں تھا کہ میں اسلام کے مطالعہ اور اس کی حقانیت کو جاننے اور مسلمانوں کی صالح زندگی کی طرف راغب ہو گیا۔ اس سلسلہ میں مجھے اسلامی کتابیں بھی حاصل ہو گئیں۔ میں نے ان کا بغور مطالعہ کیا۔ اسی دوران مسلمان داعیوں اور مبلغوں سے میری ملاقات ہوگئی۔ جن کی دعوت و تبلیغ سے اسلامی تعلیم و اسلامی طریقہ

زندگی کی روحانیت اور مذہب کی حقانیت میرے دل میں جاگزیں ہوگئی، یہاں تک کہ مجھے یہ یقین ہوگیا کہ اسلام ہی وہ حقیقی دین ہے جو معبود حقیقی اللہ رب العزت کی عبادت کی تعلیم دیتا ہے چنانچہ میں نے اسلام میں داخل ہونے کا فیصلہ کرلیا اور عیسائی مذہب سے اپنا تعلق منقطع کر کے گرجا گھر کی تمام ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوگیا۔

جان فانویل اکوموکہتے ہیں کہ نیروبی شہر کی جامع مسجد میں ۶ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ مطابق ۲۳ مئی ۱۹۹۶ء بروز جمعرات کلمہ شہادت

﴿ اشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له واشهد ان محمد عبده ورسوله ﴾

پڑھ کر ایک بڑے مجمع کے سامنے اسلام قبول کر کے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کردیا۔

انہوں نے اسلام لانے کے بعد دار الارقم کی اسلامی تنظیم ''مجلس المعارف الاسلامیہ'' سے اپنا تعلق قائم کرلیا ہے اور اب وہ ایمان کی بنیادی چیزیں اور اسلام کے عملی ارکان سیکھ رہے ہیں اور اسلامی طرز کی زندگی گذار رہے ہیں۔ یہ اپنے قصبہ کے تنہا مسلمان ہیں جنہوں نے اپنا نام ''یحیٰی جمعہ'' رکھا، ان کا عزم ہے کہ عنقریب وہ اپنے والدین اہلیہ اور خاندان والوں کو اسلام کی دعوت دیں گے۔

ان کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کے دلوں کو دین حق کے لئے کھول دے۔ اور ہدایت کے چشمہ فیض سے سرشار فرمائے۔

☆ ☆ ☆ ☆

میں نے پڑھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں یہ بات میری سمجھ میں نہ آئی پھر میں نے پڑھا کہ دنیا کے لوگ برے برے کام کرتے ہیں یہ سب گناہ گار ہیں جو جہنم میں جھونک دینے کے قابل ہیں لیکن اپنے بندوں کو جہنم میں جھونکنا یہ بھی خدا کو پسند نہیں اس لئے اس نے یہ کیا کہ تمام گناہوں کے بدلے اپنے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کی قربانی قبول کر لی اور انہیں پھانسی دلوائی۔ یہ بات تو میرے بالکل ہی پلے نہ پڑی کہ کرے کوئی بھرے کوئی۔

ویلبسٹر سے محمد جان تک

اٹھ! کہ نا سازی ماحول سے صف آراء ہو
زندگی نام ہے ماحول سے لڑتے رہنا

ویبسٹر صاحب لندن کے رہنے والے ہیں پہلے وہ عیسائی تھے بعد میں مسلمان ہو گئے۔ اب وہ اسلام پھیلانے میں تن من دھن سے مصروف ہیں لندن میں انہوں نے اسلام پھیلانے کا مرکز قائم کیا جس کا نام ''اسلامک پلیٹ فارم'' ہے۔ وہ اپنے مسلمان ہونے کی کہانی اس طرح سناتے ہیں:

میں لندن کے ایک ایسے گھرانے میں پیدا ہوا جو نہ زیادہ مالدار تھا نہ غریب۔ جب میں دس برس کا ہوا تو عیسائی مذہب میرے دل میں گھر کر چکا تھا میں بچپن سے ہی یوں دعا کرتا تھا۔

''اے میرے سچے مالک میں اپنی ساری زندگی تیری راہ میں لگاتا ہوں مجھے سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق دے''

جب ذرا بڑا ہوا تو عیسائی مذہب پر لکھی ہوئی کتابیں بڑے غور سے پڑھنے لگا۔ خدا کی کتاب انجیل کو خاص طور پر پڑھتا تھا لیکن جب میں نے ان کتابوں میں پڑھا کہ خدا ایک بھی ہے اور تین بھی۔ تو مجھے بہت الجھن پیدا ہوئی یہ بات میری سمجھ میں نہ آئی۔

پھر میں نے پڑھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں یہ بات بھی میری سمجھ میں نہ آئی پھر میں نے پڑھا کہ دنیا کے لوگ برے برے کام کرتے ہیں یہ سب گناہ گار ہیں جو جہنم میں جھونک دینے کا قابل ہیں لیکن اپنے بندوں کو جہنم میں جھونکنا

خدا کو پسند نہیں اس لئے اس نے یہ کیا کہ تمام گناہوں کے بدلے اپنے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کی قربانی قبول کر لی۔ انہیں پھانسی دلوائی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی جان لے کر سارے بندوں کے گناہوں کو معاف کر دیا اب عیسائی چاہے کیسے ہی برے کام کریں وہ جنت میں ہی جائیں گے۔

یہ بات تو میرے بالکل ہی پلے نہ پڑی کہ کرے کوئی بھرے کوئی۔ یہ کیا کہ برے کام بھی کرتے رہیں پھر جنت بھی ملے یہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے مجھے عیسائی مذہب سے نفرت ہو گئی اور کچھ عرصہ بعد میں نے عیسائی مذہب ترک کر دیا۔

مذہب ترک کرنے کے بعد ایسے لوگوں سے ملنے کا موقع ملا جو کسی بھی مذہب کو نہیں مانتے یہ لوگ کمیونسٹ تھے۔ لیکن جب میں نے کمیونسٹوں کی کتابوں، باتوں اور کاموں کا جائزہ لیا تو مجھے سب سے زیادہ برے لوگ یہی نظر آئے۔ چنانچہ کمیونسٹوں سے مجھے بہت نفرت ہوگئی۔ میں نے سوچا کہ دین ومذہب چھوڑنے سے ہی کمیونسٹوں میں برائیاں پھیل رہی ہیں اس لئے میں نے اُن کا ساتھ بھی چھوڑ دیا۔

میں نے عیسائیوں کو چھوڑا کمیونسٹوں کو چھوڑا۔ سوچتا تھا کہ اب کہاں جاؤں بہت دنوں تک سوچنے کے بعد یہ طے کیا کہ دنیا کے تمام مذہبوں کو جانچنا چاہئے۔ اس لئے میں یونیورسٹی کی لائبریری کا ممبر بن گیا۔ میں نے بدھ مذہب کی کتابیں پڑھیں، ہندو دھرم کی کتابیں پڑھیں، جین دھرم کی کتابیں پڑھیں، پارسی مذہب کی کتابیں پڑھیں اور بہت سے مذہبوں کی کتابیں پڑھیں۔ ان پر غور کیا جانچا پرکھا مگر مجھے اطمینان نصیب نہ ہوا۔ اب خدا کی مہربانی دیکھئے کچھ دنوں کے بعد مجھے ایک کتاب ”روڈ ٹو مکہ“ مل گئی اسے پڑھا تو دین اسلام کچھ سمجھ میں آیا۔ حضرت محمد ﷺ کا ٹھیک ٹھیک حال پڑھا تو مجھے حضور سے محبت ہوگئی میں نے پڑھا۔

”چالیس سال کی عمر میں حضرت محمد ﷺ پر اللہ کا فرشتہ نازل ہوا اس نے کہا“

پڑھ" آپ نے جواب دیا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں میں کیسے پڑھ سکتا ہوں"۔

یہ پڑھ کر میں نے دل میں کہا کیسے سچے انسان تھے کہ صاف صاف بتادیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں"۔

اس کے بعد میں نے پڑھا کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنی بیوی (خدیجہؓ) سے فرشتے کے نازل ہونے کا ذکر کیا تو انہوں نے جواب دیا:

"آپ نے کبھی برائی نہیں کی آپ کو کوئی دھوکا نہیں دے سکتا میرا دل گواہی دیتا ہے کہ آپ پر اللہ کا فرشتہ نازل ہوا ہے آپ اللہ کے نبی ہیں اور میں آپ پر ایمان لاتی ہوں"۔

یہ گواہی پڑھ کر میں دنگ رہ گیا ہر بیوی اپنے شوہر کی اچھائی اور برائی کو خوب اچھی طرح جانتی ہے۔ دن رات گھر کے اندر وہ ہر طرح شوہر کو پرکھتی ہے کسی نے آج تک ایسی گواہی نہیں دی۔ پھر جب بیوی ایسا کہتی ہے تو سچ مچ حضرت محمد ﷺ اللہ کے نبی ہیں پھر قرآن کو غور سے پڑھنا شروع کیا تو ایک دن میرے دل وزبان سے آپ سے آپ نکلا: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اس طرح میں مسلمان ہوگیا۔

میں نے اپنی زندگی کے ابتدائی پچیس سال خدا کے تصور کے بغیر گزارے میری زندگی ایک مادہ پرست انسان کا رول ماڈل یا نمونہ تھی ایک مرتبہ اسکول کی زندگی میں قرآن مجید کا ترجمہ بھی پڑھ ڈالا وہ بڑا بامعنی اور منطقی تھا بعد میں فوٹوگرافی کے پیشہ سے منسلک ہوا ایک خوبصورت جزیرے میں موسم خزاں کے رنگوں کی عکاسی کر رہا تھا اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے خزاں کے رنگ میرے کیمرے کے رول میں رنگ بکھیر رہے تھے میں عجیب وغریب احساس میں ڈوبا ہوا تھا یہ شاید اللہ تعالیٰ کی قدرت کے وجود کا احساس تھا میں سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ اس کائنات خالق مطلق کوئی نہ کوئی ذات ضرور ہے جسے مسلمان اللہ کہتے ہیں۔

میں دہریہ تھا

تدبیر سدا راست آتی نہیں اکبر
انسان کی طاقت کے سوا بھی ہے کوئی چیز

کھلتے ہوئے عقدے نظر آتے ہیں ہزاروں
معلوم ہوا عقدہ کشا بھی ہے کوئی چیز

میرا اسلامی نام ابراہیم کارلسن ہے۔ میں ایک غیر مذہبی سوئڈش گھرانے میں پیدا ہوا۔ میرے گھر کے لوگ ایک دوسرے سے بے حد محبت کرنے والے تھے اور گھر کا ماحول بے حد پرسکون تھا۔ اپنی زندگی کے ابتدائی ۲۵ سال میں نے اس تصور کے بغیر گزارے کہ خدا کا وجود ہے یا روحانی زندگی بھی کوئی چیز ہوتی ہے؟ حقیقت میں میری شخصیت ایک مادہ پرست انسان کا رول ماڈل نمونہ تھی۔ بچپن میں میرے لئے مسلمان ایسے لوگ تھے جو لمبے عبا نما لبادے پہنتے تھے اور ان کی عورتیں سر کے بالوں کو اسکارف سے ڈھکتی تھیں تاہم مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ لوگ کہاں سے آتے تھے؟

ہائی اسکول کے زمانے میں ایک مرتبہ اسکول لائبریری سے مجھے قرآن مجید کا ایک ترجمہ مل گیا اور میں نے اس کا کچھ حصہ پڑھ ڈالا۔ مجھے یہ تو یاد نہیں کہ میں نے قرآن مجید کی کون سی آیات پڑھی تھیں تاہم جو کچھ میں نے پڑھا وہ بڑا بامعنی اور منطقی تھا۔ اس وقت بھی میری دنیا میں اللہ تعالیٰ کے تصور کی کوئی گنجائش نہیں تھی اور نہ میں یہ جاننے یا تحقیق کرنے کی ضرورت محسوس کرتا تھا۔ میرا مطلب ہے کہ سائنسی نقطہ نظر سے میرے لئے نیوٹن کا فلسفہ ہی کافی تھا جو یہ بتاتا تھا کہ کائنات کس طرح کام کر رہی

ہے؟ وقت گزرتا گیا، میں نے گریجویشن کرلیا اور عملی زندگی میں قدم رکھا۔ میں نے کافی دولت کمائی اور اپنے ذاتی اپارٹمنٹ میں منتقل ہوگیا۔ اب میرا زیادہ تر وقت اپنے پرسنل کمپیوٹر پر گذرتا تھا۔ میں ایک پیشہ ور فوٹو گرافر بن چکا تھا۔ میں کافی وقت فوٹو گرافی کرتا تھا۔ ایک مرتبہ میں ایک مارکیٹ کی دستاویزی فلم کے سلسلے میں فوٹو گرافی کررہا تھا کہ ایک ناراض شخص جو یقیناً تارک وطن تھا، میرے قریب آیا اور غصے میں بولا کہ میں اس کی والدہ اور بہن کی تصویر نہ کھینچوں۔ میں نے معذرت کی اور سوچنے لگا کہ یہ مسلمان کس قدر عجیب لوگ ہیں۔

ان ہی دنوں میرا رابطہ سوئڈن میں ''اسلامک انفارمیشن آرگنائزیشن'' سے ہوا۔ میں نے ان کا ایک نیوز لیٹر پڑھا جس میں یوسف علی کے قرآن پاک کا اشتہار بھی تھا۔ اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے میں نے قرآن پاک کا یہ نسخہ حاصل کرلیا۔ میں نے قرآن کا بیشتر حصہ پڑھ ڈالا۔ اس کی باتیں بے حد خوبصورت، دل نشین اور منطقی تھیں۔ تاہم ابھی تک اللہ تعالیٰ کا تصور میری زندگی میں داخل نہیں ہوا تھا۔ ایک سال کے بعد میں ایک بے حد خوبصورت جزیرے میں موسم خزاں کے رنگوں کی عکاسی کررہا تھا۔ کیمرہ میرے ہاتھ میں تھا اور ادھر اُدھر بکھرے ہوئے خزاں کے رنگ میرے کیمرے کے رول میں منتقل ہورہے تھے۔ اچانک میں نے نہایت عجیب وغریب احساس میں ڈوبا ہوا خود کو محسوس کیا۔ میں اس احساس کو کوئی نام دینے سے قاصر ہوں، لیکن ایک سنسنی سی میرے رگ وپے میں دوڑ رہی تھی، میرے آس پاس پھیلی ہوئی دنیا عجیب رنگ بکھیر رہی تھی اور مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میری شخصیت ان رنگوں کا منبع، مخرج یا شاید مرکز ہے۔ یہ بے حد عجیب وغریب کیفیت تھی جس سے میں دوچار تھا۔ میں نے ایسا اس سے پہلے کبھی محسوس نہیں کیا۔ میری پوری شخصیت اور میرے جسم کا انگ انگ توانائی کا خزانہ محسوس ہورہا تھا۔ میں محسوس کر

رہا تھا کہ شاید قدرت یا اللہ تعالیٰ کے وجود کا احساس تھا جو میرے شعور کو ہلائے ڈال رہا تھا۔ وہ لمحہ کہ جب کسی دلیل اور کسی محبت کے بغیر میں یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ اس کائنات کا خالق مطلق کوئی نہ کوئی ذات ضرور ہے جسے مسلمان ''اللہ'' کہتے ہیں اور عیسائی ''گاڈ'' کے نام سے پکارتے ہیں۔ میں نے اس لمحے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور ان دیکھی توانائی سے لطف اندوز ہونے لگا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ جب مائکروسافٹ نے ونڈوز ۹۵ پروگرام متعارف کرایا تھا اور کمپیوٹر کی صنعت میں انقلاب برپا ہوگیا تھا۔ میں نے بھی کمپیوٹر کو مائکروسافٹ نیٹ ورک سے منسلک کرلیا۔ جلد ہی ''اسلام بی بی ایس'' میرے رابطے میں آگیا۔ یہ مائکرو سافٹ نیٹ ورک کا ایک انتہائی دلچسپ پروگرام تھا۔ اس پروگرام کے ذریعے میری ملاقات ایک امریکی خاتون شاہدہ سے ہوئی شاہدہ نے حال ہی میں اسلام قبول کرلیا تھا۔ ہم جلد ایک دوسرے کے مزاج سے آشنا ہوگئے اور ہمارے درمیان قلمی دوستی کا گہرا رابطہ کمپیوٹر آن لائن کے ذریعے قائم ہوگیا۔ ہم ای میل کے ذریعے ایک دوسرے کو خط بھیجتے رہے، صرف چھ ماہ کے عرصے میں میرے ای میل باکس میں ۳ میگا بائیٹ کے پیغامات جمع ہوگئے تھے۔ میں نے اور شاہدہ نے اسلام کے بارے میں اور بالخصوص وجود باری تعالیٰ پر اپنے اپنے خیالات اور عقائد کا کھل کر اظہار کیا۔ شاہدہ نے اللہ تعالیٰ کے وجود کی حقانیت، بندے اور رب کے باہمی تعلق اور اسلام کے بارے میں میرے تصورات کو درست اور راسخ کرنے میں میری بہت مدد کی۔ وہ بے حد صابر خاتون تھی اور میرے ہر سوال کا جواب اس کے لئے ایک چیلنج بن جاتا تھا اور وہ مجھے مطمئن کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتی تھی۔ وہ میرے احمقانہ سوالات کا جواب بھی بے حد سنجیدگی سے دینے کی کوشش کرتی تھی۔ وہ ہر مرتبہ مجھ سے کہتی تھی کہ میں اپنے دل کی آواز کو سننے اور سمجھنے کی کوشش کروں تو میں سچائی کو پالوں گا اور اللہ رب العزت کی

ذات سے معرفت مجھے حاصل ہو جائے گی۔

میں نے اللہ تعالیٰ کی ذات کا شعور اپنی توقع سے بہت پہلے حاصل کر لیا۔ میں ایک مرتبہ بس میں اپنے گھر کی طرف جا رہا تھا۔ میرے آس پاس بیٹھے ہوئے بیشتر لوگ سو رہے تھے اور میں بس کی کھڑکی کے باہر پھیلے ہوئے حسین اور دلفریب منظر سے لطف اندوز ہو رہا تھا یہ غروب آفتاب کا وقت تھا۔ سورج کی سنہری کرنیں آسمان پر پھیلے ہوئے بادلوں پر پڑ کر منعکس ہو رہی تھیں اور ہر طرف گلابی اور زرد رنگ بکھر رہے تھے۔ رنگوں کے انتشار، ان کی جگمگاہٹ اور دل فریبی نے مجھ پر عجیب سی کیفیت طاری کر دی۔ فطرت کا یہ حسن پکار پکار کر مجھ سے کہہ رہا تھا کہ میں اپنے خالق کی نشانی ہوں، مجھے پہچاننے کی کوشش کرو، مجھے سمجھو۔ تم کوئی روبوٹ نہیں ہو۔ تم ایک جیتے جاگتے انسان اور اپنے خالق کی صناعی کا شاہکار ہو۔ طبیعیات اور کیمیا کے علم میں غور کرو جہاں جا بجا نشانیاں ملتی ہیں۔ کائنات اور مادے کا پورا علم ایک خالق برحق کی شہادت دیتا ہے۔ وہ ذات جو مطلق ہے، جس کا کوئی شریک نہیں، جو صناع بے بدل ہے۔ میں ان احساسات اور جذبات کے ساتھ مکمل تسکین کی حالت میں اللہ رب العزت کی صناعی اور رنگوں سے بھرپور دنیا میں غور وفکر کرتا رہا۔ یہ لمحے میری پوری زندگی کا حاصل تھے۔

اگلی صبح جب میں بیدار ہوا تو پہلا خیال میرے دماغ میں یہی تھا کہ اللہ کی قدرت سے میں زندگی کے مواقع سے بھرپور ایک دن کا آغاز کر رہا ہوں۔ اب میں اللہ تعالیٰ کے وجود سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ میرے اردگرد ہر شے ذات باری تعالیٰ کے وجود کی گواہی دے رہی تھی۔ تاہم ۲۵ سال تک اللہ کے وجود سے انکار کرتے رہنے کے بعد اس کا اقرار کرنا اور اس بنیاد پر اسلام کو بطور دین قبول کر لینا کوئی آسان فیصلہ نہیں تھا۔ میں امریکہ چلا گیا جہاں مجھے سویڈن کے مقابلے میں اسلام کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے زیادہ مواقع مل سکتے تھے۔ میں نے نماز پڑھنا اور اس کو محسوس کرنا اور اپنے دل پر

گزرنے والی کیفیات کا ادراک اور شعور حاصل کرنا شروع کر دیا۔ یہ ایک طویل اور صبر آزما مرحلہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے میری مسلسل رہنمائی ہو رہی تھی اور میں آہستہ آہستہ پورے شعور کے ساتھ اللہ کی ذات کی طرف بڑھ رہا تھا۔ میں نے اسلام کے بارے میں تمام کتابیں جو مجھے ملیں، پڑھ ڈالیں۔ ایک دن مجھے اللہ تعالیٰ کی توفیق ملی اور مجھے ایک مسجد کا پتہ مل گیا۔ میں کانپتی ہوئی ٹانگوں کے ساتھ اس مسجد تک پہنچا۔ یہاں میری کچھ لوگوں سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے مجھے پڑھنے کے لئے کچھ کتابیں دیں اور گھر آنے کی دعوت دی۔ میرے ذہن میں جو سوالات تھے، مجھے ان کا جواب بھی مل گیا۔ اب اسلام میری زندگی پر غالب آرہا تھا میں باقاعدگی سے مسجد جانے لگا بالآخر جمعہ کا مبارک دن آگیا۔ یہ میری زندگی کا عجیب تجربہ تھا۔ ۲۰۰ آدمیوں کے ساتھ ایک صف میں کھڑے ہو کر اپنی پوری توجہ کائنات کے مالک حق تعالیٰ جل شانہ کے حضور مرکوز کر کے رکوع اور سجود کرنا ایک ناقابل فراموش روحانی کیفیت تھی جو مجھ پر طاری ہوگئی تھی۔ میرا دماغ میرے دل کے قابو میں آگیا تھا۔ جو وسوسے دماغ میں پیدا ہوئے تھے، دل خود بخود انہیں مسترد کر دیتا تھا۔

اسی دوران انٹرنیٹ پر میں نے ایک نومسلم خاتون کا واقعہ پڑھا جو کچھ عرصہ پہلے مشرف بہ اسلام ہوئی تھی۔ وہ تقریباً ان کیفیات یا تجربات سے گزری تھی جن جن سے میں اپنی دہریت اور اللہ کے وجود سے انکار کے دور سے آج تک گزرا تھا۔ یہ داستان پڑھ کر میرے دل کی کیفیت عجیب ہوگئی اور میں زار و قطار رونے لگا۔ حق بار بار میرے سامنے آیا، لیکن میں خود ہی اسے قبول کرنے میں تامل برتتا رہا، میں اب مزید انتظار نہیں کر سکتا تھا۔ میری خواب گاہ کی کھڑکی سے یخ ہوائیں اندر آرہی تھیں اور مجھے ٹھٹھرائے دے رہی تھیں۔ موسم سرما کا آغاز ہونے والا تھا۔ میں اپنی جگہ سے اُٹھا،

غسل کیا، صاف ستھرے کپڑے پہنے اور دوڑ کر اپنی کار میں سوار ہو گیا۔ مسجد یہاں سے ایک گھنٹے کی ڈرائیو پر تھی۔ مسجد پہنچ کر میں نے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ میرے تمام ساتھیوں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ نماز ظہر کے بعد میں نے کلمہ شہادت پڑھ کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ میرے غیر مسلم دوستوں کیلئے یہ ایک عجیب اور حیرت انگیز بات تھی، لیکن وہ یہ سب سمجھنے سے قاصر تھے تاہم انہوں نے میرے اس فیصلے کو قبول کر لیا۔ سچ تو یہ ہے کہ حق اسے ملتا ہے جو اسے پانے کی تمنا دل میں رکھتا ہو۔

بحری سفر کے دوران ایک دن جہاز بحر اوقیانوس میں کہیں دور سمندری موجوں سے دوچار تھا اور میں اس کتاب یعنی قرآن مجید کو پہلی بار پڑھنے کے بعد جہاز کے عرشے پر آ گیا۔ صاف دھوپ میں ٹہلتے ٹہلتے دبی زبان میں یہ اسم اعظم اللہ اللہ بار بار دہرانے لگا۔ مجھے ٹھیک یاد نہیں کہ میں ایسا کیوں کرنے لگا۔ سوائے اس کے کہ یہ ایک خوبصورت بلکہ حسین ترین نام ہے۔

مائیکل جیرائڈ سے عبدالرحمٰن تک

وہ لوگ بھی ہیں جو ساحل پر طوفاں سے سہمے بیٹھے ہیں
کچھ ایسے شناور بھی ہیں جنہیں ہر موج میں ساحل ملتا ہے

تھا کون مغنّی چھیڑ گیا جو پردہ سازِ ہستی کو
اک نغمہ دلکش اب کیفی ہر سانس میں شامل ملتا ہے

امریکن یونیورسٹی میں مسلم اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن نے ایک خاص اجتماع کا انعقاد کیا جس میں مہمان خصوصی مائیکل جیرائڈ تھے اس اجتماع میں انہوں نے اپنی کیفیت یوں بیان کی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میرے پیارے بھائیو! اور بہنو! اسلام علیکم ورحمتہ اللہ آج شام کے اس اجتماع میں آپ میں سے اکثر بھائیوں کے لیے اسلام ایک پرانے دوست کی طرح ہے۔تم پیدائشی مسلمان دارالسلام میں پیدا ہوئے ہو۔ جب تم نوزائیدہ بچے تھے تو پنجگانہ اذان تمہارے کانوں میں پہلیلورتی تھی۔آپ میں سے اکثر کی تربیت صحابہ کرامؓ کی پرخلوص زندگی اور بہادرانہ کارناموں کی داستانیں سن کر ہوئی ہوگی۔ اور یقیناً آپ نے تقریباً دس سال کی عمر تک قرآن مجید کی کئی سورتیں بھی حفظ کرلی ہوں گی۔جیسا کہ میں نے کہا کہ آپ کے لئے اسلام ایک پرانے دوست کی طرح ہے کیوں کہ دارالسلام میں پیدا ہونے کی وجہ سے یہ آپ کو نصیب ہوا۔خصوصی طور پر اس پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے میں آپ سے چند باتیں بیان کرنا چاہتا ہوں۔

میں آپ کے مذہب اسلام میں نیا نیا داخل ہوا ہوں ۔ میرے لئے یہ طریقہ زندگی جسے اسلام کہتے ہیں نسبتاً میرا نیا دوست ہے اور اگر چہ اللہ جانتا ہے کہ اس سلسلہ میں میرا علم محض ایک دانہ یا ریت کے ایک ذرہ سے بھی کم ہے ۔ اور میری روح خلوص سے کوسوں دور مجھے امید ہے کہ چند منٹ کے لئے آپ میری گذارشات سن کر میری حوصلہ افزائی کریں گے ۔ اور میں کیسے مسلمان ہوا؟ میرے سنانے میں اور آپ کے سننے میں ممکن ہے ہم سب کی بھلائی ہو اور اللہ تعالیٰ ہم سب کو فلاح دارین نصیب فرمائے ۔ آمین

میں ۱۹۷۰ء کے اوائل میں متحدہ امریکہ سے بھارت جانے کے ارادے سے روانہ ہوا جہاں میں روحانی تسکین حاصل کرنے کا امیدوار تھا ۔ اور جہاں سے مجھے روحانی غذا کی دستیابی کی توقع تھی ۔ کیا یہ مضحکہ خیز نہیں ہے کہ ایک شخص امیر ترین ملک سے جہاں کسی چیز کی کمی نہیں تھی اور روحانی غذا کی تلاش کے لئے ایک فاقہ زدہ ملک کی طرف چل نکلے ۔ میں جانتا تھا کہ میں اپنے مادر وطن کے اکثر لوگوں کی طرح جن کی تعداد آئے دن بڑھتی ہی جاتی ہے اپنی پر تکلف طرز زندگی میں کسی اہم چیز کی کمی محسوس کر رہا تھا ۔ میرے پاس نفیس ترین سوٹ تھے ۔ میرے پاس بالکل نئی کار تھی ، کسی حد تک کالج کی تعلیم بھی حاصل کی تھی ۔ میرے پاس میرا اپنا ذاتی مکان تھا ۔ اور معقول تنخواہ کی ملازمت بھی ۔ میرے پاس بے شمار آرام و آسائش کی دنیاوی سہولتیں مہیا تھیں لیکن یہ سب چیزیں میرے اس اہم سوال کا جواب نہیں دے سکتی تھیں جو ایک بنی نوع انسان کے دل میں آ سکتا ہے کہ میں کون ہوں؟ اور میری زندگی کا مقصد کیا ہے؟

اس سوال کے جواب کے لئے میری روح تڑپتی رہی ، سسکتی رہی اور چاروں طرف تجسس بھری نگاہوں سے دیکھتی رہی ۔ اس سوال کے جواب کا متلاشی رہنے کے

بعد میں نے سوچنا شروع کیا کہ ممکن ہے مذہب کی گود میں اس سوال کا جواب ہو۔ ''مذہب''...... مذہب امریکی لغت میں تا حال یہ لفظ بے معنی سا نظر آتا ہے۔لوگ کسی کا حقارت سے ذکر کریں تو یوں کہتے ہیں ''واہ جی تم تو جانتے ہو کہ وہ بڑا مذہبی سا ہے'' جیسے اس نے کسی غلطی کا ارتکاب کیا ہو بچپن اور لڑکپن میں مجھے کسی مذہب سے کوئی ربط نہ تھا۔اور چند بار چرچ آنا جانا بھی ایک بھولی بسری بات ہو چکی تھی۔مگر کالج میں علم الانسان کے مطالعہ کے دوران کئی مذاہب اور عقائد کی مقدس کتابوں کو پڑھنا شروع کیا جن میں ریڈ انڈین، بدھ مت، ہندومت، زبور، توریت، انجیل، پارسی وغیرہ وغیرہ سبھی شامل ہیں۔ان سب میں خیالات اور نظریات کو دلچسپ پیرائے میں ضرور لکھا گیا ہے۔مگر یہ سب حقیقت سے کوسوں دور نامکمل اور نا تمام نظر آتے ہیں۔القصہ مختصر ان میں کسی چیز کی کمی ہے۔ایسے رشتے کی جو ان عناصر کو جوڑ کر کارآمد و قابل بسر زندگی کا نظام مہیا کر سکے۔ایسے خدا کی جو صرف ایک گروہ یا قبیلے کے لئے ہی مختص نہ ہو۔ بلکہ وہ ہر ایک کا خدا ہو غرضیکہ زندگی کے ان اہم لمحات اور احساسات کے اس نازک دور میں اسلام کے متعلق میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ بالآخر مجھے احساس ہوا کہ محض کتابیں پڑھ لینے سے کچھ حاصل نہیں کر سکتا۔خوش قسمتی سے ان حالات میں مجھے ایک اچھا دوست مل گیا جس سے میں اکثر اپنے احساسات اور خیالات کا تبادلہ کرتا تھا۔ متفقہ طور پر ہم دونوں نے باہر جانے کا فیصلہ کیا۔سوچا کہ مغرب کی نسبت مشرق بعید میں روحانیت کی تلاش کرنا زیادہ موزوں ہے پھر کیا تھا ہم دونوں نے فل ٹائم ملازمت شروع کر لی اور اپنے سفری اخراجات کے لئے کچھ پونجی جمع کرنے لگے۔

اب مجھے رب رحمٰن کی کرم نوازی پر یقین ہو گیا کہ کچھ رقم جمع کر لی اور سفر پر روانہ ہوئے۔اپنے شہر سے سفر پر گامزن ہونے سے پہلے میں نے ایک اور آخری کتاب خریدی اور یہ برطانوی نومسلم محمد پکتھال کا قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ تھا۔

یوگوسلاویہ کی سمت جانے والے بحری جہاز میں سوار ہوئے۔ بائیس دنوں کے بحری سفر کے دوران اسلام کی اس عظیم اور مقدس کتاب کے مطالعہ کا پہلا تجربہ ہوا۔ اس تجربے کے مطالعے سے میں اپنے کلی تاثرات بیان نہیں کرسکتا سب سے پہلے میں ان احساسات سے مغلوب ہوا کہ قرآن مجید کے ارشادات میری ذات کی طرف ہی اشارہ کرتے ہیں۔ اس عالمگیر صداقت کی یاددہانی کراتے ہیں۔ جس سے میرا ضمیر واقف تو تھا مگر تحت الشعور میں کہیں فراموش کرچکا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کے الفاظ نہ صرف دور ماضی کے عاد و ثمود جیسی قوموں کے عبرتناک انجام کا تذکرہ بیان کرتے ہیں بلکہ میری اپنی ...... زندگی کی کہانی بھی دہراتے ہیں اور یہ ہر انسان کی کہانی ہے۔ یہ تھی اللہ کی کتاب جس نے میرے سوئے ہوئے ضمیر کو جگا دیا اللہ جو خالق کائنات ہے وہ کسی قبیلے کا مقدس دیوتا نہیں جس کی پرانی TESTAMENT میں تصویر کشی کی گئی ہے اور نہ ہی آتش پرستوں اور مجوسیوں کے اہورامزدا کی طرح جو تاریکی کے دیوتا کے ساتھ خدائی میں شریک تھا اور نہ ہی نئے TESTAMENT کے فادر گاڈ کی طرح جس نے بیٹے کو جنم دیا۔ اور پھر اسے دوسروں کے گناہوں کا بوجھ اٹھانے کی ذلت میں مبتلا کردیا۔ بلکہ وہ اللہ رب العزت وحدہٗ لاشریک ہے جو الحی القیوم ہے اور اس کا کوئی ثانی نہیں جس نے آسمانوں اور زمین اور ساری کائنات کو پیدا کیا۔ دن اور رات بنائے، ہوا جو سمندروں میں بدبانی جہازوں کو چلاتی ہے، بادل جو بارش برساتے ہیں اور پیاسی زمین میں روئیدگی کا باعث بنتے ہیں۔ غرض یہ کہ بے شمار اس کی تخلیق کی نشانیاں ہیں۔

فاعتبروا یااولی الابصار

بحری سفر کے دوران ایک دن جہاز بحراوقیانوس میں کہیں دور سمندری موجوں سے دوچار تھا۔ اور میں اس کتاب کو پہلی بار پڑھنے کے بعد جہاز کے عرشے پر آ گیا۔

صاف دھوپ میں ٹہلتے ٹہلتے دبی زبان میں یہ اسم اعظم اللہ اللہ بار بار دہرانے لگا۔ مجھے ٹھیک یاد نہیں کہ میں ایسا کیوں کرنے لگا۔ سوائے اس کے کہ یہ ایک خوبصورت بلکہ حسین ترین نام ہے اب مجھے احساس ہوا کہ میں نے زندگی میں پہلی بار اللہ کو پکارا تھا اور یہ میرے ضمیر کی آواز تھی۔

لوگ پوچھتے ہیں کہ اسلامی دنیا کی کس چیز نے مجھے بہت زیادہ متاثر کیا۔ یہ حسین ترین مساجد کے میناروں سے آذانیں ہوتی ہیں اور لوگ نماز اور فلاح دارین کی طرف کھینچے چلے جاتے ہیں اور دوسرے ڈھیلے ڈھالے رنگ برنگے کپڑوں والے سیدھے سادے لوگ ہیں جو بڑے مہربان، مخلص، ہمدرد، غریب مگر سخی ہیں جو بلا تکلف نہایت پیار سے ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہوتے ہیں۔

قبل اسلام سے لے کر گذشتہ تین سال کے دوران تک کئی لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہیے بحیثیت مسلمان تم کیا محسوس کرتے ہو؟ اور سب سے زیادہ تمہیں کس چیز نے متاثر کیا؟ اور اسلام کی کون سی بات زیادہ پسند ہے؟ میں نے انہیں جواب دیا کہ اگرچہ یہ راستہ میرے لئے اتنا سہل نہیں تھا مگر گذشتہ تین سالوں میں میری زندگی میں مجھے انتہائی حیران کن روحانی تسکین حاصل ہوئی۔ رب غفور رحیم کا دل کی گہرائیوں سے شکر گذار ہوں کہ مجھ جیسے بھٹکے ہوئے ادنیٰ اور حقیر انسان کو اپنی کرم نوازی سے گھٹا ٹوپ تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لا کھڑا کیا۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اسلام کی کونسی بات مجھے زیادہ پسند ہے میں اس کا جواب صرف ایک لفظ میں دیتا ہوں اور وہ ''توحید'' ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کتنی چاشنی ہے اس لفظ میں کس قدر لذت ہے؟ ایک خدائے لاشریک کی عبادت سے وہ حقیقی سرور حاصل ہوتا ہے کہ میں بھی اپنے آپ کو ایک مکمل انسان سمجھنے لگا ہوں جسم اور دماغ دونوں کے ساتھ یکسو ہو کر اللہ تعالیٰ سے لو لگانے سے جیسا کہ ہم نماز میں کرتے ہیں یعنی خشوع وخضوع کے

ساتھ تو مجھے ایسا محسوس ہونے لگا کہ میرے جسم اور دماغ دونوں میں ہم آہنگی پیدا ہوگئی ہے اور اتحاد روح کی بالیدگی کا باعث ہے جو اللہ تعالیٰ کا دین ہے جسے چاہے بے حساب دیتا ہے۔

ویوتی من یشاء بغیر حسا ب

جیسا کہ اسلام میں دینی دنیوی زندگی کے پہلوؤں میں کوئی امتیاز نہیں۔ یہ رہبانیت نہیں سکھاتا یہ تو واقعی ایک مکمل ضابطہ حیات ہے مجھے بھی مخلوق خدا میں ہم آہنگی اور اتحاد نظر آنے لگا ہے۔ اور مظاہر فطرت ہر جگہ خالق کائنات کی رحمت اور طاقت کے مظہر دکھائی دینے لگے ہیں۔ میں دنیا بھر کے تقریباً ستر کروڑ مسلمانوں، عورتوں، اور بچوں کے ساتھ نماز پنجگانہ میں خانہ کعبہ کی طرف منہ کرتا ہوں تو میں اپنے آپ کو بنی نوع انسان کے اس عظیم خاندان کا فرد محسوس کرتا ہوں۔ جس میں سلطنتوں کی حدود انسان کی رنگ ونسل کا فرق معاشی معاشرتی اور سیاسی اونچ نیچ ادنیٰ ذاتی دلچسپیاں یا قبائلی دعووں کا کوئی امتیاز نہیں سب اللہ کے بندے ہیں اور آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ انما المومنون اخوۃ

میرے بھائیو! اور بہنو میرا یہ آخری تاثر اسلام کا مثالی دین ہونے پر مبنی ہے میں دعا کرتا ہوں کہ آؤ اس عظیم اسلامی خاندان اس عظیم امت مسلمہ میں حقیقی اسلام کی روح پھونک دیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو آمین۔

ولا حول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم ۔اور نہیں ہے کوئی ہمت اور نہیں ہے کوئی طاقت سوائے اللہ تعالیٰ کے جو نہایت اعلیٰ و عظیم ہے۔

انٹرویوز

مجھ ہی سے سن لو جو سننا ہے تم کو داستان میری
کہاں سے لائے گا قاصد بیاں میرا زباں میری

ایک دفعہ میں دکان میں بیٹھا ہوا تھا تبلیغی جماعت والے گشت کرتے ہوئے میرے پاس آئے اور مجھے بھی مسلمان سمجھتے ہوئے دعوت دے ڈالی۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو سکتی ہے کہ انہوں نے میرے گلے میں خانہ کعبہ کا لاکٹ دیکھ لیا تھا، نماز کے بعد وہ پھر آئے اور پوچھا کہ تم نماز کے لئے نہیں آئے۔ انہیں بتایا گیا کہ میں ہندو ہوں۔ تو انہوں پوچھا کہ تم کس کس کو مانتے ہو میں نے تمام بھگوانوں، دیوتاؤں کے نام گنوا دیئے میری طویل فہرست پر وہ مرعوب ہونے کے بجائے مسکرائے اور کہنے لگے کہ ہمارے ہاں تو صرف ایک خدا کو ماننے سے تمام مسئلے حل ہو جاتے ہیں۔ مجاہد اسلام جب پاکستان آئے تو روزنامہ نوائے وقت کے آفس میں ان سے چند سوالات و جوابات ہوئے جو بشکریہ روزنامہ نوائے وقت لاہور نذر قارئین ہے۔

انیل کپور شرما سے مجاہد اسلام تک

اگر مقام شرف کی ہے جستجو تم کو
تو ظلم وکفر سے ہر رشتہ توڑنا ہوگا

خود اعتماد وخود آگاہ وخود نگر بن کر
خدا سے اپنے تعلق کو جوڑنا ہوگا

سوال۔مجاہد اسلام صاحب!:۔آپ کے خیال میں اسلام قبول کرنے کا سب سے بڑا سبب کیا تھا؟

جواب:محبت ہی انسان کو بناتی اور بگاڑتی ہے انسان کا ماحول شعوری یا غیر شعوری طور پر اس پر لازمی اثر انداز ہوتا ہے۔میرے قبول اسلام کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم آگرے کے جس حصے میں رہتے ہیں۔وہاں پر مسلمانوں کی اکثریت تھی روشن محلّہ کے پورے بازار میں صرف دو دکانیں ہندوؤں کی ہیں باقی سبھی مسلمانوں کی ہیں ہماری دکان کے اوپر مسجد تھی ہم مسجد کے کرایہ دار ہیں۔میرے تمام دوست مسلمان تھے میرا زیادہ تر اٹھنا بیٹھنا انہیں کے ساتھ تھا۔

سوال:آپ کے والدین مسلمانوں کے ساتھ دوستی سے منع نہیں کرتے تھے؟

جواب:نہیں اب ہندوستان میں یہ ماحول نہیں رہا...... ہندو مسلم آپس میں مل جل کر رہتے ہیں لیکن اپنے نظریات اور مفادات کے معاملے میں بہت حساس ہیں میرے والد صاحب کٹر ہندو اور وہ اندر سے مسلمانوں کے شدید دشمن ہیں اکثر یہی کہا کرتے کہ ان مسلمانوں کو ہندوستان سے نکال باہر کرنا ہے۔یہ بہت نیچ اور ظالم ہیں۔لیکن

بظاہر وہ مسلمانوں سے بڑے اخلاق اور محبت سے ملتے ہیں میرے متعلق بھی یہی گمان رکھتے تھے کہ میری دوستی بھی ایسی ہی ہے۔ مجھے مسلمانوں کی مذہبی عمارات بہت پسند تھیں۔ میں نے اپنے کمرے میں خانہ کعبہ، مسجد نبویؐ وغیرہ کی تصویریں آویزاں کی ہوئی تھیں لیکن وہ اس پر کبھی معترض نہیں ہوتے تھے۔

سوال: ان تصاویر کی وجہ سے آپ کے ذہن میں کبھی اسلام کے حق میں کوئی خیال آیا؟

جواب: ہاں میں سوچا کرتا تھا کہ ہمارے ہندوؤں کے مندر وغیرہ تو اتنے خوبصورت اور کھلے نہیں ہوتے لیکن اسلامی عبادت خانوں کو دیکھ کر مجھ پر فرحت طاری ہوتی تھی۔

سوال: اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنے مذہب سے بیزار تھے؟

جواب: ایسی بات بھی نہیں تھی میں مندروں اور مزاروں پر جاتا تھا خوب دولت لٹاتا تھا، وہاں عبادت کرتا تھا، یعنی پورا ہندو تھا۔

سوال پھر اسلام کی طرف کیسے آئے؟

جواب: جیسا کہ میں نے عرض کیا ہمارے ارد گرد تمام دکانیں مسلمانوں کی تھیں۔ ایک دفعہ میں ساتھ کی دکان میں بیٹھا ہوا تھا کہ وہاں پر تبلیغی جماعت والے آئے انہوں نے اپنے طریقے کے مطابق سب کو مغرب کی نماز پڑھنے کے لئے کہا، میرے گلے میں خانہ کعبہ کا لاکٹ تھا انہوں نے مجھے مسلمان سمجھتے ہوئے مجھے بھی دعوت دے ڈالی میں نے بھی اخلاقاً ہاں ہوں کر دی، میرے دوست بڑے چونکے۔ خیر میں نماز وغیرہ پڑھنے تو نہ گیا لیکن نماز کے بعد وہ پھر میرے پاس آئے اور پوچھا کہ تم نماز کے لیے نہیں آئے انہیں بتایا گیا کہ میں ہندو ہوں۔ تو انہوں نے پوچھا کہ تم کس کس کو مانتے ہو اور کس کس کی عبادت کرتے ہو۔ پھر میں نے اپنے تمام بھگوانوں اور دیوی دیوتاؤں کے نام گنوا دیئے۔ میری طویل فہرست پر وہ مرعوب ہونے کی بجائے مسکرائے اور کہنے لگے کہ ہمارے ہاں تو صرف ایک خدا کو ماننے سے تمام مسئلے حل

ہوجاتے ہیں۔اس ایک کو راضی کرنے سے سب راضی ہوجاتے ہیں۔کسی دوسرے کے ہاں سر جھکانے کی حاجت نہیں رہتی۔یہ بات کہہ کر انہوں نے کہا کہ تم ان باتوں پر غور کرنا باقی باتیں پھر ہوں گی۔

سوال: کیا ہندوستان میں تبلیغی جماعت والے ہندوؤں کو بھی دعوت دیتے ہیں؟

جواب: نہیں تبلیغی جماعت والے صرف مسلمانوں کو ہی صحیح مسلمان بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔البتہ اس طرح کبھی موقع مل جائے تو غیر مسلموں کو بھی دعوت دینے سے نہیں چوکتے۔

سوال: ویسے عجیب بات ہے کہ اصل تبلیغ غیر مسلموں کو ہی ہونی چاہئے؟

جواب: نہیں ہم تبلیغی جماعت والے یہ رائے رکھتے ہیں کہ پہلے مسلمانوں کو صحیح اور باعمل مسلمان بننا چاہئے پھر اپنے کردار اور اخلاق سے اس کی تبلیغ کرنی چاہئے۔ویسے بھی ہمیں غیر مسلموں کو تبلیغی کام کرنے کی عام اجازت تو حاصل نہیں ہے نا۔

سوال: خیر تو آپ نے پھر ان صاحب کی باتوں پر غور کیا؟

جواب: ہاں! میں نے تبلیغی جماعت کے امیر عامر عزیز صاحب کی باتوں پر غور کیا۔ ایک ماہ بعد ان سے دوبارہ ملاقات ہوئی تو انہوں نے مجھے متزلزل دیکھ کر دوبارہ سمجھایا میں نے سوال کیا کہ آپ کے اللہ میاں عجیب ہیں، وہ اگر ہیں تو دکھائی کیوں نہیں دیتے۔وہ مسکرائے اور کہنے لگے کہ یہ پنکھے، فرج اور بلب جس سے چلتے ہیں اس کو کبھی تم نے دیکھا......واقعی بجلی تو میں نے کبھی نہیں دیکھی تھی لیکن اس کے وجود پذیر ہونے میں کسی کو بھی شک نہیں...... پھر کہنے لگے کہ دودھ میں گھی اور مکھن نکلتا ہے، کیا تم نے تازہ دودھ میں ان کا کبھی مشاہدہ کیا؟......تم نے اپنی کتابوں میں پڑھ رکھا ہے کہ زمین ہر چیز کو اپنی طرف کھینچتی ہے تو کیا تم نے کشش ثقل کو اپنی سر کی آنکھوں سے کبھی دیکھا؟ میں حیرت سے ان کی باتوں کو سنتا رہا مجھے متاثر دیکھتے ہوئے بولے...... تم نے کبھی

چین، جاپان کو دیکھا؟ میں نے کہا نہیں ...... کہنے لگے تو پھر اس لئے ان کے ملک ہونے پر یقین رکھتے ہونا کہ تمہیں ان کتابوں اور نقشوں پر اعتماد ہے، جس میں لکھا اور بیان کیا گیا ہے وہ اس دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ اس طرح انہوں نے بے شمار مثالوں سے مجھ پر ثابت کیا کہ ہم اپنی زندگی میں ایسی بے شمار چیزوں کو مانتے ہیں جنہیں ہم دیکھتے نہیں اور دوسرے پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی فراہم کردہ معلومات پر یقین کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں۔ میرے پاس اب اللہ اور رسالت کو نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ لیکن پھر میں خاموش رہا میں جان چکا تھا کہ یہ سچ کہہ رہے ہیں لیکن اس اعتراف کی مجھ میں جرأت نہیں تھی۔ مجھے ڈانوں ڈول دیکھ کر پھر بولے انیل بابو، تم ایسا کرو کہ میرے ساتھ دو رکعت نماز پڑھو اس کے بعد کوئی فیصلہ کرنا۔

سوال: اس وقت آپ کی عمر کتنی تھی؟

جواب: میری عمر ۱۴ سال ہے ابھی بالغ نہیں ہوا تھا۔ اسی وجہ سے خاصی پریشانی ہوئی۔ وہ مجھ سے اشاروں کنایوں میں پوچھتے لیکن میں کچھ بتا نہ پاتا...... خیر انہوں نے مجھے غسل وغیرہ کا طریقہ بتایا اور میں گھر سے چوری فجر کے وقت مسجد میں پہنچ گیا۔

سوال: صبح صبح اٹھنے پر آپ کے گھر والوں نے آپ سے پوچھ گچھ نہیں کی؟

جواب: نہیں، دراصل ہماری پان کی دکان ہے جس کے کھلنے کا وقت فجر سے بھی پہلے کا ہے۔ ہندو صبح صبح آتے ہیں اور پان خرید کر مندروں پر چڑھاتے ہیں اس لیے میرا صبح صبح دکان پر جانا معمول کے مطابق ہی تھا۔ کسی کو کوئی شک نہ گزرا اور میں اپنی دکان کے اوپر کی مسجد میں جا پہنچا وہاں عامر عزیز کے ساتھ نماز پڑھی۔ نماز کے بعد انہوں نے مجھے کلمہ پڑھایا۔ میں نے چپکے سے پڑھ لیا۔ کلمہ پڑھنے کے بعد مجھے یوں معلوم ہو جیسے میں ایک نیا انسان بن گیا ہوں مجھے جو سکون حاصل ہوا وہ بیان نہیں، محسوس کرنے کی چیز ہے۔

سوال: اس وقت ہمیں اپنا رواں رواں بیدار محسوس ہوا...... ہم نے چند لمحے کی پر کیف خاموشی کے بعد پوچھا...... تو پھر آپ با قاعدہ نماز پڑھنے لگے؟

جواب۔ نہیں...... اس کے بعد کچھ عرصہ ایسے ہی گزر گیا لیکن میں بار بار سوچتا کہ اگر میں مسلمان ہو ہی گیا ہوں تو مجھے کچھ کرنا چاہئے۔ ورنہ یہ سب کچھ کرنے کا کیا فائدہ؟ اور پھر میں نے چوری چھپے مسجد میں جا کر نماز پڑھنی شروع کر دی۔ مجھے نماز تو آتی نہیں تھی بس ایک دوست اعجاز تمبا کو والے کے کہنے پر سبحان اللہ سبحان اللہ کرنے لگا اور دوسروں کو دیکھ کر رکوع وسجود کر لیتا ایک دفعہ عصر کے وقت ایک ہندو ہیرا، نے مجھے دیکھ لیا۔ میں نے بہتیرا چھپنے کی کوشش کی لیکن نہ چھپ سکا نماز کے بعد اس نے مجھے پکڑ لیا۔ میں نے بہتیرا ٹالا لیکن وہ نہ مانا۔ مجھے دھمکی بھی دی کہ تمہارے باپ رام گوپال کو بتا دوں گا پھر اس نے مسلمانوں کو وہ گالیاں دیں کہ زندگی میں کبھی نہ سنی ہوں گی۔ میں بہت گھبرایا اور اسے یہی کہتا رہا کہ میں مسلمان نہیں ہوا، غلط فہمی ہوئی ہے۔ پھر ایک دن مجھے بڑے بھائی نے دیکھ لیا نماز کے بعد مجھے بلا کر ایک بند گلی میں لے گیا اور میری ٹھکائی کی کہ میں بلک بلک کر رونے لگا میں نے بہتیرا کہا کہ آپ لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے لیکن انہیں یقین تھا کہ یہ بدل چکا ہے۔ اسی دن بات والد صاحب تک جا پہنچی وہ تو موقع کی تلاش میں تھے کیونکہ لگتا تھا کہ وہ ہیرا کی بتائی ہوئی خبر کی تصدیق کے انتظار میں تھے۔ انہوں نے مونگری پکڑی اور مجھ پر پل پڑے۔ لگتا تھا کہ وہ مجھے جان سے مار کر دم لیں گے۔ مار سے میرا پورا جسم زخم زخم ہو گیا۔ ماں نے اس وعدے پر چھڑوایا کہ آئندہ کبھی نماز نہیں پڑھوں گا۔

سوال: اس مار پر کسی نے ہمدردی نہ کی؟

جواب: بہن بھائیوں نے اظہار ہمدردی کی۔ دراصل اس قدر مار پر ہر ایک کے دل کا پسیجنا فطری امر تھا۔

سوال: پھر کیا آپ نے نماز چھوڑ دی؟

جواب: بالکل نہیں، میں نے اگلے دن دوبارہ نماز پڑھی۔ میرے گھر والوں کا یہی خیال تھا کہ میں ضرور تائب ہو جاؤں گا اس یقین کے ساتھ انہوں نے میری کوئی خاص نگرانی نہیں کی۔ میری حالت دیکھ کر مسلمان دوستوں نے کہا کہ میں نماز نہ پڑھوں۔ لیکن میں نے کہا کہ پھر مسلمان ہونے کا کیا فائدہ؟ میں پکا مسلمان بھی بننا چاہتا ہوں اور گھر والوں کے ظلم سے بچنا بھی چاہتا ہوں۔ دکان کے پڑوسی عبدالمالک مجھے ایک دوسری مسجد میں لے گئے وہاں پر ہی مشورہ دیا گیا کہ میں گھر سے بھاگ جاؤں۔ چنانچہ وہاں ایک صاحب سید محمد صابر مجھے گجرات لے گئے۔ صوبہ گجرات کے ایک شہر سورت میں مجھے عبدالعزیز عطر والے سے ملوایا یہ بھی نومسلم تھے پہلے سکھ ہوا کرتے تھے۔ انہوں نے مجھے بہت تسلی دی آنے والے برے حالات کے لئے مجھے ذہنی طور پر تیار کیا اب میرے لئے یہ مسئلہ تھا کہ مجھے مدرسے میں داخلہ کیسے ملے؟

سوال: آپ نے مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے کا فیصلہ کیوں کیا؟

جواب: ظاہر ہے جس دین کو اختیار کیا تھا اس کے علم کا بھی تو حاصل کرنا ضروری تھا۔ پھر میرے پاس تو کوئی روپیہ پیسہ نہ تھا رہائش کا مسئلہ بھی تھا لہذا مدرسے میں داخلے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ لیکن مدرسے میں داخلہ بھی ایک مسئلہ تھا۔

سوال: کیا مسئلہ تھا؟

جواب: میں ہندوؤں کے ملک میں رہ کر ہندوؤں کا باغی تھا۔ اگر کسی کو معلوم ہو جاتا تو وہ مدرسے کو نقصان پہنچا سکتے تھے۔ مدرسے کی انتظامیہ کے لئے مشکلات پیدا کر سکتے تھے۔ چنانچہ عبدالخالق صاحب نے گارنٹی دی کہ اگر پولیس وغیرہ نے مداخلت کی تو وہ ذمہ دار ہوں گے۔ اس کے بعد داخلہ ہوا اور پھر میں ایک اور امتحان سے گزرا۔ میں اس وقت تک بہت ماڈرن شہری بابو تھا لمبے لمبے بال، پینٹ، شرٹ، لیکن اب میری ٹنڈ

ہوئی تھی، ہندوؤں میں ٹنڈ اس کی ہوتی ہے جس کا کوئی عزیز فوت ہو جائے مجھے بہت الجھن ہو رہی تھی لیکن اسلام کی خاطر گھر چھوڑا، ماں، باپ، بھائی بہن سے منہ موڑ یا تو اس کی کون پروا کرتا۔ اس کے بعد ایک مشکل اور یہ پیش آئی کہ میرا وظیفہ انتہائی کم مقرر ہوا جبکہ میں بہت کھلا خرچ کرنے کا عادی تھا میں بہت فلمیں دیکھا کرتا تھا اور اپنے آپ پر خوب خرچ کرتا تھا۔

سوال: ان حالات میں کیا کیا؟

جواب: میں اللہ کے آگے روتا رہا کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا۔ کہا گیا کہ وظیفے کی درخواست دو لیکن میں نے صاف انکار کر دیا کہ بھیک نہیں مانگوں گا میں اللہ ہی سے دعا کروں گا اگر وہ سب کا مالک ہے تو میری یہ مشکل بھی حل کر دے گا اور پھر یہی ہوا کہ میرا وظیفہ بڑھ گیا اور میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔

آپ کے ماں باپ کی طرف سے کوئی تلاش نہ ہوئی؟

جواب: کیوں نہیں؟ تھوڑے ہی عرصہ بعد اخباروں میں میری گمشدگی کے اشتہارات شائع ہونے لگے۔ مجھے آگرے کے کچھ لوگوں نے بتایا کہ میرے ماں باپ مجھے ہر جگہ تلاش کر رہے ہیں۔ اب ہم لوگ سخت خطرے میں تھے پولیس ہم کو پکڑ سکتی تھی۔ اور مدرسہ کی انتظامیہ پر مجھے زبردستی مسلمان بنانے کا جرم عائد کر سکتی تھی۔ اس کا حل یہی تھا کہ میں میں عدالت میں جا کر بیان دیتا کہ میں خود مسلمان ہوا ہوں۔ چنانچہ عبدالخالق صاحب و دیگر ساتھیوں نے مجھے بہت سمجھایا اور میرے کاغذات تیار کروا کر عدالت میں پیش کیے گئے۔ یہ کسی ہندو کے لئے بہت ہی حساس معاملہ تھا کہ وہ کسی کا اسلام قبول کرنا ٹھنڈے پیٹوں برداشت کر لیتے۔ جس عدالت میں میرے کاغذات گئے اس کے جج صاحب ہندو تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے پھر میری مدد کی۔ جب ان کے سامنے کاغذات پیش ہوئے تو وہ باتوں میں مشغول ہو گئے تھے۔ انہوں نے

بغیر جانچ پرکھ کے اور میرے بیانات سنے بغیر ان پر دستخط کر دیئے۔ اب مجھے قانون کی حمایت بھی حاصل ہوگئی۔ اب اگر میرے ماں باپ مجھ تک پہنچ بھی جاتے تو کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔ اب میں یکسوئی کے ساتھ اپنی تعلیم میں مشغول ہوگیا۔

سوال: ماں باپ سے پھر کیسے ملاقات ہوئی؟

جواب: میں ۱۲ سال تک اسی مدرسے میں تعلیم حاصل کرتا رہا ماں باپ مجھ تک نہ پہنچ سکے لیکن میرے دل میں ان کو ملنے کی بہت تڑپ تھی اب میں نے تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنا جوتوں کا کاروبار بھی شروع کرلیا تھا۔ کاروبار کے سلسلے میں کئی مرتبہ آگرے جانے کا اتفاق ہوتا تو میں عربی شیخوں کا حلیہ بنا کر آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگائے اپنے بازار میں چلا جاتا۔ وہاں پرانے مسلمان دوستوں کو بھی مل آتا اور دور سے اپنی دوکان پر بیٹھے خاندان کے لوگوں کو بھی دیکھ لیتا۔ اس وقت میں نے درس نظامی دارالعلوم دیوبند کے ہم مسلک مدرسے سے مکمل کرلیا تھا اور پورا عالم بن چکا تھا۔

سال پہلے کی بات ہے میں مسلم بازار میں اپنے باپ کی دوکان کے پاس بیٹھا تھا کہ کسی مسلمان دوست نے دکان پر اطلاع کردی۔ مجھے اس وقت شک گزرا جب میرے بھائی یکے بعد دیگرے دیکھتے ہوئے میرے سامنے سے گزرے۔ میں انجان بیٹھا رہا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد میرے بڑے بھائی شبھ پاس آ گئے اور مجھ سے لپٹ کر بہت روئے، میں بھی رویا۔ اب تو مسلم بازار میں شور مچ گیا کہ رام گوپال کا بیٹا واپس آ گیا۔ بھائی نے مجھے بتایا کہ اب گھر والے بدل گئے ہیں مجھ سے ملنے کے لئے بے چین ہیں اس کے بعد دوسرے بھائی رام اور شیام بھی آ گئے میں نے بھائیوں کو سو، سو روپیہ ہدیہ دیا ہندوؤں میں ہدیہ بہت کم دیتے ہیں ہندوؤں کا اصل خدا دولت ہے۔ میرے اس ہدیئے نے ان کے دلوں میں بہت جگہ پیدا کردی وہ مجھ سے گھر جانے کی التجا کرنے لگے۔ لیکن میرے دوستوں نے اسے خطرے سے خالی نہ سمجھا ایسا کئی دفعہ

ہوا کہ نو مسلموں کو گھر بلا کر مار دیا گیا۔

سوال: والد صاحب سے پھر کیسے ملے؟

جواب مجھے بتایا گیا کہ وہ اب بھی مجھے ملنے کے روادار نہیں ۔لیکن میری ماں اور بہن بھائیوں نے مجھ سے گھر آنے کا وعدہ لے لیا۔اور کہا کہ تم گھر آ جاؤ تو بابو ضرور مان جائیں گے۔ میں ان کے کہنے پر اور دوستوں کے مشورے کے بعد گھر چلا گیا۔میرے بابو ہمت ہار چکے تھے ۱۲ سال کے بعد انہوں نے اپنے لاڈلے انیل کپور کو دیکھا تو سارا تعصب غصہ جذبات کے آگے خس وخاشاک کی طرح بہہ گیا۔وہ مجھ سے لپٹ کر بچوں کی طرح رونے لگے۔

سوال: تو کیا آپ نے گھر والوں کو اسلام کی دعوت دی؟

جواب: وہ میرے اخلاق سے بہت متاثر ہوئے تھے لیکن میں نے اس وقت حکمت اسی میں سمجھی کہ ابھی زخم مندمل نہیں ہوئے ، یہ دعوت کسی اور وقت دوں گا۔ابھی تک میری ان سے ایک ہی ملاقات ہوئی ہے۔اب جبکہ واپس ہندوستان جاؤں گا تو انہیں ضرور دعوت دوں گا مجھ پر ان کو دعوت دینا فرض ہے۔قرآن کے فرمان کے مطابق اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچانے کے بعد اپنے گھر والوں کو اس سے بچانا فرض ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دین اسلام کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہدایت نصیب فرمائے۔آمین۔

بچپن ہی سے میری طبعیت کا میلان اسلام کی طرف تھا میں نے اُردن شام لبنان اور مغرب اقصیٰ کے شہروں کا دورہ کیا بہت سے مسلمانوں سے میری ملاقات ہوئی نیز ان سے تبادلہ خیال بھی کیا اُن سے میں کافی متاثر ہوا میں نے اسلام کے بارے میں کافی کتابیں پڑھیں تو مجھے یقین ہو گیا کہ یہی دین اللہ کے نزدیک مقبول و پسندیدہ ہے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مملکت سعودیہ میں سفیر کی حیثیت سے کام کرنے کا سنہری موقع دیا میں مکہ مکرمہ موٹر سائیکل پر سوار ہو کر گیا تھا مسلمان قدیم زمانے سے مکہ کا سفر برہنہ پاء ہو کر کرتے ہیں اور مکہ کی راہ میں اُنہیں جو آبلہ پائی کی روحانی لذت کا احساس ہوتا ہے نیز مکہ مکرمہ کے سفر میں جو دیکھا تو مجھ پر سحر انگیز کیفیت طاری ہوئی وہ بیان سے باہر ہے وہ کیفیت میری روح کی گہرائیوں میں بلکل رچ بس کر میری زندگی کا ایک جُز بن گئی ہے۔

ڈنمارک کی سفیر کے قبول اسلام کے بعد تأثرات

گردش میں ہے جب تک تیری مخمور نگاہیں
ساغر کی طرح دل بھی چھلکتا ہی رہیگا
اس آئینہ خانے میں سبھی عکس ہیں تیرے
اس آئینہ خانہ میں تو یکتا ہی رہے گا

مدتوں سے میں اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کر رہا تھا، اس کے متعلق بہت کچھ پڑھا اور میرے والد نے اسلام کے متعلق ڈنمارک کی زبان میں کچھ ترجمہ کیا تھا اس کا بھی بنظر غائر مطالعہ کیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دین حق کو قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور میں مشرف بہ اسلام ہوگیا، آج میں اپنے اندر ایک طرح کا اطمینان وسکون اور فرحت ومسرت اور ایسی سعادت محسوس کرتا ہوں جس کی قیمت دنیا کی کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔

یہ جملے ایک نومسلم ڈنمارکی سفیر ''وول وولرز ویلسن'' کے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ میرے اسلام میں داخل ہونے کا سبب میرا یہ احساس ہے کہ اسلام ہی اتحاد و یک جہتی اخوت ومحبت اور بھائی چارہ خیر سگالی کا دین ہے اس کے اندر ناقابل تسخیر قوت اور ناقابل انکار حقانیت پنہاں ہے۔ ڈنمارک کے مسلم سفیر، خادم الحرمین الشریفین کی ان عظیم خدمات سے بھی بے حد متاثر ہیں جو وہ دنیا کے مختلف خطوں اور گوشوں میں آباد مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے انجام دے رہے ہیں ان کا کہنا ہے حکومت سعودیہ نے مسلمانوں کی مشکلات کو حل کرنے اور ان کے مسائل ومعاملات کو تقویت پہنچانے اور مسلم اقلیتوں کے بوجھ کو ہلکا کرنے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی وہ کہتے ہیں کہ عالم

اسلام کا ہر فرد مملکت سعودیہ کے قابل تعریف رول سے واقف ہے۔

ڈنمارک کی نومسلم سفیر نے یہ بات اس انٹرویو کے دوران کہی ہے جسے عالم عربی کے موقر جریدہ ''الدعوۃ'' کے نمائندے نے لیا۔ اس انٹرویو میں نومسلم ڈنمارک کی سفیر نے اپنے قبول اسلام کے واقعہ اور اس کے اسباب وعوامل پر روشنی ڈالی ہے۔

کسی ایسے شخص کا اسلام قبول کرنا جو ہمارے لئے نو وارد مہمان کی طرح ہے۔ یقیناً اس کیلئے شرف افتخار کا باعث ہے لیکن یہ واقعہ نصرانی اور دیگر غیر مسلم قوموں نے کیلئے سوالیہ نشان بھی بن جاتا ہے جو انہیں کانٹے کی طرح چبھتا ہے وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوجاتے ہیں کہ اپنے معاشرے کا ایک باعزت اور خوشحال شخص بغیر کسی سیاسی اور اقتصادی دباؤ کے کیونکر اسلام قبول کرتا ہے؟ خصوصاً ایسے وقت میں جبکہ اس کے پاس عیش وآسائش کے سارے وسائل بھی مہیا ہوتے ہیں اسی طرح مسلم معاشرہ کے ضعیف الاعتقاد اور کمزور ایمان والوں کے لئے بھی ایک سوالیہ نشان بن جاتا ہے کہ کیا ان کے دل میں یہ بات نہیں چبھے گی کہ یورپ کی گود کا پروردہ ایک نصرانی شخص عیش وعشرت، لہوولعب اور آسودگی وسرمستی کی زندگی چھوڑ کر کیوں اسلام میں داخل ہو رہا ہے۔؟

یہی وہ مرکزی نقطہ ہے جہاں پہنچ کر ایک نومسلم کے'' اعلان اسلام'' جیسے موضوعات کافی دلکش، دلچسپ اور اہمیت کے حامل بن جاتے ہیں۔ یہ معجزہ نہیں تو اور کیا ہے کہ ایک نومسلم یورپین بیانگ دہل اور بے خوف وخطر یہ اعلان کرتا ہے کہ'' حق قابل تقلید ہے ایمان کی لذت ہر لذت سے بلند وبالا ہے اور یہ سکون واطمینان ہر دولت وثروت سے بڑھ کر ہے۔''

الدعوۃ کے نمائندے سے جو گفتگو ہوئی ذیل میں اسے نقل کیا جاتا ہے۔

سوال:۔ ہماری دلی خواہش ہے کہ آپ اپنے قبول اسلام کا قصہ اپنی زبان سے خود

بیان کریں تاکہ ہمارے قارئین اسے پڑھ کر محظوظ و مستفید ہوں۔

جواب:۔ ۱۹۶۳ء میں جب میں نوجوان تھا مشرق وسطی کی سیاحت اور اسے قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ اس وقت میں نے اردن، شام، لبنان، مصر اور مغرب اقصیٰ وغیرہ کے شہروں کا دورہ کیا تھا، اسی دوران بہت سے مسلمانوں سے میری ملاقات ہوئی نیز ان سے تبادلہ خیال بھی کیا' ان سے میں کافی متاثر ہوا۔ اس کے علاوہ بھی اسلام کے بارے میں مختلف رسالوں اور کتابوں میں پڑھا تھا۔ چنانچہ جو چیزیں مجھے پہلے نہیں معلوم تھیں وہ ایک ایک کر کے مجھ پر کھلتی گئیں۔ اس طرح آہستہ آہستہ مجھے یقین ہو چلا کہ اسلام ہی اللہ تعالیٰ کا سچا آسمانی دین ہے، یہی دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول و پسندیدہ ہے۔ عصر حاضر میں اس کو آخری دین ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس کے علاوہ باقی سارے مذاہب و ادیان و ملل غلط ہیں۔ بالاخر میں نے اپنی مرضی اور پسند سے اسلام قبول کیا اور ۱۹۶۷ء میں باقاعدہ اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔

اس کے بعد میں نے مغرب اقصیٰ اور جزائر وغیرہ میں اپنے ملک کے سفیر کی حیثیت سے دورہ بھی کیا، ۱۹۸۷ء میں ریاض میں سفیر کی خدمت پر مامور ہوا، بچپن ہی سے میری طبیعت کا میلان اسلام کی جانب تھا، سب سے زیادہ قبول اسلام پر جس بات نے مجھے آمادہ کیا وہ مسلمانوں کی باہمی اسلامی اخوت و محبت اور ان کا اتحاد یکسانیت ہے، جب میں نے عرب ممالک میں اسلامی شہروں کو قریب سے دیکھا تو اس اخوت و محبت کو صاف طور سے محسوس کیا مجھے اسلام کی سب سے زیادہ جو خصوصیت پسند آئی وہ اس کا تناقضات اور تضادات سے خالی ہونا ہے، کیونکہ دیگر ادیان کی طرح اس کا ایک جز دوسرے جز کی تکذیب و تردید نہیں کرتا۔ مثلاً یہودیت اور نصرانیت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اتنی زیادہ تقدیس و تعظیم کی کہ انہیں درجہ الوہیت تک

پہنچادیا، لیکن مذہب اسلام اس طرح کے شرک سے پاک وصاف ہے توحید خالص اس کا طرۂ امتیاز ہے وہ اس دنیا میں توحید خالص کا واحد علمبردار ہے، جس میں شرک کا شائبہ تک نہیں، وہ صرف ایک معبود برحق کی دعوت دیتا ہے اور وہ اللہ جل شانہ کی ذات اقدس ہے، اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مملکت عربیہ سعودیہ میں سفیر کی حیثیت سے کام کرنے کا سنہرا موقع مرحمت فرمایا۔ جو میرے لئے اسلام کے مقامات مقدسہ کے جوار رحمت میں چند روز زندگی گزارنے کا پیش خیمہ بنا۔ اللہ تعالیٰ کی خصوصی توفیق شامل رہی کہ گزشتہ رمضان کے ماہ مبارک میں عمرہ کی ادائیگی کے لئے مکہ مکرمہ کا سفر کیا مکہ مکرمہ پورے عالم اسلام کی روح اور مرکز ہے، اور وہی اپنی روحانی مقناطیسیت سے عالم اسلام کے چپے چپے سے تمام مسلمانوں کو یکجا کرتا ہے، عمرہ کی ادائیگی کا جو روح پرور اور جان نواز تجربہ مجھ کو ہوا وہ بیان سے باہر ہے، یہ ایک ایسا نشاط انگیز اور کیف آور تجربہ ہے جس نے اندر سے میرے وجود کو ہلا ڈالا میری روح میں ارتعاش پیدا ہو گیا اور دل میں ایک طرح کی چبھن محسوس ہوئی، میں مکہ مکرمہ موٹر سائیکل پر سوار ہو کر گیا تھا۔ مسلمان قدیم زمانے سے مکہ مکرمہ کا سفر برہنہ پا کرتے آئے ہیں انہیں مکہ کی راہ کی آبلہ پائی میں ایک طرح کی روحانی لذت کا احساس ہوتا ہے، مکہ مکرمہ کے سفر میں انہیں جو مشقتیں اور مصیبتیں پیش آتی ہیں ان کا تھوڑا سا حصہ مجھے بھی ملا۔ پہلی بار جب میں نے کعبہ کو دیکھا تو مجھ پر جو سحر انگیز کیفیت طاری ہوئی وہ بیان سے باہر ہے میں اسے زندگی بھر نہیں بھلا سکتا، وہ کیفیت میری روح کی گہرائیوں میں بالکل رچ بس کر میری زندگی کا ایک جز بن گئی ہے۔

حجاج کرام، زائرین حرام اور عمرہ کرنے والوں کے لئے مقامات مقدسہ میں جو اعلیٰ انتظامات دیکھے وہ کافی اہمیت کے حامل ہیں ان کا مقابلہ کسی دوسری جگہ سے نہیں کیا جا سکتا۔

کہتے ہیں کہ بچپن میں مجھے اسلام کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات تھیں، کیونکہ والد صاحب الجزائر میں پانچ سال تک رہ چکے ہیں، انہیں تقابل ادیان سے خاص شغف تھا بعض عربی کتابوں کا انہوں نے ڈنمار کی زبان میں ترجمہ بھی کیا تھا، میں ان کتابوں کو پڑھتا تھا اسکے نتیجے میں میرے پاس بچپن ہی میں اسلام کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات جمع ہوگئی تھیں اور وہی معلومات دراصل اسلام کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کا باعث بنیں۔

سوال:۔ کیا بعض مسلمانوں کا غلط طرز عمل آپکے ذہن میں خلجان کا باعث قبول اسلام کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنا۔

جواب: دین کے اوامر ونواہی اور انسانوں کے طرز عمل میں فرق ملحوظ رکھنا ضروری ہے، دین میں کبھی کسی قسم کی تبدیلی نہیں آتی، البتہ انسان خود بدل جاتا ہے، پھر انسان سے غلطی بھی ہوسکتی ہے، وہ کوئی فرشتہ تو نہیں! وہ غلطی بھی کرسکتا ہے لیکن میرا غالب گمان یہ ہے کہ اسلام عموماً لوگوں کی زندگی پر چھایا ہوا، یا بہت حد تک دخیل ہے۔

اور بلا شبہ مسلمانوں کے درمیان تعاون وخیر خواہی اور میل ملاپ کی جو روح میں نے دیکھی وہ میرے لئے اتنی ہی اجنبی تھی جتنا کہ میں خود ان شہروں میں اجنبی تھا، اور یہی میرے لئے اس بات کا محرک ہوا میں اس ڈھانچے اور قدر مشترک کا پتہ لگاؤں جو انسانوں کے درمیان اس مقدس انسان رشتہ کی اساس ہے۔

سوال:۔ دائرہ اسلام میں آنے کے بعد کیا زندگی میں کوئی تبدیلی بھی رونما ہوئی ہے؟

جواب:۔ قبول اسلام کے بعد میں نے اپنے اندر ایک طرح کی روحانی آسودگی اور ذہنی بالیدگی محسوس کی نیز فکری اور نفسیاتی اعتبار سے بھی ایک طرح کی راحت وسکون کا احساس ہوتا ہے، البتہ اسلام لانے کے بعد میری اجتماعی اور معاشرتی زندگی میں کافی انقلاب آیا ہے، رمضان ہی وہ مقدس مہینہ ہے جس میں بندہ مومن کی زندگی میں

تبدیلیاں آتی ہیں ایمانی تپش اور سوزش میں اضافہ ہوتا ہے، مؤمنین کے تعلقات ایک دسرے سے مضبوط اور پائیدار ہوتے ہیں اور مسلمان اپنے آپ کو پہلے سے زیادہ اللہ تعالٰی کے قریب محسوس کرتا ہے اور لوگوں کے درمیان اسے بھائی چارگی اور اخوت وراحت کا احساس ہوتا ہے اور خصوصاً جب لوگوں کو یہ معلوم ہوا کہ وہ مسلمان ہے، اس وقت ان میں عجیب وغریب قسم کا اطمینان اور امن وآشتی کا شعور ہوتا ہے۔

سوال:۔ کیا قبول اسلام کے بعد آپ نے کچھ مشکلات کا بھی سامنا کیا ہے؟

جواب:۔ہاں اسلام کے بعد طبی طور پر مجھے بھی مشکلات سے دو چار ہونا پڑا ہے اس لئے کہ قبول اسلام کے بعد ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں اور بہت سی چیزوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا ضروری ہو جاتا ہے' مثلاً عربی زبان کی تعلیم اور اسلامی مسائل کا علم وغیرہ لیکن بیشتر مشکلات خود میرے معاشرے کی پیدا کردہ تھیں۔

مجھے یاد آتا ہے کہ جب میں مکہ مکرمہ میں عمرہ کی ادائیگی کے لئے گیا تو اُس وقت جو دعائیں پڑھی جاتی ہیں وہ عربی میں ہونے کے باعث مجھے معلوم نہ ہو سکیں کیونکہ میں عربی زبان اچھی طرح جانتا نہ تھا مجبوراً میں نے معلم کا سہارا لیا اور الحمد للہ اب میں ان تمام مشکلات پر قابو پا چکا ہوں، آج مغرب کو ایسے داعیوں کی تلاش اور ضرورت ہے جو انہیں اسلام کے بارے میں بتائیں اور ان کو اسلام کے بارے میں صحیح معلومات بہم پہنچائیں۔

سوال:۔اسلام لانے کے بعد اور قبول اسلام کے بارے میں آپ کے نظریات میں یقیناً فرق آیا ہوگا تو ایک مسلمان کی حیثیت سے مسلمانوں کے درمیان رہنے اور سابقہ حال میں جو فرق آپ نے محسوس کیا، کیا اس سے ہمیں بھی آگاہ کرنے کی زحمت کریں گے۔

جواب:۔ کیوں نہیں! اگر آپ یورپ کے باشندے ہوتے اور اسلام کے بارے میں

آپ کچھ جانتے بھی نہ ہوں تو اسلام کے بارے میں اس وقت آپ کی معلومات یقیناً بہت تھوڑی ہونگی، اسکولوں اور کالجوں میں ہمیں دیگر ادیان کے بارے میں صرف معمولی طور سے ابتدائی باتیں بتائی جاتی ہیں۔ دیگر ادیان کے ساتھ اسلام کے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ ضرور پڑھایا جاتا ہے اور یہ معلومات اتنی تھوڑی ہوتی ہیں کہ انسان کو کسی صحیح نتیجہ تک پہنچانے میں معاون نہیں ہوتیں۔

میرا خیال ہے کہ اہل مغرب اسلام کے بارے میں صحیح اور قابل قدر معلومات نہیں رکھتے، کیونکہ اسلام کے بارے میں انہیں کسی نے کچھ بتایا نہیں ہے، وہ عربوں کو ہمیشہ اپنا حریف اور دشمن تصور کرتے ہیں لیکن عصر حاضر میں تہذیب وتمدن کے تبادلے اور مواصلات کے جدید ترین نظام کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں مغرب کے نظریات تھوڑے بہت ضرور بدلے ہیں۔ رہ گیا اسلام کے بارے میں میرے نظریات کا سوال تو وہ تو پہلے سے ہی خوش آئند تھے کیونکہ بچپن ہی سے میں نے اسلام کے بارے میں بہت کچھ معلومات حاصل کر لی تھیں، اور جب اس دین حنیف کے بارے میں میری معلومات پختہ اور مکمل ہوگئیں تو میں نے اسلام کو گلے لگالیا۔

سوال:۔ شمالی یورپ میں داعیان اسلام کی راہ میں سب سے اہم اور بڑی رکاوٹیں یا مشکلات کیا ہیں؟

جواب:۔ داعیان اسلام کی سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ وہ مطلوبہ ذمہ داریوں کے حساب سے بہت تھوڑی تعداد میں ہیں، پھر دوسرے یہ کہ مغرب کے مسلمانوں اور عالم اسلام کے دیگر مسلمان بھائیوں کے درمیان جو طویل ترین مسافت حائل ہے، اس سے انہیں یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ اپنے تمام مسلمان بھائیوں سے کٹ کر رہ گئے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ انہیں ہم یہ احساس دلائیں کہ ہم ان سے غافل نہیں

ہیں اور نہ ہی ہمارا تعلق ان سے منقطع ہوا ہے بلکہ ہمارا تعلق ان سے مسلسل برقرار ہے نیز مالی و مادی اور معنوی و روحانی اعتبار سے بھی ان کی معاونت کی ضرورت ہے، دینی، دعوتی اور اسلامی کتابوں، قرآن پاک اور میدان دعوت تبلیغ کے ایسے ماہر تجربہ کار اور کہنہ مشق داعیوں کی انہیں اشد ضرورت ہے جو شمالی یورپ کے مختلف علاقوں میں آسانی کے ساتھ تبلیغ و دعوت اور اسلام کی نشر و اشاعت کا کام بحسن و خوبی انجام دے سکیں۔

سوال:۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یورپ میں اسلام کا مستقبل روشن اور تابناک ہے، دلیل یہ دیتے ہیں کہ یورپ میں اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں بہ نسبت دیگر مذاہب کے حیرت انگیز طور پر اضافہ ہو رہا ہے اس نظریہ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب:۔ یہ ایک زندہ حقیقت ہے کہ یورپ میں مسلمانوں کا تناسب دن بدن بڑھ رہا ہے چنانچہ صرف فرانس میں چار ملین مسلمان یورپ میں بیرونی مسلمانوں کی آمدورفت یا ہجرت کرنے والے اہل یورپ کو مسلمانوں کو سمجھنے کا موقع ملے گا اور اہل یورپ اسلام کو زیادہ بہتر طریقہ پر جان سکیں گے، کیونکہ مسلمانوں کی صحبت میں رہنا اور اسلام کے بارے میں پڑھنا، دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ دین کا دوسرا نام معاملات اور طرز عمل ہے۔

لیکن اہل یورپ جب براہ راست مسلمانوں سے ملیں گے جیسا کہ آج کل دیکھنے میں آرہا ہے تو نظریات میں آہستہ آہستہ تبدیلی آتی جائیگی، اور قدیم مسلمات و مزعومات کی دیواریں خود بخود پاش پاش ہو جائیں گی، اور اسلام کے بارے میں مغرب کی معلومات میں بھی اضافہ ہوگا، اس طرح اگر میں یورپ میں اسلام کے بارے میں روشن اور تابناک مستقبل کی توقع کروں تو بجانہ ہوگا۔

سوال:۔ گزشتہ جوابات میں آپ نے وضاحت کی ہے کہ مغربی میڈیا اور ذرائع ابلاغ نے یورپ میں مسلمانوں کی شکل کو مسخ کر کے پیش کیا ہے کبھی تو اسے دہشت گرد، اور تشدد پسند کہتے ہیں اور کبھی رجعیت پسند اور روایت پرست اور غیر ترقی یافتہ کہتے ہیں اور جاہل وان پڑھ اور جدید تہذیب وتمدن سے بالکل نا آشنا کہنے سے بھی گریز نہیں کرتے اس بگڑی ہوئی شکل کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب:۔ یورپ، عرب ممالک اور عالم اسلام کے درمیان بہت سے مشترک سیاسی مصالح اور مسائل ہیں بعض عناصر دہشت گردی کا ارتکاب کرتے ہیں، امن پسند شہریوں کو خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم، بلا امتیاز قتل کرتے ہیں مثلاً آج کل بوسنیا ہرزیگو وینا میں سربیائی وحشی درندے جو کچھ غیر انسانی کرامات کر رہے ہیں، وہ دہشت گردی وتشدد کی بدترین اور شرمناک مثال ہے غرضیکہ دہشت گردی کی جڑیں ہر جگہ پھیلی ہوئی ہیں یورپ اور ایشیا کا کوئی خطہ اس سے محفوظ نہیں لیکن خطرناک بات یہ ہے کہ خاص کر عربوں پر جن لوگوں نے یہ الزام لگایا ہے وہ اسلام دشمن عناصر ہیں، مثلاً اسرائیل فلسطین کی تحریک انتفاضہ کو دہشت گرد بتاتا ہے، یہ بات صحیح نہیں کیونکہ فلسطینی تو اپنے جائز حقوق اور ملک وطن کے لئے لڑ رہے ہیں، دہشت گردی وتشدد ہر جگہ موجود ہے، البتہ اس کو عمومیت کا رنگ دینا صحیح نہیں، بلکہ یہ بہت بڑی غلطی ہے، ہر چیز میں عمومیت اچھی بات نہیں ہاں! اس بات میں عمومیت پیدا کرنے میں اسلام دشمن عناصر کا ہاتھ ہے۔

سوال:۔ عالم اسلام کی موجودہ صورتحال سے کیا آپ مطمئن ہیں؟

جواب:۔ موجودہ حالات کے اعتبار سے عالم اسلام اس وقت دو حصوں میں منقسم ہے ایک حصہ وہ جو امن وامان اور سلامتی وآشتی سے بہرہ ور ہے، دوسرا وہ جو مختلف قسم کی سیاسی اور اقتصادی مشکلات سے دوچار ہے، مثلاً بوسنیا ہرزیگو وینا کو سربیائی بھیڑیوں

کے وحشیانہ حملوں اور تباہ کن غارت گریوں کا سامنا ہے اس وقت وہاں کا مسئلہ ناقابل حل بحران کے مرحلے میں داخل ہو چکا ہے، لاکھوں انسانوں کا قتل عام ہوا، ان کی جائیدادیں اور اموال واملاک لوٹ لی گئیں، ان کی عصمت وآبرو پامال ہوئی، یہی حال فلسطین اور عالم کے بہت سے خطوں کا ہے۔ لہٰذا ہم پر ضروری ہے کہ ہر ممکن طور سے ہر میدان میں مسلمانوں کا تعاون کریں ان کے حقوق کے تحفظ کے بارے میں کسی طرح کی کمی یا کوتاہی کرنا، نفس اسلام کے بارے میں کوتاہی وکمی کرنے کے مترادف ہے۔

سوال:۔ مملکت سعودیہ آنے سے قبل اس کے بارے میں آپ کے کیا جذبات وخیالات تھے کیا یہاں آنے کے بعد ان جذبات وخیالات میں کچھ فرق محسوس کرتے ہیں؟

جواب:۔ مملکت سعودیہ آنے سے قبل میں یہ غور کرتا تھا کہ یہ ایک صحرائی وریگستانی مملکت ہوگا جس میں جگہ جگہ تیل کے کنویں ہوں گے، میں یہ نہیں سمجھتا تھا کہ یہ ملک اتنا ترقی یافتہ ہوگا۔ اس وقت تو سعودیہ زندگی کے تمام شعبوں میں غیر معمولی ترقی کر چکا ہے، ہر زائر حرم جب سعودیہ کو اس جدید ترین شکل میں دیکھتا ہے تو حیران وششدر رہ جاتا ہے، نہایت مختصر سے وقت میں سعودیہ ایک صحرائی وریگستانی ملک سے ایک جدید ترین، ترقی یافتہ اور سبزہ زار ملک میں تبدیل ہو گیا ہے اور ان تمام جدت وترقی کے باوجود مملکت نے جدید تہذیب وثقافت اور قدیم تہذیب وثقافت میں ایک حسین امتزاج واعتدال پیدا کر رکھا ہے، مملکت کے جدید تہذیب سے مستفید ہونے کے ساتھ ساتھ قدیم تہذیبی ورثہ کا تحفظ بھی کیا ہے۔

شخصی اعتبار سے میں مملکت کے اس اقدام کو جاپان کے اقدام سے تشبیہ دوں گا جس نے جدید تہذیب سے فائدہ اٹھانے کے ساتھ ساتھ قدیم تہذیبی اقدار وروایات

پر کار بند رہنے کی زندہ مثال قائم کی ہے۔

سوال:۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے سعودی مملکت کے دین کی خدمت کے میدان میں رول، کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: ۔اسلام کی خدمت واشاعت کے سلسلے میں مملکت نے نمایاں اور امتیازی حصہ لیا ہے اسلام کی تبلیغ واشاعت کے سلسلے میں مملکت کی خدمات جلیلہ اور دنیا کے مختلف خطوں میں آباد مسلمانوں کا مالی ومعنوی اعتبار سے بے مثال تعاون کا کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا۔اس طرح دعوتی اور تبلیغی میدان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی فضل وکرم اور مملکت کی مخلصانہ اور بیکران جدوجہد کا ثمرہ ہے۔

ماہنامہ المسلمون بحوالہ ختم نبوۃ ج ۱۲ ش ۲۵ ۱۹۹۴ء)

صحافتی زندگی میں جب قدم رکھا تو مجھے بحیثیت کیمرہ مین لبنان کی خانہ جنگی کی تصویروں کے لئے بیروت جانا پڑا۔ امریکی فلموں اور میڈیا نے میرے دل ودماغ میں یہ بات اچھی طرح اتار دی تھی کہ مسلمان تشدد پسند ظالم اور انتہائی جاہل وجنگلی ہوتے ہیں۔ انسانی تہذیب سے اُن کا کوئی تعلق نہیں، لیکن لبنان میں مسلمانوں سے مختلف مقامات پر میری ملاقاتیں ہوئیں میرے کھانے پینے آرام راحت کا اُنہوں نے ہر ممکن خیال کیا بلکہ مجھے خطرات سے محفوظ رکھنے کیلئے جان کی بازی لگادی جبکہ عیسائی فوجوں کی کمین گاہوں سے مجھ پر گولیاں چلائی گئیں۔

جارج واشنگٹن کی نسل میں اسلام

یہی مقصود فطرت ہے یہی رمز مسلمانی ہے
اخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی

سوال:۔ براہ کرم آپ اپنا تعارف کرائیں اور بتائیں کہ اسلام کی قبولیت کے اسباب ومحرکات کیا پیش آئے؟ اس کا آغاز کب سے ہوا؟

جواب:۔ واشنگٹن کے قریبی صوبہ ورجینیا میں میری پیدائش ہوئی۔ میرے والد امریکی بحریہ میں ایک افسر تھے۔ وہ امریکی صدر جارج واشنگٹن کے پوتے تھے۔ میری نشوونما اور تعلیم وتربیت کے سارے مراحل خاندان ہی میں طے ہوئے۔ میرے آباء واجداد کا ایک بڑا فارم ہے جو چار سو سال سے ہماری ملکیت ہے

بچپن ہی سے عیسائیت کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی جستجو میرے اندر تھی۔ میں جس پادری سے بھی کچھ سوالات کرتا وہ مجھے مطمئن کرنے میں ناکام ہوجاتا۔ مجھے یہ یقین ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کا وجود اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وجود دونوں الگ الگ ہیں۔ یہ دور میری زندگی کا مشکل ترین دور تھا۔

پھر صحافتی زندگی میں جب میں نے قدم رکھا تو مجھے ایک کیمرا مین کی حیثیت سے رسالہ ٹائم کی طرف سے لبنان کی خانہ جنگی کی تصویریں کھینچنے کیلئے بیروت جانا پڑا۔ یہ صحیح ہے کہ ایک عرب اور مسلمان ملک کے سفر کا تصور کر کے مجھے خوف وگھبراہٹ ہورہی تھی، اس لئے کہ امریکی فلموں اور میڈیا نے میرے دل ودماغ میں یہ بات اچھی طرح اتار دی تھی کہ مسلمان تشدد پسند اور ظالم ہوتے ہیں۔ وہ انتہائی جاہل اور جنگلی ہوتے ہیں۔ انسانی تہذیب سے ان کا کوئی تعلق نہیں، لیکن لبنان میں داخل ہوتے ہی

میرے تمام نظریات و عقائد یکسر باطل ثابت ہوئے۔ میں نے بچشم خود مشاہدہ اور تجربہ کیا کہ مسلمانوں اور عربوں سے متعلق جو کچھ مغربی میڈیا نے تصورات دیئے ہیں وہ جھوٹ اور گمراہ کن پروپیگنڈہ ہیں۔

جن مسلمانوں سے لبنان میں مختلف مقامات پر ہماری ملاقاتیں ہوئیں انہوں نے ہمیشہ خطرات سے ہمیں محفوظ رکھنے میں جان کی بازی لگادی۔ میرے کھانے پینے اور آرام وراحت کے تمام وسائل مہیا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ جبکہ عیسائی فوجوں کی کمین گاہوں سے مجھ پر گولی چلائی گئی اور میں زخموں سے چور ہوگیا تو ان مسلمانوں نے میرے علاج میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا اور اس طرح انہوں نے میری دیکھ بھال کی جیسے میں ان کا بھائی اور خاندان کا فرد ہوں۔ اس وقت میری عمر صرف بیس سال تھی۔ جس ہوٹل میں میرا قیام تھا وہیں قریب ایک مسجد تھی، جس کے امام سے میں ملاقاتیں کرتا اور اسلام کے بارے میں ان سے معلومات حاصل کرتا رہتا۔ ان ملاقاتوں سے میرے اندر اسلام سے دلچسپی پیدا ہونے لگی، لیکن اس وقت میں نے یہ قرآن پڑھا تھا اور نہ حدیث سے واقف تھا، لیکن مسلمانوں سے گفتگو اور مسلسل ملاقاتوں اور ان کے قرب نے میری تمام غلط فہمیوں کو دور کر دیا تھا۔ میں ان مسلمانوں کے ساتھ جنگ کے محاذ پر جاتا تھا تاکہ تصویریں لے سکوں، پھر میں واپس امریکہ آگیا۔ میں نے از سر نو مسیحی عقائد اور مختلف عیسائی فرقوں کے متعلق مطالعہ کرنا شروع کیا۔ گرجا گھروں میں پادریوں سے بھی ملا لیکن مجھے تشفی نہ ہوسکی۔

پھر مجھے افغانستان اس وقت جانا پڑا جب روس نے اس قدیم اسلامی ملک پر زبردست یورش کردی۔ واشنگٹن میں افغانستان کی آزادی کے لئے جدوجہد کرنے والی ایک کمیٹی نے مجھے رپوٹنگ کیلئے افغانستان بھیجا تھا۔ میری یہ بھی ذمہ داری تھی کہ افغان مجاہدین کی ضروریات کا جائزہ لوں اور مالی وفوجی امداد کا اندازہ کروں۔ ہم نے

بعض افغان مجاہدین کو واشنگٹن اور نیویارک مدعو کیا تا کہ وہ امریکن کانگریس کے ارکان سے تبادلہ خیال کرسکیں۔

سوال:- آپ کے افغانستان کے بارے میں کیا مشاہدات واحساسات رہے؟

جواب:- میں نے عام افغان مجاہدین کے اندر جو اسلامی روح پائی اس نے مجھے متحیر کر دیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ عین معرکہ جنگ میں وقت آنے پر نمازوں کے لئے کھڑے ہو جاتے۔ وہ کہا کرتے کہ اپنے خالق و مالک کو راضی کرنے کیلئے ہم یہ عبادت کرتے ہیں۔ میں جب انہیں جوش وجذبہ سے جہاد کرتے دیکھتا اور نہتے ہوتے ہوئے بھی ایک بڑی فوجی طاقت سے لڑتے دیکھتا تو اپنے دل میں کہتا کہ یہ لوگ کمزور اور نہتے ہونے کے باوجود اپنے طاقتور دشمن پر یقیناً فتح وغلبہ حاصل کر لیں گے، اس لئے کہ ان کے دلوں میں وہ ایمان موجزن ہے جس سے روسی فوج محروم ہے۔

میں نے قیام افغانستان کے دوران ہی احادیث نبوی ﷺ کا مطالعہ شروع کر دیا۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ وہ ایمان ہی کی بدولت کامیاب وکامران ہوں گے۔ اس میں شک نہیں کہ ایمان کی قوت سے بھرپور افغان مجاہدین بالآخر جدید ترین جنگی ساز وسامان سے لیس روسی فوج کو شکست دینے میں کامیاب ہو گئے۔

سوال:- آپ کی زندگی میں دوسرا موڑ کب آیا؟

جواب:- افغانستان سے واپسی کے بعد میں صحافت کے بجائے اپنے اصل پیشہ کیمرا مین کا کام کرنے لگا۔ سنہ ۱۹۸۸ء میں نیویارک میں ہم نے اپنے دوستوں کے تعاون سے ایک کمپنی کی بنیاد ڈالی۔ ''راک اینڈ رول'' گانے والوں کی ایک ٹیم ہم نے تشکیل دی، وہاں سے ہماری دوسری زندگی، جو سراسر لہو ولعب اور رقص وسرود اور شراب وشباب کی زندگی جس میں قدم قدم پر لذتوں سے لطف اندوزی ہوتی ہے،

امریکی سوسائٹی میں ان مشہور فلمی ستاروں سے ہماری ملاقاتیں بھی ہوئیں جن کے بارے میں ہم اخبارات میں پڑھا کرتے تھے، پھر ہم نے دولت اکٹھی کرنی شروع کی۔ ایک سال کے اندر ہی میرے پاس ستر ہزار ڈالر جمع ہوگئے۔ اس طرح میرے پاس زندگی میں پہلی بار اتنی بڑی رقم جمع ہوگئی۔

مجھے ایک بڑے دولت مند کی شادی کی تقریب میں ناروے مدعو کیا گیا تا کہ اس کی فلم بندی کروں۔ اس میں اچھے خاصے پیسے ملے۔ ۱۹۹۲ء میں راک اینڈ رول کے مشہور مغنی ایلٹن جان کے ساتھ سفر میں جانا پڑا، تا کہ اس کے اس سفر کو کیمرے میں محفوظ کروں۔ یورپ کی سیاحت کے دوران وائنا میں ہماری ملاقات پناہ گزینوں کے ذمہ دار، اقوام متحدہ کے ایک عہدیدار سے ہوئی۔ اس نے خواہش ظاہر کی کہ آپ صرف دو دن کے لئے بوسنیا ہو کر آیئے اور وہاں کی خانہ جنگی کی بھی تصویریں لے لیجئے۔ میں نے اس کو جواب دیا کہ میں نے خانہ جنگی کی اتنی تصویریں اتاری ہیں جو بہت سی جنگوں کے لئے کافی ہیں۔ ارٹیریا، ایتھوپیا، پولیساریو (مراکش) افغانستان اور بیروت وغیرہ کی تصویریں لے چکا ہوں، لیکن اس شب جب میں اپنے ہوٹل واپس آیا تو ٹیلیویژن پر بوسنیا کی خبریں دیکھ کر میری رائے بدل گئی۔ ہم نے ٹی وی پر دیکھا کہ سرائیو میں خواتین اور معصوم بچوں نے روٹی حاصل کرنے کیلئے جو لائن لگائی تھی اس پر سربوں نے زبردست گولہ باری کی ہے۔ یہ خبر میرے لئے بڑے زبردست صدمہ کا باعث بنی، اور میرے احساسات کو اس نے جھنجھوڑ کر رکھ دیا، اس لئے کہ افغانستان اور دوسرے مقامات پر بے گناہ بچے اور عورتیں جنگ میں قتل ہوئیں لیکن اصل جنگ میں مقابلہ مردوں کا مردوں سے تھا، لیکن بوسنیا میں جو جنگ ہو رہی تھی وہ تو مکمل طور پر مسلمانوں کے خلاف تھی۔ ہر اس چیز کو چن چن کر نشانہ بنایا جا رہا تھا جس کا تعلق اسلام اور مسلمانوں سے تھا۔ یہ جنگ سراسر ایک بھیانک نسلی جنگ تھی۔ دوسرے دن میں

اقوام متحدہ کے دفتر میں کام کرنے والے اس دوست کے پاس پہنچا تا کہ سرائیو جانے کا پروگرام ترتیب دیا جائے۔ ہم نے جب اس کی اطلاع ظاہر کی کہ دو دن کے بجائے آپ دو ہفتے وہاں رہیں، لیکن میں نے کہا کہ میں صرف دو دن ہی اس کے لئے نکال سکتا ہوں، تا کہ اپنی کمپنی کے ضروری کام انجام دینے لئے نیویارک واپس جاسکوں۔

سوال:- پھر آپ نے بوسنیا میں کیا دیکھا؟

جواب:- سرائیو پہنچنے کے دوسرے ہی دن ہم نے بوسنیا کی شاہراہوں پر بڑے ہولناک مناظر دیکھے۔ فرانسیسی بکتر بند گاڑی میں بیٹھ کر میں ائیر پورٹ کے راستے میں واقع ہسپتال گیا تا کہ وہاں کے مناظر کو کیمرے میں محفوظ کرسکوں۔ ہسپتال پہنچا ہی تھا کہ میں نے دیکھا کہ سرب فوجی زبردست گولہ باری ہسپتال پر کر رہے ہیں۔ ہسپتال سے باہر ایک زخمی کو ہم نے فوراً اندر پہنچایا۔ فرانسیسی محافظ دستے تو واپس چلے گئے، ہم وہیں ہسپتال میں ٹھہر گئے اور تقریباً سولہ گھنٹے ان ڈاکٹروں اور نرسوں کے ساتھ ہم نے گزارے جو شب و روز کھانے پینے سے بے پرواہ ہو کر انتہائی تندہی اور توجہ و محنت سے مریضوں کے علاج میں مشغول تھے۔ انہیں آپریشن کیلئے ضروری اور بنیادی سامان نہیں مل رہا تھا۔ ان کے پاس انجکشن اور دوائیں نہیں تھیں، آکسیجن کی شدید کمی تھی، پانی اور بجلی سے بھی یہ ہسپتال محروم تھا، بجلی کے بجائے شمع سے کام لیا جا رہا تھا، بے ہوش کرنے والی دوائی تک نہیں تھی۔ باوجود یہ کہ ہسپتال میں آپریشن کے وسائل اور جدید ترین مشینیں موجود تھیں لیکن بجلی نہ ہونے سے سب بیکار تھیں۔ دوسری طرف سرب فوجیوں کی مسلسل گولہ باری نے سارا نظام درہم برہم کر رکھا تھا۔ آکسیجن کے پائپ خالی رکھے ہوئے تھے۔ چار مہینے سے یہ صورت حال تھی۔ ہم نے اقوام متحدہ کے آفس میں فون کر کے دریافت کیا کہ کیا آکسیجن کا انتظام ہوسکتا ہے، کیا ہسپتال میں مریضوں کو غذائی اشیاء مہیا کی جاسکتی ہیں، لیکن اقوام متحدہ کے افسران نے یہ عذر

کیا کہ اگر ہم کسی ٹرک کے ذریعے سامان پہنچانے کی کوشش بھی کریں گے تو سرب فوجیں اپنی گولہ باری سے اس کو ناکام بنادیں گیں، اس لئے ہم آپ کی مدد نہیں کرسکتے۔ ہمارے پاس صرف تیرہ ٹرک ہیں جن پر غذائی اشیاء لدی ہوئی ہیں۔ ہم کسی ایک ٹرک سے دست بردار ہونے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ ہم نے وہاں موجود بوسنیا کے مسلمان فوجیوں سے گفتگو کی اور کہا کہ کیا آپ کوئی بار بردار ٹرک تیار کرسکتے ہیں۔؟ انہوں نے آمادگی ظاہر کی۔ جیسے ہی ہمیں یہ ٹرک مہیا ہوگیا، ہم نے بوسنیا کے مسلمان فوجیوں کے تعاون سے سفید رنگ سے ٹرک کو رنگ دیا اور اس کے ہر طرف اقوام متحدہ کا مونو گرام بنادیا۔ ہم نے ہسپتال کو درکار اشیاء کی فہرست بنائی۔ پھر اقوام متحدہ کے مرکزی دفتر سے غذائی اور طبی ساز و سامان لیا اور خود ڈرائیور بن کر ٹرک سے ائیر پورٹ کے راستے سربوں کی چوکیوں سے گزرتے ہوئے ہسپتال پہنچ گئے۔ سربوں نے ہم سے تعرض نہیں کیا۔ دوسرے دن اقوام متحدہ کے دفتر کو حیرت اور تعجب ہورہا تھا کہ میرے پاس تو کاغذات ایک صحافی کے ہیں اور میں اقوام متحدہ کا ڈرائیور کیسے بن گیا۔ سربوں کی وحشیانہ گولہ باری سے بچ کر صحیح سلامت ہسپتال تک پہنچنا ایک معجزہ ہی تھا۔ اگر ہم اپنے آپکو غیر ملکی صحافی بتادیتے تو سرب ہمیں یقیناً گولیوں سے اڑادیتے، اس لئے کہ بیسویں صدی کی جو خانہ جنگیاں ہوئی ہیں ان میں سے سب سے زیادہ صحافی سربوں کی گولیوں سے ہی مارے گئے ہیں۔ ہم نے امریکی ذمہ داروں سے بھی مدد لی۔ انہوں نے ہسپتال کے لئے طبی اور غذائی اشیاء تیسرے دن بھی فراہم کیں اور آکسیجن بھی وافر مقدار میں دوسرے شہر زغرب سے بھجوائی۔

سوال:- اس کے بعد آپ نے کیا کیا؟

جواب:- میں محسوس کرنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک خاص مقصد سے بھیجا ہے۔ میں نے تین دن قیام کے بجائے مزید تین ہفتے یہاں ٹھہرنے کا فیصلہ کرلیا۔ یہ میرے

قیام کا تیسرا اور آخری ہفتہ تھا۔ مجھے ضروری تصویریں اتارنی تھیں کہ اچانک ایک کمین گاہ سے مجھ پر گولیاں چلائی گئیں جو میرے ایک بازو اور دوسری گولی میری ٹانگ میں لگی۔ بوسنیا کے مسلمان ڈاکٹروں نے فوری طبی مدد پہنچائی۔ اس کے مکمل علاج کے لئے میونخ (جرمنی) چلا گیا جہاں امریکی ہسپتال میں ڈیڑھ دو مہینے علاج کی غرض سے مقیم رہا۔ ڈاکٹروں نے زخم دیکھ کر بتایا کہ دو سال تک اچھی طرح علاج ہو تو آپ چل پھر سکتے ہیں۔ لیکن میں نے ان کی ہدایات کو نظر انداز کر کے یہ فیصلہ کر لیا کہ مجھے بوسنیا میں اپنی جدوجہد جاری رکھنا ہے۔ چنانچہ میں نے پلاسٹک کے تھیلوں سے اپنے پاؤں کو لپیٹ لیا، اور پھر ہسپتال پہنچ گیا۔ ایک مہینے کے اندر میں چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا۔ جرمنی میں ہم نے بوسنیا کے لئے دوائیں جمع کرنے کی مہم شروع کر دی۔ جب اچھی خاصی مقدار ضروری دواؤں کی ہو گئی تو میں بوسنیا واپس چلا گیا۔ یہاں مجھے ایک ایسے عجیب وغریب تجربے سے گزرنا پڑا جس سے میرے اندر کا زخم گہرا ہو گیا اور بہت ہی غیر معمولی نفسیاتی صدمہ پہنچا بلکہ اس نے میری زندگی کا رخ یکسر بدل کر رکھ دیا۔

مجھے ایک دن معلوم ہوا کہ بوسنیا کا ایک چھوٹا سا شہر سرب فوجوں کے محاصرے میں ہے، میں نے وہاں جانے کا فیصلہ کیا۔ کروٹ اور بوسنیا کے فوجیوں نے بھی میرے اس فیصلے کی مخالفت کی اور متنبہ کیا کہ آپ بہت بڑا خطرہ مول لے رہے ہیں۔ ہر طرف سربی فوج گھات لگائے بیٹھی ہے۔ یقیناً وہ ہم کو گولیوں سے بھون دیں گے۔ آپ یہ سفر نہ کریں تو بہتر ہے، خودکشی کے مترادف ہے یہ سفر، لیکن میرا فیصلہ وہاں جانے کا اٹل تھا۔ ہم رات کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔ جب اچھی تاریکی چھا گئی تو ہم نے سفر کا آغاز کر دیا۔ آخر وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا۔ سرب فوجیوں نے ہم پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں بال بال بچا لیا۔ جس موٹر میں سوار تھے۔ وہ بری طرح تباہ و برباد ہو گئی۔ انجن، ٹائر اور شیشے مکمل طور پر تباہ ہو گئے۔ ہم واپس آ گئے۔

دوسری موٹر لی اور ایک دوسرے راستے کا انتخاب کیا جہاں سے منزل مقصود تک پہنچا جاسکتا تھا۔ بوسنیا کے وحشت ناک جنگل کے اس جہنم میں ہم نے چار خواتین کو دیکھا جو ایک دوسرے کو سہارا دے کر چل رہی ہیں۔ سربوں نے پھر ہم پر گولیاں چلائیں۔ ہم نے اندزہ لگایا کہ یہ خواتین اپنے جسموں کو اچھی طرح لپیٹے ہوئے ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ یقیناً یہ مسلمان خواتین ہیں سرب فوجی مسلمانوں کا بھیس بدل کر مسلمان خواتین اور مردوں کو دھوکا دیا کرتے اور ان کو قتل کر دیتے۔ مجھے ایک لمحے کیلئے شک ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ خواتین سربوں سے تعلق رکھتی ہوں اور ہم مدد کیلئے پہنچیں تو سربوں کی گولیوں کا شکار ہو جائیں، مگر ہم نے یہ بات حیرت کے ساتھ نوٹ کی کہ ان خواتین میں سے ایک کے جسم سے بری طرح خون بہہ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر میں موٹر سے اترا اور میرے ساتھ ڈرائیور بھی اتر گیا۔ یہ خواتین شدت تکلیف سے بری طرح چیخ رہی تھیں اور زار و قطار رو رہی تھیں۔ ہم جب ان خواتین کے قریب آئے تو معلوم ہوا کہ ان میں ایک بارہ سال کی اور دوسری بچی تیرہ سال کی ہے۔ ایک لڑکی کے جسم سے خون بری طرح بہہ رہا تھا۔ میں نے اس بچی کو اپنی موٹر میں سوار کر لیا۔ خاتون، جس کی بچی کے جسم سے خون بہہ رہا تھا، بڑی مضطرب تھی۔ ڈرائیور نے اس کو ہمارے بارے میں بتایا کہ یہ ڈاکٹر ہیں۔ میں نے وہیں فوری طبی امداد اس بچی کو پہنچانے کا فیصلہ کیا اس لئے اس کی حالت بہت سنگین ہو رہی تھی۔ مجھے فرسٹ ایڈ کی تربیت مل چکی تھی جو اس موقع پر کام آئی۔ میں نے جب اس بچی کو دیکھا تو مجھے گہرا صدمہ پہنچا۔ یہ ناقابل فراموش واقعہ تھا جو زندگی بھر نہیں بھلایا جاسکتا۔ اس بچی کی ماں نے مجھے بتایا کہ سرب فوجیوں نے اس کے ساتھ بڑی درندگی کا معاملہ کیا۔ اس کے بعد سے یہ بچی بے ہوش ہے اور قریب المرگ ہے۔ نبض بھی کمزور تھی۔ بچی کی ماں نے روتے ہوئے بتایا کہ سربوں نے اس کی مسلمان بستی پر حملہ کیا، تمام مردوں اور بچوں کو انہوں نے ان کے رشتہ

داروں کے سامنے ایک ایک کر کے قتل کر دیا۔ اس سے فارغ ہو کر ان درندوں نے بستی کی خواتین اور بچیوں کی عصمت دری کی۔ یہ بچی جس کی عمر صرف بارہ سال ہے، پچاس سے زائد سرب فوجیوں نے ہمارے سامنے اس کی عصمت دری کی۔ اس کے باوجود بھی ان کی تسکین نہیں ہوئی تو بچی کو اپنے ساتھ لے گئے اور کئی دن کے بعد اس حال میں واپس کیا۔ پھر ان درندوں نے ان دونوں بچیوں کی ماؤں کی عصمت دری متعدد بار کی۔ آخر کار ہم لوگوں نے رات کے اندھیرے میں اس گاؤں سے بھاگنے کا فیصلہ کر لیا۔ حالانکہ دونوں بچیاں شدید تکلیف سے دوچار تھیں پھر بھی کسی نہ کسی طرح ان کو اُٹھا کر ہم لوگ اس گاؤں سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ ہولناک واقعہ سن کر میں برداشت نہ کر سکا اور بری طرح رونے لگا۔

سوال:۔ اس واقعہ کو دیکھنے کے بعد آپ نے کیا محسوس کیا؟

جواب:۔ اس واقعہ نے مجھے ہلا کر رکھ دیا۔ بوسنیا پہنچ کر پھر میرے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا اور اس طرح رونے لگا جیسے میری بچی کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہو۔ میں بتا نہیں سکتا کہ مجھ پر کیا گزری۔ میرے دل پر جو گزری وہ ناقابل بیان ہے۔ میں نے یہ محسوس کیا کہ اب مجھے اپنی زندگی کو ان انسانوں کو بچانے کی خاطر یکسر تبدیل کر دینا چاہئے۔ اس لئے نہیں کہ یہ مسلمان ہیں بلکہ اسلئے کہ یہ انسان ہیں بچپن میں مجھے انسانوں سے محبت کرنا سکھایا گیا تھا۔ مسلمانوں کے ساتھ رہ کر بھی ہم نے یہی سیکھا تھا۔ خاص طور سے بوسنیا کے دوران قیام اس کا مشاہدہ زیادہ ہوا۔ عجیب و غریب بات یہ ہے کہ میں عیسائی ہو کر یہ سوچ رہا تھا کہ سرب عیسائی ہو کر بھی وحشی اور درندے کیسے بن گئے تھے؟ بہر حال میں نے بوسنیا کے اس ہسپتال میں اس بچی کو داخل کرا دیا جو خواتین سے متعلق تھا۔ وہاں جانے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ اس طرح کے عصمت دری کے کئی کیس ہیں جن میں مبتلا خواتین اور کم سن لڑکیوں کا علاج ہو رہا ہے، اور یہ

صرف ایک شب میں پیش آیا تھا۔

سوال:- کیا بوسنیا کے دوران قیام آپ کی ملاقات کسی مسلمان صحافی سے بھی ہوئی؟

جواب:- ہاں متعدد مسلمان صحافی وہاں پر رپورٹنگ کیلئے گئے ہوئے تھے۔ سعودی میڈیا سے متعلق صحافی سے ہماری جب ملاقات ہوئی تو دیر تک اسلام اور مسلمانوں سے متعلق گفتگو ہوتی رہی۔ آخر کار میری باتیں سن کر اس صحافی نے وہی کہا جو بیروت کی مسجد کے امام نے کہا تھا کہ آپ مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے؟ آپ کا دل تو مسلمان ہے۔ آپ اسلام قبول کرلیں گے تو اسلام سے متعلق بہت سے سوالات کا جواب خود بخود مل جائیگا۔ اس وقت سے مسلمان صحافی کا یہ جملہ برابر میرے ذہن میں کام کرتا رہا۔

میں نے بوسنیا میں دوران قیام ایک مسلمان خاندان کو امریکہ علاج کیلئے بھجوانے کا انتظام کیا تھا، اس خاندان کے سرپرست کینسر کے موذی مرض میں مبتلا تھے۔ ان کا ایک گردہ بالکل بے کار ہو گیا تھا۔ جس ہسپتال میں ہم نے اس خاندان کے سربراہ کو علاج کے لئے داخل کیا تھا وہاں سے ہمارا برابر رابطہ رہا۔ اس دوران میں نے قرآن شریف کا مطالعہ شروع کر دیا تا کہ بہتر طریقے سے براہ راست اسلامی تعلیمات کو سمجھ سکوں۔ چند ہی دنوں میں قرآن مجید میں مجھے اپنے ان سوالوں کا جواب تشفی بخش طریقے سے مل گیا جس کے لئے میں برسوں سے پریشان تھا اور مجھے انجیل اور اس کے عالموں نے مایوس کر دیا تھا۔

میں بوسنیا سے واپس آیا تو تیسرے دن میں اس خاندان سے ملنے ہسپتال گیا تا کہ ان کے حالات معلوم کروں۔ مجھے معلوم ہوا کہ مریض ہونے کے باوجود جمعہ کی نماز کے لئے وہاں ایک قریبی مسجد میں جاتے ہیں۔ میں نے اس بوسنی مسلمان مریض کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ اس وقت میں نے بڑے تاثر سے کہا کہ آپ کے

دین اسلام میں سب کچھ ہے اور یہی اصل دین ہے جس پر پوری انسانیت کی نجات کا انحصار ہے۔ میں جب یہ جملہ کہہ رہا تھا اس وقت میری عجیب کیفیت تھی۔ اندر سے میری شدید خواہش ہو رہی تھی کہ اپنے اسلام کا اعلان کر دوں اور ابھی گھر جا کر نمازیں پڑھنے لگوں۔

سوال:۔ آپ کیسے اسلام لائے؟

جواب: میں جب گھر واپس آیا تو دوسرے دن اس بوسنی مسلمان کے انتقال کی افسوس ناک اطلاع ملی۔ میں تیزی سے وہاں پہنچا تو دیکھا کہ ہم سے پہلے اس شہر میں موجود مسلمانوں کی بڑی تعداد تجہیز و تکفین کیلئے پہنچ چکی ہے۔ یہ وہ مسلمان تھے جو ہندوستان و پاکستان، سعودی عرب، کویت اور دیگر اسلامی ملکوں سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی کوئی رشتے داری مرحوم سے نہیں تھی، لیکن وہ سب اس طرح شریک تھے جیسے یہ ان کے فرد خاندان اور بزرگ ہوں۔ ہر شخص اس خاندان کے افراد کی دل جوئی اور تسکین ودلا سے کا فریضہ انجام دے رہا تھا۔ ہر شخص متاثر اور غمگین تھا جو میرے لئے نئی بات تھی۔ جب میرے مرحوم بوسنی دوست عثمان کے جسم کو غسل دیا جا رہا تھا میں نے عین اسی وقت کلمہ شہادت پڑھ کر اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ اس لمحے میری زندگی یکسر تبدیل ہو گئی تھی۔

اسلام نے بدل دیا تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد بوسنیا ہی نہیں میرے اندر دنیا کے مسلمانوں کی مدد کا بے پناہ جذبہ پیدا ہو گیا، اس لئے کہ وہ سب میرے بھائی ہیں اور اسلامی اخوت عالمگیر ہے۔

یورپ کا معروف پاپ سنگر جب اُسکے ہاتھ گٹار کے تاروں پر پڑتے تو بہت سے جامد جسم متحرک ہو جاتے، موسیقی سے اُنہیں جنون کی حد تک لگاؤ تھا اُنہوں نے اپنا پہلا گیت خود لکھا اُسکی موسیقی بھی خود مرتب کی اور خود ہی گایا اور یہ ہٹ ہو گیا دولت اُسپر بارش کی طرح برس رہی تھی لیکن اندر ایک بے کلی تھی اضطراب اور بے سکونی تھی اُسنے ساری دنیا کا چکر لگایا ڈاسنگ شراب و کباب کا سہارا لیا لیکن کوئی چیز اُسکے لئے وجہ قرار نہ بن سکی۔

کیٹ اسٹیونیز سے یوسف اسلام بننے والے نومسلم سے مفتی ولی حسن مفتی شبیر احمد و دیگر حضرات نے دارالعلوم عربیہ (بالٹن، برطانیہ) کے مدیر مولانا یوسف متالا صاحب کے توسط سے ایک طویل و دلچسپ انٹرویو لیا جو نذر قارئین ہے۔

کیٹ اسٹیونیز سے یوسف اسلام تک

شراب بے خودی شوق بھی کیا جانے کیا شئے ہے
برابر پی رہا ہوں، اور ذرا تسکین نہیں ہوتی

دولت اور شہرت کی بلندیوں پر پہنچا ہوا ایک شخص جو اپنے وقت کا مایہ ناز پاپ سنگر تھا نہ صرف سنگر بلکہ گانے بھی لکھتا تھا۔ گویا وہ اپنے خیالات کو الفاظ میں ڈھالتا پھر ان الفاظ میں اپنی آواز کا رس گھولتا تھا۔ اور پھر نہ صرف یہ بلکہ موجودہ زمانہ کی ڈسکو اور پاپ میوزک کے ذریعہ ایک دھوم مچاتا پھرتا تھا۔ اس کے گٹار کے تاروں کے ہلنے کے ساتھ ساتھ بہت سے جامد جسم حرکت میں آجاتے تھے۔ جس کی مخصوص ڈسکو میوزک اور ڈانس پر بہت سے جسم تھرکنے لگتے تھے اور جس کی مسحور کن آواز کی مدہوشی میں کتنی ہی ''نقصات العقل'' اپنی ادھوری اور ناقص عقل بھی کھو بیٹھتی تھیں اور کتنے ہی عقل مند افراد اپنی عقل اور ہوش وحواس کا سودا چند دھنوں اور ڈھولک کی تال کی عوض کر لیا کرتے تھے۔

یہ شخص یورپ کا مشہور پاپ سنگر کیٹ اسٹیون تھا۔ شہرت کی بلندیوں پر پہنچنے کے باوجود یہ شخص بے سکونی و بے اطمینانی کی کیفیت سے دو چار تھا۔ وہ روحانی سکون کا متلاشی تھا اور چونکہ اس کی طلب سچی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے بھی اسے دولت ایمان سے سرفراز کیا اور آج ماضی کا یہ پاپ سنگر کیٹ اسٹیون حال کا ''یوسف اسلام'' ہے اور نہ صرف یہ بلکہ اس وقت وہ لندن میں اور بین الاقوامی طور پر ایک مبلغ اسلام کی حیثیت سے کام کر رہا ہے۔ وہ آواز جو کبھی حسینان فرنگ کے عریاں جسموں کے گن گایا کرتی تھی، آج وہ زبان اللہ اور اس کے رسول اور دین اسلام کی تعریف میں ''رطب

اللسان“ ہے۔ وہ دماغ جو کبھی فرسودہ نغماتی خیالات میں مگن و مدہوش رہتا تھا۔ آج وہ دماغ اسلام کی ترویج و اشاعت اور مسلمان بچوں کی تعلیم و تربیت اور اسلامی کلچر کی ترقی کے ذرائع اور وسائل کے متعلق سوچنے میں مصروف رہتا ہے۔ وہ ہاتھ جو کبھی گٹار کے تاروں سے کھیلتے تھے آج وہ ہاتھ بچوں کے لئے اسلامی نظمیں لکھنے میں مصروف ہیں۔

”یوسف اسلام“ سے ملاقات اور انٹرویو کا سلسلہ کچھ یوں ہوا کہ راقم الحروف (یعنی بندہ مزمل حسین ہیں کو اقرار ڈائجسٹ کے مدیر اعلیٰ مفتی پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں بحیثیت خادم، رمضان سے قبل برطانیہ اور پھر وہاں سے حجاز مقدس کے سفر کا شرف حاصل ہوا۔ یوسف اسلام کے متعلق پاکستان ہی میں یہ سن رکھا تھا کہ وہ نہ صرف اسلام قبول کرنے کے بعد دیگر طریقوں سے اسلام کی خدمت انجام دے رہے ہیں بلکہ نرسری طرز پر ایک اسلامی نرسری اسکول بھی چلا رہے ہیں۔ اور پھر جب انگلینڈ میں ہمارے میزبان دار العلوم عربیہ (ہالٹن) کے منتظمین مولانا محمد یوسف متالا صاحب مفتی شبیر احمد صاحب اور مولانا علی صاحب سے یوسف اسلام کے متعلق مزید معلومات حاصل ہوئیں تو ان سے ملاقات کا مزید اشتیاق بڑھا۔ چنانچہ یہ رمضان المبارک کا تیسرا روزہ اور پیر کا دن تھا اور یہ ہمارے سفر برطانیہ کا آخری دن۔ مغرب کے وقت ہمیں حجاز مقدس کے لئے روانہ ہونا تھا اور دن کے دو بجے یوسف اسلام سے ملاقات ہوئی۔

اس انٹرویو میں مفتی اعظم پاکستان مفتی ولی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ مفتی شبیر احمد صاحب، مولانا علی صاحب اور حافظ احمد صاحب بھی موجود تھے۔

ہمارا خیال یہ تھا کہ شاید اس شخص میں اسلام قبول کرنے کے باوجود ماضی کی مصروفیات اور دلچسپیوں کی کوئی نہ کوئی جھلک ہوگی لیکن جب وہ شخص کمرے میں داخل ہوا تو میرے سامنے ایک انتہائی وجیہہ مگر سادہ سی شخصیت تھی۔ اس میں جہاں مغربی

حسن کی دلکشی تھی، وہیں اسلام کی بدولت وقار، سادگی اور عجز و انکساری کا بھی غلبہ تھا۔ چہرے پر مکمل باشرع داڑھی اور عربی طرز کے جبے میں ملبوس وہ شخص ایک مکمل مسلمان معلوم ہوتا تھا۔

یوسف اسلام سے ملاقات کے بعد جب ہم نے انٹرویو کے لئے اپنا مدعا بیان کیا تو انہوں نے بخوشی اور بلا تکلف قبول کیا۔ یوسف اسلام سے ہم نے پہلا سوال کیا کہ۔

سوال:۔ اسلام قبول کرنے سے قبل کی زندگی کے بارے میں کچھ بتائیں اور یہ کہ کیٹ اسٹیون سے یوسف اسلام تک آپ کے سفر کی روئیداد اور آپ کے اسلام قبول کرنے کی وجوہات کیا ہیں؟

جواب:۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ مغربی طرز حیات کی بنیاد مکمل طور پر مادہ پرستی پر ہے یہاں ہر چیز کو دولت اور شہرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے چنانچہ میں بھی مادہ پرست معاشرے کا ایک حصہ تھا۔ میرا مقصود حیات اور مطمع نظر دولت اور شہرت تھا۔ مغربی دنیا میں دولت اور شہرت کے حصول کے لئے کسی بھی قسم کا نمائشی آرٹ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ چنانچہ میں نے بھی فن موسیقی کو اس کے تمام جدید تقاضوں کیساتھ اپنایا ہوا تھا۔ میری زندگی کی تمام دلچسپیاں اس سے متعلق تھیں۔ میرے شب و روز کے تمام سانچے اسی میں ڈھلے ہوئے تھے۔ میں آلات موسیقی میں گٹار کے استعمال میں مہارت رکھتا تھا۔ میں خود ہی گانے لکھتا ان کی موسیقی ترتیب دے کر اپنی آواز کے رنگ میں ڈھالتا تھا۔ چنانچہ بہت ہی کم عرصہ میں میں شہرت کی بلندیوں پر پہنچ گیا تھا۔

لوگوں میں میری بہت مانگ تھی۔ خاص طور پر نوجوان طبقہ میں فن موسیقی سے اس قدر لگاؤ کے ساتھ ساتھ میں نے کثرت سے شراب نوشی بھی شروع کی ہوئی تھی اور بہت سے ان گناہوں میں مبتلا تھا جو آج کل یورپ کی معاشرتی زندگی کا ایک حصہ ہیں۔ کثرت سے شراب نوشی اور معاصی میں مبتلا ہونے کی بنا پر میں شدید قسم کا بیمار

پڑ گیا۔ درحقیقت اسی بیماری میں اللہ تعالیٰ کی مصلحت پوشیدہ تھی۔ اس لئے کہ یہی بیماری اور اس بیماری کے دوران میرے ذہن میں ابھرنے والا ایک سوال میری زندگی کا اہم موڑ بن گیا۔

بہت زیادہ بیماری کی حالت میں جب میں ہسپتال میں داخل کر دیا گیا اور وہاں میں موت وحیات کی کشمکش میں تھا کہ میرے ذہن میں یہ سوال ابھرا کہ اگر میں مر جاؤں تو میرا فن، میری دولت اور میری شہرت مجھے کیا فائدہ پہنچا سکے گی اور یہ کہ میری زندگی کا جو مقصد ہے وہ تو ادھورا رہ جائے گا اور میری موت میرے اس فانی مقصد کے حصول میں رکاوٹ بن جائے گی۔ کیا کوئی مقصد زندگی ایسا نہیں جو موت کے بعد بھی برقرار رہے؟

میں اگرچہ عیسائی خاندان سے تعلق رکھتا تھا، میں عیسیٰ علیہ السلام کو پسند بھی کرتا تھا، لیکن عیسائیت اور عیسائی مذہب کے خیالات مجھے پسند نہ تھے۔ اور اپنی زندگی مذہب سے آزادرہ کر گزارنا چاہتا تھا لیکن اس سوچ نے میری زندگی میں تلاطم پیدا کر دیا چنانچہ جب اللہ نے مجھے صحت دی تو میں نے دیگر مذاہب اور دیگر طرز ہائے حیات کا مطالعہ مذہب کے حوالے سے کرنا شروع کر دیا چنانچہ سب سے پہلے میں نے ''بدھ مت'' میں قدم رکھا اور میں نے اُس مذہب کی کچھ ریاضتیں بھی کیں لیکن مجھے محسوس ہوا کہ اس مذہب میں اگر کوئی شخص اُونچا مقام حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ دنیا کو بالکل ترک کر دے اور ایسے امور انجام دے جو انسانی فطرت کے سراسر خلاف ہیں۔

اس مذہب میں مجھے وہی تشنگی اور کمی محسوس ہوئی جو کہ مجھے عیسائیت میں محسوس ہوئی چنانچہ اس مذہب کے تصورات سے جان چھڑا کر میں کبھی تاروں کا مطالعہ کرتا کبھی یوگا کرتا لیکن کسی چیز میں بھی مجھے اطمینان حاصل نہ ہوا۔ البتہ ایک بات جو

بالاخر میں نے محسوس کی وہ یہ کہ اس کائنات کے پس پردہ کوئی قوت کی مالک ذات ضرور ہے اور اس ذات کو ہم (God) کہتے ہیں۔ لیکن یہ کہ میں اس خدا کی عبادت کیسے کروں اوراس کے قریب ہونے اور اس کی قربت حاصل کرنے کے لئے مجھے کیا ذرائع حاصل کرنا ہونگے؟ یہ چیز میرے لئے اب تک واضح نہ ہوسکی تھی۔

یہاں تک کہ ۱۹۷۵ء میں مجھے قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کا نسخہ ملا اور یہ وقت تھا کہ اب تک میرے دل میں مسلمانوں کے متعلق خیالات اچھے نہ تھے بلکہ مغربی نوجوانوں کی طرح میری سوچ یہ تھی کہ اسلام ایک مذہب ہے اور یہ محض کالے رنگ کے لوگوں کے لئے ہے۔ اس اعتبار سے مجھے اسلام ایک ڈراؤنی چیز معلوم ہوتی تھی چنانچہ میں نے قرآن کریم کے اس انگریزی ترجمہ کے نسخے کو بھی محض تنقید کی نیت سے پڑھنا شروع کیا۔ لیکن جوں جوں میں یہ کتاب پڑھتا گیا مجھے محسوس ہوا کہ یہ کتاب عام کتابوں سے ذرا مختلف ہے کیونکہ یہ کتاب براہ راست روح پر اثر انداز ہونے لگی اور مجھے محسوس ہوا کہ گویائی اور سماعت کی تمام قوتیں مفلوج کر کے یہ کتاب براہ راست میرے دل سے بات کر رہی ہے۔

بہت تھوڑے مطالعہ سے مجھ پر اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق یہ بات واضح ہوگئی کہ قرآن کریم جس ذات کے بارے میں بار بار ''رب العلمین'' کہتا ہے یہ وہ ذات ہے جس نے اپنی پوری کائنات کو تخلیق کیا ہے اور وہ اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے اور جب میں نے اور گہری نظر سے قرآن کریم کا مطالعہ کیا اور وہ پیغامات پڑھے جو تمام انبیاء کے متعلق قرآن پاک میں آتے ہیں کہ اُنہوں نے اپنی اپنی اُمتوں اور قوموں کو یہ پیغام پہنچایا تو میرے سامنے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی پیغمبر بھیجے سب کا پیغام ایک ہی تھا، اُن کی دعوت وتبلیغ ایک ہی تھی، جو موسیٰ نے کہا وہی ہی عیسیٰ نے کہا اور جو آدم نے کہا وہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا۔

اور اس کے ساتھ میرے ذہن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پوزیشن اور مقام بھی واضح ہو گیا کہ خدا کے بیٹے نہیں بلکہ اس کے پیغمبر ہیں اور یہ کہ خود عیسیٰ علیہ السلام نے خود اس بات کی پیشن گوئی کی کہ میرے بعد آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آئینگے اور پھر قرآن کریم کے مطالعہ سے مجھے انکشاف بھی ہوا کہ اسلام ایک علمی اور آفاقی مذہب ہے یہ انسانوں کو قوم، رنگ اور نسل کی بنیاد پر تقسیم نہیں کرتا بلکہ اس مذہب میں ہر رنگ ونسل اور قوم کا شخص داخل ہو سکتا اور نہ صرف یہ بلکہ اس مذہب میں ترقی کیلئے اور خدا کا زیادہ سے زیادہ قرب حاصل کرنے کے لئے راہیں ہر ایک کیلئے کھلی ہوئی ہیں کہ وہ اس مذہب کے اصول وضوابط پر عمل کر کے ترقی کر سکتا ہے۔

دیگر مذاہب کی طرح اس مذہب میں ترقی اور خدا کے قربت کی ڈھیکداری کسی خاص گروہ تک محدود نہیں اور یہ کی اس مذہب میں کسی جرم کی پاداش میں سزا کا مستحق سمجھے جانے میں بھی مساوات ہے۔ بہر کیف مجھے یہ انصاف پسند مذہب معلوم ہوا۔ اس کے علاوہ اور بہت سے عوامل اور محرکات تھے۔

اور میں نے اسلام میں مستقل اور مکمل طور پر داخل ہونے میں جلدی نہیں کی بلکہ دو سال تک قرآن کریم کا مطالعہ کرتا رہا اور بالاخر تقریباً ۱۹۷۰ء میں میں نے مکمل طور پر اسلام کو ایک مذہب کی حیثیت سے اپنالیا۔

سوال:۔ آپ کے پاس آواز کا فن تھا اور ماشاء اللہ اب بھی ہے، قبول اسلام سے پہلے اس کا رُخ اور تھا لیکن اب آپ نے اس کا رخ کیا متعین کیا؟

جواب:۔ دراصل اسلام سے قبل میں آلات موسیقی بھی استعمال کرتا تھا اور اپنے گانوں کے مضامین اور مواد بھی میں اپنے خیالات اور پسند کے مطابق تجویز کرتا تھا لیکن قبول اسلام کے بعد میں نے جب آلات موسیقی کے بارے میں سنا کہ اسلام میں موسیقی حرام ہے تو میں نے اس کو مکمل طور پر ترک کر دیا جب کسی بھی نظم، گانے کا وہ

مضمون اور مواد بغیر آلات موسیقی کے گاتا ہوں جس میں اسلام کا کوئی پیغام ہو بلکہ میں نے خود انگریزی کی چند نظمیں لکھی ہیں اور اس کے علاوہ میرا ارادہ ہے کہ عربی کے کچھ اناشید جو کہ خاص طور پر بچوں کے لئے لکھے گئے ہیں۔ اُن کو انگریزی میں منتقل کر کے اُن بچوں کو یاد کراؤں جو کہ یہاں میرے اسکول میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ مختصراً یہ کہ یقیناً اس فن کا رُخ اب اسلام کی طرف تبدیل ہو گیا ہے۔ اور اب میرے سامنے میرے مقصود نظر یہ بچے ہیں۔

سوال:- قبول اسلام کے بعد آپ کی معلومات میں مزید اضافے اور آپ کی اس کردار سازی میں کون سی شخصیات، کتابوں یا اداروں نے نمایاں کردار انجام دیا؟

جواب:- دراصل سب سے پہلے تو مجھے یوسف علی کا انگریزی ترجمہ ملا لیکن سب سے زیادہ جس انگریزی ترجمہ قرآن اور تفسیر سے میں متاثر ہوا اور جس نے مجھ میں مطالعہ کا ایک نیا شوق اور ذوق پیدا کیا وہ مولانا عبدالماجد دریا آبادی کا ترجمہ قرآن اور تفسیر ہے۔ اس ترجمہ وتفسیر سے مجھے بہت زیادہ مدد ملی۔ اس کے علاوہ میں نے صحیح بخاری کا انگریزی ترجمہ پڑھا۔ اسی طرح سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر علامہ شبلی نعمانیؒ کی سیرت النبی کے انگریزی ترجمہ سے میں نے اسلام کے متعلق کافی چیزیں سمجھیں۔ اسی طرح صحیح بخاری پر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے حاشیہ فضل الباری کا انگریزی ترجمہ میری نظر سے گزرا۔ بہر کیف یہ تو کتابیں تھیں جن سے میں نے علمی اور معلوماتی مواد کافی حاصل کیا لیکن عملی طور پر میں نے اسلام کے بنیادی ارکان اور عقائد تبلیغی جماعت کے ذریعہ سیکھے۔ اور اس کا واقعہ کچھ اس طرح ہوا کہ قبول اسلام کے کوئی ایک سال بعد جبکہ میں کینیڈا میں تھا۔ یہاں پر ایک مسجد میں تبلیغی جماعت آئی ہوئی تھی کہ میں نے نماز جمعہ کے بعد ایک مقرر کی تقریر سنی وہ تقریر اتنی شاندار اور موثر تھی کہ میں نے ایسی تقریر کبھی نہ سنی تھی۔ چنانچہ میں نے بھی تبلیغ میں وقت دیا اور وہاں پر بہت سی بنیادی باتیں

عملی طور پر سیکھیں۔

سوال:۔ آج کل عیسائی نوجوانوں کے ذہنوں میں اسلام کے متعلق کون سی الجھنیں ہیں، جسکی وجہ سے وہ اسلام قبول نہیں کرتے؟ اور آپ کے خیال میں اس کے تدارک کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ اور ان کو کس طرح اسلام کی طرف مائل کیا جاسکتا ہے؟ اور بالخصوص آپ اس کے لئے کیا جدوجہد کررہے ہیں؟ اس لئے کہ جب آپ نے اسلام قبول کیا ہے تو آپ دیگر غیر مسلموں کے لئے بھی اسلام ہی پسند کریں گے؟

جواب:۔ آج کل عیسائی نوجوان درحقیقت مذہب سے بیزار ہے۔ جس طرح ہمارے مسلم ممالک میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ نوجوان نسل لادینیت چاہتی ہے اور کسی بھی مذہب کی بالادستی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اسی طرح عیسائی نوجوان اسلام تو کیا وہ عیسائیت کی بالادستی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ لہٰذا مذہب سے بیزار ان نوجوانوں کو کسی بھی مذہب اور پھر وہ اسلام سے روشناس کرانا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یورپ میں بالخصوص بچپن سے ہی بچوں کے ذہن میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اسلام صرف کالے یا سانولے رنگ کے لوگوں کے لئے ہے اور ہمارے جیسے لوگوں کے لئے اسلام کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں لہٰذا اس طرح سے بچے کے ذہن میں بچپن سے ہی اسلام سے نفرت اور خوف بیٹھ جاتا ہے حالانکہ ایک بات جو ہمارے حق میں جاتی ہے وہ یہ کہ مغربی معاشرہ چند اہم چیزوں کے علاوہ باقی سب ایک اسلامی معاشرہ کی طرح ہے۔ یورپ نے تنظیم اور اخلاق کی بہت سی چیزیں اسلام کی اپنالی ہیں لیکن بس چند چیزوں اور عقائد کے اعتبار سے وہ مسلمان نہیں۔ ہم یورپین مسلمانوں کے ساتھ اور بالخصوص ان نوجوانوں کے ساتھ جو کہ مسلمان ہوئے ہیں اس موضوع پر تبادلہ خیال کررہے ہیں کہ کس طرح یہاں کے

نو جوانوں کو مسلمان کیا جائے۔ درحقیقت یورپ میں مسلمان اس قدر منظم نہیں ہیں کہ وہ کسی نئے مسلمان ہونے والے کو کوئی سہارا علمی و مالی اعتبار سے دے سکیں۔ اس لئے کہ ایک مذہب کو ترک کر کے دوسرے مذہب میں داخل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنے خاندان، دوست اور معاشرہ سے کٹ گئے۔ اس لئے ہم مسلمانوں کے پاس اتنا انتظام ہونا چاہئے کہ ہم اپنے معاشرہ سے کٹ کر آنے والے ایک نومسلم کو ہر اعتبار سے سہارا دے سکیں اور اس کو یہ محسوس نہ ہو کہ میں نے اسلام کو اپنا کر کوئی غلطی کی ہے۔ غیر مسلم نوجوانوں میں اسلامی تبلیغ اس وقت تک زیادہ موثر نہیں ہو سکتی جب تک ہم خود مسلمان انفرادی اور اجتماعی مذہبی اور سیاسی طور پر منظم نہ ہوں۔

بہر کیف ان سب مسائل کے باوجود ہم پوری کوشش کر رہے ہیں کہ کسی طرح غیر مسلموں کو بھی مسلمان کیا جائے۔

سوال:- آپ ماشاء اللہ شاعر بھی ہیں اور گلوکار بھی اور اس کے ساتھ ساتھ اسلامی نرسری طرز پر اسکول بھی چلا رہے ہیں، کیا آپ نے بچوں کے لئے کچھ اسلامی نظمیں بھی انگریزی زبان میں لکھی ہیں؟

جواب:- جی ہاں میں نے چند نظمیں لکھی ہیں۔ اسی طرح میں نے ایک نظم عربی کی حروف تہجی کے اعتبار سے لکھی ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی چند عربی نظموں کو انگریزی نظم میں منتقل کرنے کا پروگرام ہے اور جیسے کہ مجھے معلوم ہوا کہ آپ بھی اسلامی نرسری اسکول اور حفظ القرآن کا مدرسہ چلا رہے ہیں۔، اگر آپ اس سلسلہ میں مدد کریں تو میں مزید انگریزی نظمیں لکھ کر ان بچوں کو یاد کراؤں (اس موقع پر ہم نے یوسف اسلام صاحب کو اپنے ادارے اقراء روضۃ الاطفال کی تیار کردہ عربی، اردو، انگریزی نظموں کی کیسٹ بھی پیش کی اور اس موقع پر یوسف اسلام نے حضور ﷺ پر لکھی گئی اپنی ایک انگریزی نظم اپنی دلکش آواز میں سنائی۔ اس محفل میں مفتی اعظم پاکستان مفتی

ولی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف فرما تھے۔ جب یوسف اسلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لیا تو ایک نومسلم کی زبان سے اتنے پیارے انداز میں نبی کریم ﷺ کا نام مبارک سن کر اظہار تشکر کے طور پر مفتی اعظم پاکستان پر ایک سرور کی کیفیت طاری ہوگئی اور آپ کی ہچکی بندھ گئی اور ایک لمحہ کے لئے محفل میں بالکل سناٹا تھا اور صرف مفتی صاحب کی ہچکیوں کی آواز آرہی تھی۔

سوال:۔ آپ نے اسلامی نرسری اسکول قائم کیا ہوا ہے جبکہ دوسرے شعبے بھی تھے، جن کے ذریعہ آپ اسلام کی تبلیغ وترویج کی خدمات سرانجام دے سکتے تھے۔ کیا آپ یہ بتلانا پسند کریں گے کہ آپ نے اسکول اور بچوں کی تعلیم وتربیت کے ذریعہ اسلام کی خدمت کا طریقہ کیوں اپنایا؟

جواب:۔ دراصل تعلیم ایک بنیادی ضرورت ہے۔ آپ دنیا کے کسی خطہ میں چلے جائیں کسی بھی مذہب اور رنگ ونسل کے لوگوں میں چلے جائیں۔ سب تعلیم کو بنیادی اہمیت دیتے ہیں۔ پھر اسلام میں تو ابتدا ہی پڑھنے پڑھانے، لکھنے لکھانے اور سیکھنے سکھانے سے کی گئی ہے جیسے کہ ''اقراء'' اور ن والقلم'' سے اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ پھر ایک بات یہ ہے کہ آج کل دنیا کے تمام خطوں میں مغربی تعلیم اور دنیاوی تعلیم کو اہمیت دی جارہی ہے اور اسلامی تعلیم کو نظر انداز کیا جارہا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ بچہ کی ذہنی واخلاقی تربیت بچپن سے ہوتی ہے۔ اس عمر میں بچہ کا ذہن ایک سفید کاغذ کی مانند ہوتا ہے۔ اس پر آپ جو بھی نقش ونگار بنائیں گے، وہی نقوش ''نقش کلچر'' بن جاتے ہیں۔ اس لئے اس بات کی خاص ضرورت ہے کہ مسلمان اپنے بچوں کو ابتداء سے ہی اسلام کے اعلیٰ اخلاق وکردار کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں اور انگلینڈ میں تو تعلیم لازمی ہے۔ لہٰذا اگر ہم اپنے مسلمان بچوں کو یہاں گورنمنٹ کے تعلیمی اداروں کے حوالے کردیں تو ان کی اسلامی تربیت کا تو پھر اللہ ہی حافظ ہے اور یہ بچے صرف

مسلمانوں کے بچے رہ جائیں گے جبکہ خود مسلمان نہ رہ سکیں گے۔

اس لئے اسلامی اسکول کی بڑی اشد ضرورت تھی کہ مستقبل کے ان معماروں کو صحیح تعلیم دلوائی جاسکے اور اس طرح انشاء اللہ اگلے چند سالوں میں یہ بچے اسلام کا مکمل نمونہ بن کر ابھریں گے اور بہتر اسلامی خدمات انجام دے سکیں گے۔

اگر چہ اسکول کے علاوہ ہم کچھ اور ذرائع سے کچھ کام کرنیکی کوشش کر رہے ہیں مثلاً مسلم ایڈ وغیرہ لیکن ہماری زیادہ توجہ اسکول پر ہے اور سب سے بڑا مقصد ہمارا ان نونہالوں کی صحیح تربیت ہے۔

سوال:- کیا آپ اپنے اسکول کے نصاب اور طریقہ تدریس کے متعلق کچھ بتلانا پسند کریں گے؟

جواب:- ہمارے یہاں دو قسم کے نصاب ہیں ایک تو اسلامی نصاب ہے اور یہ نصاب جدہ کے منارہ اسکول سے منگوایا تھا۔ دوسرا نصاب ہمارے پاس یہاں کے محکمہ تعلیم سے منظور شدہ ہے جس میں دیگر مضامین ہیں، ہم بچوں کو دونوں نصاب پڑھاتے ہیں تا کہ بچے برٹش نصاب بھی پڑھ لیں اور اس کے ساتھ ساتھ اسلامی مضامین بھی پڑھیں۔

چنانچہ ہم جہاں بچوں کو جنرل ہسٹری پڑھاتے ہیں وہیں ان کو اسلامی ہسٹری بھی پڑھاتے ہیں جغرافیہ میں ہم بچوں کو اسلامی ممالک کا جغرافیہ خاص طور پر پڑھاتے ہیں۔ اسی طرح قرآن وغیرہ کی تعلیم دیتے ہیں۔ ہم بچوں کو عربی زبان پڑھانے کے متعلق سوچ رہے ہیں لیکن مسئلہ یہ ہے کہ اتنی چھوٹی عمر کے بچوں کو عربی کس طرح پڑھائی جائے اور پھر یہ کہ ہمارے یہاں بعض بچے گھروں میں انگلش، اردو اور بعض گجراتی بولتے ہیں جس کی وجہ سے ہمیں عربی پڑھانے میں بڑی دقت ہوتی ہے اور پھر اتنی چھوٹی عمر کے بچوں کے لئے ان کی ذہنی صلاحیتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے کوئی

نصاب بھی مرتب نہیں کیا گیا۔

سوال:۔ آخری سوال آپ سے یہ ہے کہ مسلم نوجوان خصوصاً پاکستان کے مسلمانوں کے لئے آپ کوئی پیغام دینا چاہیں گے؟

جواب:۔ موجودہ وقت میں ہماری سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ ہم مسلمان انفرادی اجتماعی طور پر اپنے مقام کو پہچانیں اور اس بات کا احساس کریں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خلیفۃ الارض بنایا ہے اور یہ منصب خلافت ہمیں ہمارے اچھے اعمال کے بدولت ہی مل سکتا ہے جیسا کہ سورۃ العصر میں ارشاد ربانی ہے۔ تمام انسان خسارے میں مگر وہ جو ایمان لائے نیک اعمال کیے اور آپس میں ایک دوسرے کو حق اور صبر کی تلقین کی۔

لہٰذا ہمیں اپنے آپ کو اس منصب کا اہل ثابت کرنے اور اسکے کے حصول کیلئے انفرادی اور اجتماعی طور پر جدوجہد کرنی ہے اور مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات سے اُمید ہے کہ نئی مسلم پود میں اسلام کی بیداری آئیگی اور وہ بہت جلد اپنے عہد رفتہ کی بلندیوں کو چھو لے گی۔ انشاءاللہ....

میں جب رشین آرمی میں جرنل تھا تو اپنی افواج کو حکم دیتا کہ مسلمانوں کو بے دریغ قتل کرو ہم نے جدید ترین اسلحہ اور راکٹوں سے جو ہمارے پاس تھے ان کا قتل عام کیا ہم نے مجاہدین پر بم برسائے لیکن ان کے پاس ہمارے مقابلے کے لئے کچھ بھی نہیں تھا۔ مجاہدین کا سادہ لباس اور ہاتھوں میں چھوٹی بندوقیں جن سے ہرن کا شکار کرنا بھی ممکن نہ تھا۔ ہم آپس میں کہتے یہ پاگل ہیں یہ جدید اسلحہ کا کس طرح مقابلہ کریں گے؟ لیکن جب ہم نے دیکھا کہ وہ گولوں کی برسات میں بھی نہ ڈرتے آخر کار ہماری فوج بھاگ کھڑی ہوتی تو میں سوچنے لگا کہ ہم تعداد اور عسکری قوت کے لحاظ سے بھی برتر ہیں لیکن پھر بھی وہ غالب آجاتے ہیں یقیناً کوئی طاقت ہے جو ان کی مدد کر رہی ہے۔

کیمونسٹ جنرل سے مؤذن مسجد ''علی'' تک

ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے
پاؤں شیروں کے بھی میدان سے اکھڑ جاتے تھے

تجھ سے سرکش ہوا کوئی تو بگڑ جاتے تھے
تیغ کیا چیز ہے ؟ ہم توپ سے لڑجاتے تھے

''اناطولی اندریوچ'' ایک روسی فوجی جنرل کا روسی نام تھا۔ یہ روسی نام اب ایک عربی اسلامی نام سے بدل گیا ہے نیا اسلامی نام ''علی'' ہے کیوں کہ یہ سابق روسی فوجی جنرل حلقہ بگوش اسلام ہو چکا ہے۔ اس نے اپنی روسی فوجی وردی اتار پھینکی وہ اپنی بیش قرار تنخواہ سے دستبردار ہو گیا۔ اس نے دیگر مراعات کی جو اسے حاصل تھیں پرواہ نہیں کی وہ قازقستان کے مسلم معاشرہ میں اچانک نمودار ہوا اور اسی معاشرہ میں ضم ہو گیا۔ اب وہ بڑی یکسوئی اور طمانیت قلبی کے ساتھ ایک نئی مشغولیت اختیار کر چکا ہے۔

کیا آپ سننا چاہیں گے کہ نومسلم ''علی'' کی نئی مشغولیت کیا ہے؟

اس کی نئی مشغولیت یہ ہے کہ ایک مسجد میں پانچ وقت اذان پکارنا تاکہ خدا کے مخلص بندے وقت پر مسجد کا رخ کریں اور ٹھیک اللہ کے حکم کے مطابق اعتراف بندگی کے لیے صف آرا ہوں۔

یہ وہی مشغولیت ہے جسے ہمارے اسلامی جمہوریہ پاکستان کا مسلم معاشرہ کوئی خاص اہمیت نہیں دیتا۔ لیکن یہ سابق روسی فوجی جنرل اس مشغولیت کو بڑی اہمیت دیتا ہے وہ اپنے سب کاموں پر اس کام کو فوقیت دیتا ہے۔ روس ان دنوں دنیا کا دوسرا سپر

پاور کہلاتا تھا جب نومسلم ''علی'' کی شخصیت ''جنرل اناطولی'' کے نام سے معروف تھی مگر اس کے دل میں ایمان کا نور داخل ہوا اور اس نے خدائے واحد کو پوری کائنات کا اصل اور تنہا سپر پاور تسلیم کرلیا۔

آج کل قازقستان کی جس مسجد میں سابق روسی جنرل پانچوں وقت کی پابندی وقت کے ساتھ اذان کی صدا بلند کرتا ہے وہ قازقستان کے دارالحکومت ''الماتا'' کی مسجد کہلاتی ہے اور یقیناً اب اس مسجد کو ایک یادگار تاریخی مسجد کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔

عربی ہفت روزہ ''المسلمون'' کے خصوصی نامہ نگار نے ''علی'' سے ایک انٹرویو لیا۔ اس کا ترجمہ قارئین کے لئے حسب ذیل ہے۔

''علی'' سے علی الصباح انٹرویو کا ایک پروگرام طے تھا فجر کی نماز باجماعت کے لئے جب علی کی نرم و دلگداز آواز فضا میں بلند ہوئی تو ہمارے دلوں میں یہ احساس جاگ اٹھا کہ وہ نومسلم ہے اور ہمیں اسلام کی دولت ورثے میں ملی ہے۔

ہم نماز باجماعت کے بعد مسجد ہی میں بیٹھے رہے وہاں نمازیوں کی ایک تعداد بھی موجود رہی اور اسی جم غفیر میں مسجد ''الماتا'' کے موذن جناب علی کا چہرہ نمودار ہوا جن کا ماضی اسلام کے ساتھ ان کی بدسلوکیوں کی ایک طویل تاریخ رکھتا ہے جی ہاں! یہ طویل تاریخ تمام تر اسلام دشمنی کی کاروائیوں پر مشتمل ہے۔

سوال: آپ نے میدان جنگ میں کیا محسوس کیا؟

جواب: بس یہ ہے کہ میں نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ روسی زبان بولنے والے قیدی مجاہدین کو حاضر کیا جائے ان کی تعداد کچھ کم نہیں تھی جب وہ حاضر ہوگئے تو میں نے دیکھا وہ لوگ صرف جنگجو ہی نہیں تھے بلکہ اسلام کے داعی بھی تھے۔ یہ لوگ روسی جوانوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ ان میں سے بعض نے مجھے اسلام کی دعوت دی

اور میں نے زندگی میں پہلی باران کی دعوت میں دلچسپی محسوس کی پھر میں ان کے ساتھ گھنٹوں گزارنے لگا پھران کے ساتھ چائے پینے لگا میں ان کی باتیں سنتا ان کی باتوں میں سیدھے سیدھے اور صاف اسلام کی دعوت ہوتی تھی میرا دل ان کی باتوں سے متاثر ہوا۔ایک اندرونی تحریک سی ہوئی جب میں ان کی ایک بات سنتا تو پھر دوسری بات کی کرید ہوتی۔ میں ان کی زیادہ سے زیادہ باتیں سننے پر راغب ہوا پھر جب میں اکیلا ہوتا تو ان کی باتوں پر غور کرتا اس طرح میری تمام تر حالت تغیر پذیر ہوتی گئی میں نے اپنے اندرون میں ایک رقت کی کیفیت محسوس کی۔

میں سوویت فوجی قوانین کے مطابق چھٹیوں پر'' باکو'' چلا گیا تا کہ اپنی بیوی اور بچوں سے ملاقات کرسکوں اس موقع پر یہ خیال بھی تھا کہ انہیں اپنے تازہ تغیرات واحساسات سے آگاہ کروں گا۔ چنانچہ باکو پہنچ کر میں نے انہیں اپنے احساسات سے مطلع کیا میں نے وہاں مسلم داعیان اسلام سے باتیں کیں اوران سے ان خیالات پر بحث کی جو میرے دماغ میں چکر لگا رہے تھے۔ان لوگوں نے میری باتوں کو دلچسپی سے سن کران کا جواب بھی دیا اگرچہ میری بات کا کچھ زیادہ جواب ملا۔اس وقت میرے جذبات یہ تھے کہ مجھے مسلمانوں کے خلاف اپنے احساسات کو عملی شکل دینے کا ایک سنہری موقع ہاتھ آیا تھا مستزاد یہ کہ میں ان مجاہدین کے خلاف نفرت وکراہت رکھتا تھا میں نے اس موقع پر دیکھا کہ مجاہدین بڑی دلیری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ غاروں اور پہاڑوں میں زندگی بسر کرنا جانتے ہیں گدھوں کونقل وحمل اور سواری کے کام میں لاتے ہیں مسلمانوں کے بارے میں یہی میرا عمومی مشاہدہ تھا۔پھر چھٹیوں کا دوسرا موقع آیا اس موقع پر میں الما تا پہنچا لوگوں نے مجھے شیخ محمد حسین کے پاس بھیج دیا انہوں نے فوراً محسوس کرلیا کہ کچھ شکوک وشبہات ہیں جو میرے دل میں پرورش پا رہے ہیں۔انہوں نے میرے ہراس سوال کا خیر مقدم کیا جو میں نے ان کے سامنے

پیش کیا انہوں نے بہت سے سوالوں کا جواب حاصل کرنے کے لئے کتابوں سے بھی میری مدد کی اور ایک صبح میں خواب سے بیدار ہوا تو میرا دل اس یقین سے لبریز تھا کہ جو ایک عرصہ سے میری متاع گمشدہ کی حیثیت رکھتا تھا میں بالآخر اسی نتیجے پر پہنچا کہ دین تو بس اسلام ہے میں نے اس کا اعلان کر دیا میرے جتنے ساتھی مجھ سے ملے میں نے ان پر اس کا اظہار کر دیا۔

علی کو اس بات کی بڑی خوشی تھی کہ ہم آج ان سے مخاطب ہیں سعودی عرب سے تعلق رکھتے ہیں انہوں نے بے حد گرمجوشی کے ساتھ ہمیں خوش آمدید کہا مگر ساتھ ہی آبدیدہ ہو کر بولے ''اب تو میری واحد آرزو ہے کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا کرم ہو۔ میں بیت اللہ کی زیارت کو جاؤں اور وہاں غلاف کعبہ سے لپٹ کر اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور رحمت کی درخواست کروں'' اس موقع پر علی کا رونا دیکھ کر سارے حاضرین رو پڑے

میں نے کہا'' سبحان اللہ ! کیا یہی وہ جنرل ہے جو پورے دو سال تک افغان مجاہدین سے برسرپیکار رہا اور جس کے ہاتھوں بکثرت مجاہدین مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔

اس موقع پر محترم موذن کے لئے میری ترجمانی کا فریضہ شیخ محمد حسین نے انجام دیا۔

میری بات سن کر سابق جنرل کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھار پھر تیز ہو گئی۔

اس نے جواب دیا بے شک آپ کی اس بات سے میرا پورا وجود لرز رہا ہے مگر جنگ و پیکار کا یہی تجربہ ہے جس نے ایمان ویقین کی طرف میری رہنمائی کی ہے بلاشبہ میں اسلام کا دشمن تھا بڑے بڑے منکرین خدا کی صف میں شامل تھا میرا ایک ہی مذہب تھا وہ تھا ''لینن ازم'' مگر اب میرا مذہب تبدیل ہو چکا ہے یہ تبدیلی ان ہی دو برسوں کے بعد ہوئی جن کو میں نے سرزمین جلال آباد میں گزارا تب میری شخصیت

ایک اور ہی شخصیت بن گئی میری نئی شخصیت اس پرانی شخصیت سے قطعاً مختلف ہے جس کو سوویت روس کی افواج میں میرے دیگر جنرل ساتھی جانتے پہچانتے تھے۔

میں نے پوچھا، ''کیا آپ روسی ہیں؟''

ملا ہاں لیکن میری جائے پیدائش آذربیجان کے شہر باکو ہے میں نے یونیورسٹی جانے سے پہلے کی تعلیمات اسی شہر کے اسکولوں اور کالجوں میں حاصل کیں میں ابتدا ہی سے جنون کی حد تک خدا کا منکر تھا اسلام کے خلاف شدید تعصب میں مبتلا تھا اسکول میں میرے ساتھ مسلمان طلبہ بھی ہوتے تھے میں ان سے شدید نفرت کرتا تھا۔ اگر چہ میں اپنی نسل اور خاندان کے لحاظ سے عیسائی تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی دین ومذہب پر یکسر ایمان نہیں رکھتا تھا میں ان طلبہ پر ہنستا تھا جو غیبی امور پر گفتگو کرتے تھے میں ان سے پوچھتا کس طرح آدمی کسی غیر موجودہ شے پر یقین رکھتا ہے؟ اور کیونکر ایک آدمی مٹی میں مل جانے کے بعد پھر زندہ کیا جائے گا اور اٹھایا جائے گا تا کہ اللہ تعالیٰ اس کا حساب لے اور اسے جنت اور دوزخ میں داخل کرے۔

میں نے بات کاٹتے ہوئے کہا'' کیا گفتگو اور بحث ومکالمہ کے دوران آپ کو ان سوالات کے جوابات نہیں ملتے تھے تا کہ آپ کو یقین آتا؟''

سابق جنرل نے جواب دیا ان دنوں مجھے یقین کی تلاش ہی نہیں تھی میں اپنے ان خیالات وافکار کی صحت پر شک ہی نہیں کرتا تھا جو مجھے حاصل تھے میں تو بس مسلمانوں سے دشمنی کرنے اور ان کا مذاق اڑانے سے سروکار رکھتا تھا اور اسی طرز عمل پر مطمئن تھا پھر میں نے فوج میں داخلہ لیا اور ترقی کی منزلیں طے کیں تو مجھے جلال آباد بھیج دیا گیا جہاں افغانستان کے علاقہ قندھار تک مجھے روسی افواج کا سربراہ بنادیا گیا روسی افواج کا ہدف اس علاقے میں افغان مجاہدین کا صفایا کرنا تھا''

'' کیا قبول اسلام کے بعد آپ کو کچھ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا؟''

علی نے جن کا چہرہ نور اسلام سے چمک رہا تھا جواب دیا یہ مشکلات متوقع تھیں ایسی مشکلات انسانی اجتماعی اور عملی زندگی کا جزو ہوتی ہیں مگر ان مشکلات کی اس سعادت ایمان کے آگے کوئی حیثیت نہیں جو مجھے حاصل ہوئی میرے لیے یہ کافی ہے کہ میں زندگی میں پہلی بار امن واطمینان سے بہرہ ور ہوا میں اس حقیقت کا ادراک کر سکا کہ جہاں بھی رہیں اللہ تعالیٰ جس کو ہم نہیں دیکھتے ہم کو دیکھ رہا ہے۔ اس کی نظر ہمارے اعمال پر ہے اور وہ ہمارے اعمال کا وزن کرے گا تا کہ اس وزن کے مطابق ہمیں اجر دے۔

میں نے پوچھا آپ کی بیوی اور بچوں نے کس طرح اسلام قبول کیا؟

علی نے بتایا کہ ابتداء میں ان کے چہروں پر خوف ودہشت کے تاثرات پھیل گئے وہ اس بات کا مفہوم نہیں سمجھ سکے کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں وہ اس بات پر تعجب کرتے تھے کہ میں روزانہ پانچ وقت مسجد میں جاتا ہوں جہاں جا کر لوگوں کو نماز با جماعت کے لیے پکارتا ہوں۔

میری بیوی نے سوال کیا کس طرح آپ ان مراعات پر جو آپ کو حاصل تھیں موجودہ تنخواہ کو ترجیح دی؟

میں نے اسے سمجھایا تم اس وقت کو نہیں جانتیں جب میں نے ایمان کی روشنی میں باطل کی زندگی ترک کر کے حق کی زندگی کو اختیار کیا ہے سچے ہیں وہ لوگ جنھوں نے مجھے ابتداء میں پہچان لیا کہ میں شکوک وشبہات کے مرحلے سے گزر رہا ہوں۔ انہوں نے مجھے تینوں ادیان کے مطالعے کے لیے کتابیں دیں میں نے اسلام، عیسائیت اور یہودیت کا مطالعہ کیا اور بالآخر اسلام کا انتخاب کر لیا اس معاملے میں سب سے پہلے تو میں افغان مجاہدین کا ممنون ہوں پھر شیخ محمد حسین کا شکر گزار ہوں۔

آپ نے اسلام کے خلاف اپنی دشمنی کو کیا عملی شکل دی؟

سابق فوجی جنرل کی آنکھوں میں آنسو ایک بار پھر برسنے لگے اور اس کے جسم پر ایک بار پھر کپکپی طاری ہوگئی۔ اس پر علی نے کہا میں اپنی افواج کو حکم دیتا تھا کہ وہ مسلمانوں کے معاملے میں قساوت قلبی سے کام لیں ان سے جتنا ہو سکے اتنے ہلاک کریں ان کے قیدیوں کے ساتھ خوب سختی سے پیش آئیں ہم نے اپنے جدید ترین اسلحہ اور راکٹوں سے جو ہمارے پاس تھے ان کا قتل عام کیا روسی اسلحہ ساز فیکٹریوں میں تیار کیے ہوئے بم برسائے اور ان کے پاس ہمارے مقابلے کیلئے کچھ بھی نہیں تھا بس مجاہدین کے بدن پر مجاہدین کا لباس تھا جو ان کی نشاندہی کرتا تھا۔ اور چھوٹی بندوقیں تھیں جن سے ایک ہرن کا شکار کیا جانا بھی ممکن نہیں ہوتا۔ ہم اپنے فوجی ساتھیوں کے ساتھ بیٹھے ان مجاہدین کے بارے میں تبادلہ خیال کرتے اور کہتے یہ لوگ پاگل ہیں یہ جدید اسلحہ کا کس طرح مقابلہ کریں گے؟ جب کہ ان کے پاس مقابلہ کرنے کا کوئی سامان نہیں ہے۔

علی نے مزید کہا کہ ہم نے دیکھا کہ یہ مجاہدین موت سے نہیں ڈرتے ہم گولوں کی برسات کرتے وہ اس برسات کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے آخر کار یہ ہوا کہ میری فوج بھاگ کھڑی ہوئی حالانکہ جانبین میں عسکری طاقت کا کوئی توازن ہی نہیں تھا مگر ہماری افواج موت کے ڈر سے پہاڑ کے دامن میں پناہ لینے لگیں اور مزے کی بات یہ کہ کن لوگوں کے سامنے بھاگ کھڑی ہوئیں ان لوگوں کے سامنے سے جن کے پاس کوئی ہتھیار بھی نہیں تھا وہ نہتے تھے۔

آپ نے اس کا کیا اثر لیا؟

میں بار بار سوچنے لگا کہ یہ لوگ جو ہم پر غالب آ رہے ہیں جب کہ ہم تعداد کے لحاظ سے بھی ان پر فوقیت رکھتے ہیں اور عسکری قوت کے لحاظ سے بھی برتر ہیں یقیناً کوئی بڑی طاقت ہے جو ان کی مدد کر رہی ہے اور یہی وہ مرحلہ تھا جہاں پہنچ کر میں شک میں

پڑا۔ یہ میرے شبہ کا پہلا مرحلہ تھا اور یہی مرحلہ تھا جہاں پہنچ کر میں اس موضوع پر بحث پر تمحیص کرنے لگا۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں اپنے گھر میں بھی اسلام کی روشنی دیکھنا چاہتا ہوں اور اللہ کا شکر ہے کہ اس میں کچھ زیادہ وقت نہیں لگا جلدی ہی میری بیوی اور بچے بچیاں حلقہ بگوش اسلام ہوئے پھر ''الماتا'' کی مسجد میں رسائی میری مسرت بالائے مسرت ہے۔

اب سے تقریباً کچھ عرصہ قبل ایک تبلیغی جماعت جاپان آئی۔ اسکے امیر ایک پاکستانی شیخ ارشاد تھے اپنے طریقے کار کے مطابق اُنہوں نے مقامی آبادی کو دعوت اور اسلام پیش کیا، تو میں بخوشی اُنکی مجلس میں پہنچ گیا اور اسلام کے پیروں کے ساتھ یہ میری پہلی ملاقات تھی اُنکے اخلاق حسن سلوک نے مجھے گرویدہ بنا لیا امیر جماعت نے کھانے کے وقت خود میرے ہاتھ دھلائے دسترخوان بچھا کر کھانا پیش کرتے میرا بستر تک خود بچھاتے۔

میں دل ہی دل میں سوچتا کہ یہ کیسے لوگ ہیں؟ جو ہماری ہی سرزمین پر ہماری خدمت پر کمربستہ ہیں۔

نومسلم جاپانی رہنما کا فکرانگیز انٹرویو جو اُنہوں نے محمد شریف نظامی صاحب کو جاپان میں دیا نذر قارئین ہے

کیمیو کیبا سے خالد تک

جنہوں نے ہزار ہا ٹھوکریں کھا کر بھی ہمیں حلاوت ایمان بخشی ہے
تمہاری ادائے سادگی واخلاق نے مجھے جلا بخشی ہے

سوال:۔ اس مادہ پرستانہ معاشرہ میں جہاں مذہب کو مجموعی طور پر عملی زندگی میں کوئی اہم مقام حاصل نہیں، آپ اسلام کی طرف کیونکر مائل ہوئے؟

جواب:۔ جب میں نے ٹوکیو کی چوؤ یونیورسٹی میں پوسٹ گریجوایٹ ڈگری کورس کے ایک طالب علم کی حیثیت سے داخلہ لیا تو مختلف قوانین کا تقابلی جائزہ میرا خاص موضوع مطالعہ تھا۔ اس حوالے سے میں نے اکثر وبیشتر عالمی مذاہب اور اُن کے آئینی، قانونی نظریات پر محققانہ نگاہ ڈالی۔ اُن میں اسلامک لا بھی شامل تھا۔ اسی تحقیقی کام نے مجھے اسلام کے بنیادی تصورات سے آگاہ کیا۔ اگرچہ یہاں بُدھ مت اور شنتوازم (مظاہر پرستی وآبا پرستی) کا دور دورہ تھا، لیکن عملی طور پر انہیں ہاتھ کی چھڑی اور جیب کی گھڑی سے بھی قدرے کم اہمیت حاصل تھی، یہاں تک کہ ایک شخص بیک وقت دونوں کا پیروکار ہوسکتا تھا اور اب بھی یہی صورت حال ہے مثلاً وہ فصل بوتے وقت "شنتو" ہوتا ہے اور عبادت کرتے وقت بُدھ۔ یہ روش ساری دُنیا میں منفرد انداز کی حامل تھی۔ اس ذہنی پس منظر میں اسلام کے سادہ، مدلل اور غیر مبہم اصولوں نے مجھے بہت متاثر کیا جس کا لابدی نتیجہ یہ نکلا کہ میں خاموشی سے اسلام کے قریب تر ہوتا گیا۔ جتنا بھی ناقدانہ انداز سے اسلام کا مطالعہ کرتا، مجھ پر نئے عُقدے واہوتے چلے جاتے۔ القصہ، جب یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہوکر رخصت ہورہا تھا تو میرے ہاتھوں میں قانون کی ڈگری تھی اور دل میں اسلام کے لئے انتہائی نرم گوشہ۔"

سوال:- آپ کب اور کیسے حلقہ بگوش اسلام ہوئے؟ اُن لمحات کے بارے میں آپ کے خاص تاثرات؟''

جواب:- اب سے تقریباً کچھ عرصہ پیشتر ایک تبلیغی جماعت جاپان آئی۔ اس کے امیر ایک پاکستانی عالم دین شیخ ارشاد تھے۔ اپنے طریق کار کے مطابق انہوں نے مقامی آبادی کو دعوت دی اور اسلام پیش کیا۔ اپنے ذاتی مطالعے کی بناء پر دین فطرت کا بڑی حد تک قائل تو ہو ہی چکا تھا، لہٰذا بخوشی اُن کی مجلس میں پہنچ گیا۔ میرے ساتھ آنے والے تمام لوگ مبلغ حضرات کی باتیں سُننے کے بعد واپس چلے گئے، لیکن مزید معلومات کی غرض سے میں رُک گیا۔ اپنے مخصوص نظریاتی پس منظر میں اسلام کے پیروؤں کے ساتھ یہ میری اولین ملاقات تھی۔ ان حضرات کے اخلاق اور حسن سلوک نے مجھے گرویدہ بنالیا۔ میرے فطری میلان طبع اور اسلامی مطالعے کے ناتے انہوں نے مجھے دو تین روز تک اپنے ساتھ رکھا۔ اس دوران میں دن رات اُنہی کے ہاں رہا۔ اگر چہ محترم شیخ ارشاد امیر جماعت تھے لیکن کھانے کے وقت بنفس نفیس میرے ہاتھ دُھلاتے اور دستر خوان بچھا کر کھانا پیش کرتے۔ میرا بستر تک خود بچھاتے میں دل ہی دل میں سوچتا یہ کیسے لوگ ہیں؟ ہماری سرزمین پر نووارد ہوتے ہوئے اُلٹا ہماری خدمت پر کمر بستہ ہیں۔ حق تو یہ تھا کہ ہم سے تواضع کی توقع کرتے اس اثناء میں یہ بھی میرے مشاہدے میں آیا کہ ہر فرد امیر جماعت کا احترام کرتا اور دل و جان سے اُن کا حکم بجالاتا۔ بلکہ ایسا کرنے میں فخر محسوس کرتا۔ میں اسلام کو خاصا پڑھ چکا تھا اور اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس کے پیروؤں کو اپنے تصورات پر پورا اترتے دیکھا۔ نتیجتاً تیسرے روز میں نے حضرت شیخ ارشاد کے دست حق پرست پر اسلام قبول کرلیا۔

سوال:- جاپان میں اس وقت مسلمانوں کی صحیح تعداد کیا ہے؟ ان کی کتنی تنظیمیں ہیں اور

اُن کا طریق کار کیا ہے؟

جواب:- یہاں ہزاروں فرزندان توحید بستے ہیں۔ان کی اکثریت بڑے شہروں میں مقیم ہے۔اسلام۔ جاپان کا تیسرا بڑا مذہب ہے۔قافلۂ اسلام میں شمولیت اختیار کرنے والے افراد معاشرے کے روشن خیال اور بااثر طبقوں سے تعلق رکھتے ہیں، مثلاً یونیورسٹیوں کے اساتذہ، انجینئر، ڈاکٹر اور دیگر اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات، تمام مسلمان دو قسم کی تنظیموں کے تحت منظم ہیں۔مرکزی اور مقامی تنظیموں میں اسلامک سینٹر جاپان، اور جاپان اسلامی کانگرس، سرفہرست ہیں۔ان کے صدر دفاتر ٹوکیو میں ہیں۔مالی اخراجات میں الحمد للہ یہ خود کفیل ہیں، البتہ اول الذکر کو مادر تنظیم کی حیثیت بھی حاصل ہے۔ان کے علاوہ متعدد مقامی انجمنیں ہیں۔اسلامک سنٹر رضا کارانہ بنیادوں پر قائم شدہ چھوٹی تنظیموں کو اقتصادی امداد بھی فراہم کرتا ہے۔اس کے لئے اُنہیں دو شرائط کی پابندی کرنا پڑتی ہے۔اول! اپنی تبلیغی اور دیگر سرگرمیوں کے لئے اٹھنے والے اخراجات کا کچھ حصہ خود فراہم کریں۔دوم: اسلامک سنٹر جاپان کی باقاعدہ رکنیت اختیار کریں۔تقسیم کار کے لحاظ سے ایسی انجمنوں کا دائرہ کار اپنے شہر تک ہی محدود ہوتا ہے، لیکن اگر ان میں سے کسی کے پاس وسائل موجود ہوں تو وہ پورے ملک میں بھی کام کرسکتی ہیں۔"

سوال:- دورِ حاضر کے جاپان میں ممتاز اسلامی شخصیتیں کون کون ہیں؟ اُن کا مختصر سا تعارف اور ترویج اسلام کے لئے اُن کی خدمات کی ایک جھلک؟

جواب:- آپ نے کسی توقف کے بغیر فرمایا:

الحاج عمر میتا اور جناب مصطفیٰ کمورا کے نام ہر جاپانی مسلمان کے لئے واجب التعظیم ہیں۔اول الذکر کو جاپانی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ کرنے کا شرف حاصل ہے۔یہ مبارک کام انہوں نے سعودی حکومت اور رابطۂ عالم اسلامی کے

فراخدلانہ تعاون سے ۱۹۷۲ء میں پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ آپ نے گزشتہ بیس پچیس سال سے اپنے آپ کو اسلام کی خدمت کیلئے کلی طور پر وقف کر رکھا ہے۔ ترجمۂ قرآن کے علاوہ جاپانی زبان میں ''اسلام کا تعارف'' اور ''اسلام کی تفہیم'' نامی دو کتابیں بھی تصنیف کر چکے ہیں۔ ۱۹۵۷ء میں آپ کے ملک بھی گئے تھے جس سے اگلے سال حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔ اپنے قیام چین کے دوران دولت اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔ اور اسّی برس کی عمر میں بھی فروغ اسلام کیلئے اُن کا جوش وخروش نوجوانوں سے بڑھ کر ہے۔ ''الحاج مصطفیٰ کمورا کی اسلام کیلئے مخلصانہ اوران تھک کاوشیں بھی انتہائی قابل قدر ہیں۔ تبلیغ اسلام کی غرض سے جاپان آنے والے غیر ملکی وفود اُنہیں ہر لمحہ خدمت کیلئے کمربستہ پاتے ہیں۔ اوساکا اُن کی سرگرمیوں کا محورومرکز ہے۔ اخوت اسلامی کو اُجاگر کرنے کے لئے خاصے مسلم ممالک کا دورہ کر چکے ہیں۔ ترجمۂ قرآن کے ضمن میں الحاج عمر میتا کے دست راست کے طور پر خدمات سرانجام دیں جن کی بنیاد پر رابطۂ عالم اسلامی کے حلقوں میں انتہائی قدرومنزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔''

سوال:- جاپانی زبان میں کتنا اسلامی لٹریچر ترجمہ کیا گیا ہے؟

جواب:- یوں تو وقتاً فوقتاً بے شمار چھوٹے بڑے دعوتی کتابچے اور تعارفی پمفلٹ شائع ہوتے رہتے ہیں، لیکن میں سمجھتا ہوں سب سے بڑا اور بنیادی کام متذکرہ ترجمۂ فرقان حمید ہے۔ مترجم موصوف برسوں کی عرق ریزی کے بعد اسے شائع کروادیتے تو کیا کم تھا، لیکن اُنہوں نے اسے مزید مستند بنانے کے لئے رابطۂ عالم اسلامی کے توسط سے ترجمے پر نظر ثانی کروائی۔ وہ عرصے تک اہل زبان عرب علماء کی معیت میں رہے اور ایک ایک نکتے پر سیر حاصل بحث کے بعد اُسے حتمی صورت دی۔ اندازہ لگایئے کہ تقریباً پندرہ برس کی مسلسل محنت شاقہ کے بعد یہ ترجمہ زیور طبعات سے آراستہ

ہوسکا۔

"الحاج عمر متیا کے ذریعے ترجمہ شدہ دومزید کتب کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

سوال:۔ آپ بذات خود کس انداز ے سے اسلام کی خدمت کررہے ہیں؟

جواب:۔ میری رہائش جزیرہ تو کوشیما میں ہے۔ میں نے یہاں دیگر مقامی مسلمانوں کے مشورے اور اسلامک سنٹر جاپان کے تعاون سے "اکیڈمیا خالدونیکا" اور 'اسلامک ایجوکیشن سنٹر' قائم کئے ہیں۔ ان دونوں کا مقصد اسلام کی تعلیم وتبلیغ ہے۔ اگرچہ اکیڈمی کا صدر دفتر تو کوشیما میں ہے، لیکن ایک ذیلی دفتر اوسا کا میں بھی قائم ہے جس کا زیادہ تر تعلق مالی سرگرمیوں سے ہے۔ اسلامک سنٹر جاپان ہر ماہ ہمیں ایک لاکھ ین امداد مہیا کرتا ہے جبکہ میں اتنی ہی رقم اُس مشاہرے میں سے ادا کرتا ہوں جو مجھے ریاض یونیورسٹی میں بطور مہمان پروفیسر لیکچر دینے سے حاصل ہوتا ہے۔ میں نے تا حیات اس قربانی کا تہیہ کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں وہ مجھے اس پر کاربند رہنے کی توفیق عطا فرمائے تو کوشیما میں ہمارا سنٹر معاشی طور پر انہی دو لاکھ ین کی مستقل آمدنی پر بخوبی چل رہا ہے۔ ان دونوں اداروں کے عام انتظام کی ذمے داری مجھی پر ہے۔"

سوال:۔ آپ اپنے ملک میں تبلیغ اسلام کے لئے کون سا طریق کار مؤثر گردانتے ہیں؟

جواب:۔ الحاج خالد کیبا دیر تک غور کی پہنائیوں میں غوطہ زن رہے اور پھر گویا ہوئے:

"خاصا مشکل سوال ہے یہ۔ کچھ کہنے سے پیشتر متعدد امور پر سوچ بچار کی ضرورت ہوگی۔ مثلاً: مذہب کے حوالے سے اہل جاپان کا ذہنی پس منظر، موجودہ معاشرتی رویے اور قوم پرستانہ بنیادوں پر قائم انتہائی مستحکم نظام۔ ان پہلوؤں سے مسلسل تگ ودو، وافر مادی وسائل اور براہ راست روابط زیادہ مؤثر ثابت ہوسکتے

ہیں۔ یوں سمجھیں کہ ہمارے مبلغین اسلام کے پاس ''اکسیر'' تو موجود ہے لیکن خام دھات سونا بنانے کے لئے مطلوب سانچہ نہیں۔ یہاں بہت سے مسلمان محض تبلیغی بھائیوں کی کوششوں سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے جو انہیں دین حقیقی کا پیرو بنا کر اپنے اپنے وطن لوٹ گئے، لیکن میرا خیال ہے کسی مربوط تربیتی نظام کی عدم موجودگی میں یہاں وسیع پیمانے پر اسلام کی تبلیغ واشاعت ممکن ہی نہیں۔''

سوال:- جاپان میں فروغ دین کے لئے عالم اسلام کو کیا کرنا چاہئے؟'' جناب خالد کیبانے کچھ تامل کے بعد سلسلۂ کلام یوں آگے بڑھایا:

جواب:- آپ نے یہاں رہ کر اس امر کا خاصا مشاہدہ کیا ہوگا کہ ہمارا معاشرہ مضبوط قوم پرستانہ بنیادوں پر ایک منضبط ہئیت ترکیبی کا حامل ہے۔ یہاں فرد کو وہ تمام شہری آزادیاں بدرجۂ اتم حاصل ہیں جن کی ایک جدید جمہوری ماحول اجازت دے سکتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ تمام افراد اپنے آپ کو تمدن وترقی کے لئے رضا کارانہ بنیادوں پر وقف کئے ہوئے ہیں۔ ہمارے موجودہ ارتقأ نے اسی اجتماعی سوچ کی کوکھ سے جنم لیا ہے۔ ہر جاپانی خواہ مذہب پرست ہو یا اس سے بیگانہ، موجودہ نظام کی شکست وریخت برداشت کرنے کا ہرگز روادار نہیں۔

''اس مخصوص پس منظر میں، اگر دین حق بحیثیت بہتر نظام حیات پیش کیا جائے تو اشاعت اسلام کی طرف مؤثر، پائدار اور حقیقی پیش رفت ہوسکتی ہے۔ میری دلی خواہش ہے کہ اگر عالم اسلام کے لئے ممکن ہو تو وہ دین متین کو ایک ایسے مربوط ضابطہ حیات کی صورت میں سامنے لائے جو دور جدید کی مشینی زندگی کے پیدا کردہ انتہائی پیچیدہ مسائل کا تسلی بخش حل پیش کرے اور اس کی طرف لپکنے والے اسے اپنا سچا ہمدرد اور غمگسار پائیں۔ اسلام کو محض پوجا پاٹ کا مذہب بنا کر پیش کرنا وقتی طور پر تو خوش کن ہوسکتا ہے، لیکن کسی بڑی تبدیلی کا پیش خیمہ ثابت نہ ہو سکے گا۔ اس طریق تبلیغ کے آغاز

کی کئی امکانی اور عملی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ مثال کے طور پر، اسلامی و مشرقی طب کی بنیاد پر چھوٹے چھوٹے ہسپتال قائم کیئے جائیں جہاں علاج معالجے کی بہترین متبادل سہولتیں مہیا ہوں، نیز ان کا عملہ اسلامی اخلاق کا اعلیٰ وارفع نمونہ بھی پیش کرے۔''

ماہنامہ اردو ڈائجسٹ بحوالہ صدیقی ٹرسٹ سلسلہ ۹۷

دعوت وتبلیغ کی چھ صفات

سے متعلق

منتخب احادیث

کلمہ طیبہ

نماز

علم وذکر

اکرام مسلم

اخلاص نیت
یعنی تصحیح نیت

دعوت وتبلیغ

تالیف

حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمہ اللہ

ترتیب وترجمہ: مولانا محمد سعد صاحب مدظلہ کاندھلوی

زمزم پبلشرز

اردو بازار، کراچی

فون: ۲۷۲۵۶۷۳

اللہ تعالیٰ کے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا بیان
محبوب خدا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری پیاری سنتیں

المعروف بہ

شمائلِ کبریٰ

جلد سوم

اور چوبیس گھنٹے کی زندگی کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک اور نورانی طریقوں اور اعمال پر مشتمل ایک نایاب کتاب جسے پڑھ کر دلوں میں سنتوں کے اپنانے کا شوق پیدا ہوگا۔

مؤلفہ:
مولانا مفتی محمد ارشاد صاحب القاسمی مدظلہ العالی
استاد حدیث مدرسہ ریاض العلوم گورینی جون پور

پسند فرمودہ

حضرت مفتی نظام الدین شامزئی مدظلہ العالی
استاذ حدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی نمبر ۵

ناشر: زمزم پبلشرز
نزد مقدس مسجد - اردو بازار - کراچی

فضائل اعمال

فضائل نماز

حکایات صحابہ

فضائل قرآن

فضائل رمضان

فضائل ذکر

فضائل تبلیغ

مؤلف:
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب
نور اللہ مرقدہ

زمزم پبلشرز
اردو بازار. کراچی
فون ۷۷۲۵۶–۳

ٹی وی کا فتنہ